نصیحت آموز اور عبرت انگیز

سچے واقعات

اور ہنسی مزاح کے اسلامی آداب

تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو عمار محمود المصری حفظہ اللہ

ترجمہ: فضیلۃ الشیخ مولانا یاسر عرفات حفظہ اللہ

نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ



مکتبہ بیت السلام

لاہور — ریاض

نصیحت آموز اور عبرت انگیز

سچے واقعات

اور ہنسی مزاح کے اسلامی آداب

تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو عمار محمود المصری حفظہ اللہ

ترجمہ: فضیلۃ الشیخ مولانا حافظ یاسر عرفات

نظر ثانی: حافظ عبداللہ سلیم



مکتبہ بیت السلام لاہور ریاض

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Tel: 042-37361371 Mob: 0321-9350001

کتاب وسنت کی اشاعت کا معیاری ادارہ

www.KitaboSunnat.com

اشاعت .... نومبر 2014

مکتبہ بیت السلام لاہور ریاض

کتاب وسنت کی اشاعت کا معیاری ادارہ

Tel: +966114381155 - +966114381122 Fax: +966114385991

Mob: +966542666646,+96656661236,+966532666640

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Tel: 042-37361371

Mob: 0321-9350001

Email: bait.us.salam1@gmail.com

Web: baitussalam.exai.com

Facebook page :Baitussalam book store

فہرست

خوش طبعی کے آداب

باب 2

کلیاں اور موتی

باب 3

معجزات اور کرامات

باب 4

نوادرات وعجائبات

❁❁❁❁❁

عرضِ ناشر

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر مکمل راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ خوشی ہو یا غمی؛ اسلام ہر ایک کی حدود و قیود کو بیان کرتا ہے، تاکہ کوئی شخص خوشی یا تکلیف کے موقع پر بھی اسلام کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ جنابِ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِمُؤْمِنٍ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْراً لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْراً لَّهُ)) [1]

"مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ اس کے لیے باعثِ خیر ہے اور یہ چیز صرف مومن کے لیے خاص ہے۔ اگر اسے کوئی نعمت میسر آتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔"

چنانچہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام و تابعین کی سیرت و سوانح میں ہمیں جابجا پاکیزہ مزاح اور ہنسی خوشی کے واقعات اور نصیحت آموز آثار و قصص ملتے ہیں، جو اس پہلو سے ہمارے لیے مکمل راہ نمائی فراہم کرتے ہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ خوش طبعی اور پند و نصیحت کے لیے جھوٹے، من گھڑت اور افسانوی واقعات و لطائف کے بجائے ان مقدس شخصیات کی سیرت اور حالات کا مطالعہ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٩٩)

کریں، تاکہ ان کی روشنی ہم اپنے اخلاق و کردار اور ذہن وفکر کی اصلاح کر سکیں۔

زیرِ نظر کتاب میں قرآن و حدیث اور صحابہ و تابعین کی سیرت کی روشنی میں قارئینِ کرام کے لیے ہنسی مذاق کے اسلامی آداب و احکام بیان کیے گئے ہیں اور اخلاق و کردار کی اصلاح کے لیے انتہائی سبق آموز اور نصیحت خیز واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ بلاشبہ آج کے دور میں ایسی کتب کی اشد ضرورت ہے، جو اس اسلامی نہج پر عامۃ الناس کی تربیت میں معاون ثابت ہوں۔

مولف نے کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں خوش طبعی کے اسلامی آداب اور سیرتِ نبوی وصحابہ و تابعین کے واقعات، دوسرے باب میں نصیحت آموز عام واقعات، تیسرے باب میں معجزات اور کرامات اور چوتھے باب میں انتہائی عجیب وغریب واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو کتاب کے مولف، مترجم اور ناشر کے لیے روزِ قیامت بلندیِ درجات اور مغفرت کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

ابو میمون حافظ عابد الٰہی (ایم۔اے)

مدیر مکتبہ بیت السلام

لاہور۔ ریاض

باب 1

خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی جائز اور ناجائز شکلیں

اسلام اور نشاطِ طبع

دیکھنے والا شریعتِ اسلامیہ کے اصول و فروع کے حوالے سے پہلی نظر میں جس خوبی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں انسان کے نفسانی جذبات اور جسمانی حاجات کا بھر پور لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام جذبۂ نشاط کی سیرابی کا ضامن ہے اور اسے قواعد و ضوابط کے حصار سے انضباط بخشتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اسلام انسانی مزاج پر دشمنِ جان کی مانند قہر بن کر پل پڑے اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے، بلکہ وہ انسانی جان سے فطرت و حقیقت کے مطابق سلوک کرتا ہے، وہ نہ تو اسے شترِ بے مہار کی طرح مادر پدر آزاد چھوڑتا ہے اور نہ حبسِ بے جا میں رکھتا ہے۔ توازن اس دین کا رنگ ہے کہ شرائع و احکامات کے تنوع و کثرت کے باوجود اس کا بانکپن قائم رہتا ہے۔ یہ سہل و آسان دین ہے۔ انسانی طاقت کو ضائع و بیکار یا مہمل کر دینا ہرگز اس کا نصب العین نہیں ہے، بلکہ یہ دعوت دیتا ہے کہ اس قوت کو راہِ اعتدال پر گامزن کر دیا جائے اور بغیر افراط و تفریط کے ثمرات اور نتائج اخذ کر لیے جائیں۔[1]

خوش طبعی اور سیرتِ مطہرہ

نبی کریم ﷺ کی خوش مزاجی اور نشاطِ طبع کے مختلف انداز و اطوار صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔ آپ ﷺ ہنسی مذاق فرمالیتے تھے، لیکن بات سچی

[1] قضايا اللهو والترفيه بين الحاجات النفسية والضوابط الشرعية/ مادون رشيد (ص:١٢١)

کرتے تھے۔[1] دوڑ کا مقابلہ کرواتے اور لوگوں کی خوشی و آسودگی کا خیال رکھتے۔ انھیں دیکھ کر شاداں و فرحاں ہوتے اور ان کے ساتھ گھل مل جاتے۔ سماک بن حرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجلس کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم طویل خاموشی اختیار فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اشعار سناتے، دورِ جاہلیت کی چیزوں کا تذکرہ کرتے، ہنستے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے۔[2]

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ مسجدِ نبوی میں تیروں اور نیزوں سے کھیلیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا نظارہ کرنے کی اجازت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

((دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ))[3]

ایسے ہی عید کے ایام اور خاص مواقع پر بچیوں کے لیے دف بجانے کا جواز فراہم کیا۔ یہ اسلام کی سادہ روی اور سہل اندازی کے مظاہر ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری دوشیزہ سے نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس کی علت زوجین کا باہم پیار و محبت سے کھیلنا قرار دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا:

((مَا تَزَوَّجْتَ؟)) ''تو نے کس سے شادی کی ہے؟''

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٩٠) أحمد (٨٥٠٦) صحيح الجامع (٢٥٠٩)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٤٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کی: میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُكَ وَتُلَاعِبُهَا؟)) [1]

''کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا، وہ تجھ سے کھیلتی اور تو اس سے کھیلتا؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش مزاجی

چوں کہ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اسوہ حسنہ اور قدوہ کاملہ ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز میں جمیع احوالِ بشر سمو دیے گئے ہیں۔ ایک مثالی اور مسلم شخصیت کے نکھار کے لیے ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خلوت میں دعا و مناجات کرتے، طویل خشوع اور آہ و بکا اختیار فرماتے، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم متورّم ہو جاتے۔ حق گوئی اور راست بازی میں کسی کی پروا نہ کرتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکمل بشر تھے۔ اچھی اور پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتے، ہنستے، مسکراتے، خوش طبعی اور مزاح کرتے، لیکن صرف حق بات کہتے۔ [2]

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ تبسم فرمانے والے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی ایسا کام کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے اور ان کے ساتھ گھل مل جاتے، بسا اوقات اتنا ہنستے کہ ڈاڑھیں ظاہر ہو جاتیں۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٧٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٨٨)

[2] الحلال والحرام د/ يوسف القرضاوي (ص:٢٧٢)

[3] شمائل ترمذي (١٩٤)

١ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((یَضْحَكُ مِمَّا تَضْحَكُوْنَ مِنْهُ، وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا تَعْجَبُوْنَ))[1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے جس سے تم مسکراتے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے جس سے تم خوش ہوتے ہو۔''

٢ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فِيْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ))[2]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورِ جاہلیت کی باتیں کرتے ہوئے ہنستے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔''

٣ جلیل القدر صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا حَجَبَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِيْ إِلَّا تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ، وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّيْ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا))[3]

''میں جب سے مسلمان ہوا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (اپنے پاس آنے سے) نہیں روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی مجھے دیکھا تو میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر مضبوطی سے نہیں بیٹھ پاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٧١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٧٥)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٧٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٣٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٧٥)

ہاتھ میرے سینے پر مارا اور فرمایا: الٰہی اسے مضبوط کر اور اسے راہنما اور ہدایت یافتہ بنا دے۔"

4 ایک بڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أُمَّ فُلَان! إِنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا عَجُوزٌ)) [1]

"اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔"

بڑھیا پریشان ہو گئی اور اس نے رونا شروع کر دیا کہ وہ جنت میں داخل ہونے سے رہی۔ جب کہ آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اپنا مقصد واضح کیا کہ بوڑھی عورت بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دوسری شکل دے دیں گے اور وہ جوان ہو کر داخل ہوگی۔ پھر یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا﴾ [الواقعہ: ۳۰۔ ۳۷]

"اور لمبے لمبے سایوں اور بہتے ہوئے پانیوں اور بکثرت پھلوں میں، جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے، ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے، محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔"

5 حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح في الشمائل للترمذي (ص: ۱۹۷)

((أَنَا حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ))

''میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔''

اس نے کہا: میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ)) [1]

''اونٹنیاں ہی اونٹ کو جنم دیتی ہیں۔''

٦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا)) [2]

''بلاشبہ میں ہمیشہ سچ ہی کہتا ہوں۔''

٧ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کی کسی بیوی نے آپ ﷺ کی طرف ایک پیالہ بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے ہاتھ مارا اور گرا کر توڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ (گرا ہوا) کھانا سمیٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

((غَارَتْ أُمُّكُمْ)) ''تمھاری ماں غیرت کھا گئی ہے۔''

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ آ گیا تو آپ ﷺ نے وہ اس بیوی کی طرف بھیج دیا، جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے توڑا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ [3]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٩٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٩١)

[2] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٩٠) وأحمد (٨٥٠٦) وحسنه الألباني في السلسلة الصحيحة (١٧٢٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢٢٥)

٨ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امِ سلیم رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا تھا جسے ابوعمیر رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ہنس رہے تھے کہ اسے غم زدہ محسوس کیا، فرمایا:

((مَالِيْ أَرَى أَبَا عُمَيْرٍ حَزِيْناً؟)) فَقَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!، مَاتَ نُغَرُهُ الَّذِيْ كَانَ يَلْعَبُ بِهِ، فَجَعَلَ ﷺ يُنَادِيهِ: ((يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟))[1]

''کیا وجہ ہے کہ میں ابوعمیر کو غمگین دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا وہ چڑیا کا بچہ مر گیا ہے جس کے ساتھ یہ کھیلا کرتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یوں آواز دینے لگے: اے ابوعمیر! چڑیا کے بچے نے یہ کیا کیا؟''

٩ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی، جس کا نام زاہر بن حرام تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ پیش آتے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اس حالت میں آئے کہ وہ اپنا سامان فروخت کر رہا تھا۔ آپ نے پیچھے سے آ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ دیکھ نہیں رہا تھا، لہٰذا اُس نے کہا: مجھے چھوڑ دو! کون ہے؟ جب اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پھر اس نے کوئی پروا نہیں کی اور کتنی دیر اپنی کمر نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے مبارک سے لگائے رکھی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

((مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟)) ''یہ غلام کون خریدے گا؟''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٠٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٥٠)

اس نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! تب تو آپ ﷺ مجھے بہت معمولی پائیں گے۔'' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَلٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ أَوْ قَالَ: لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ))[1]

''لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ارزاں نہیں ہے یا فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بہت گراں قدر ہے۔''

ایک اچھوتا واقعہ

١٠ یہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آمدہ واقعات میں سے ایک اچھوتا اور عمدہ واقعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں ہلاک ہوگیا، میں رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کر بیٹھا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ((أَعْتِقْ رَقَبَةً)) ''ایک گردن آزاد کرو۔'' اس نے کہا: میرے پاس نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ)) ''دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔'' اس نے کہا: میں یہ استطاعت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا)) ''پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔'' اس نے کہا: ایسا بھی نہیں کرسکتا۔ پھر آپ ﷺ کے پاس کھجور کا ایک بڑا ٹوکرا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَيْنَ السَّائِلُ؟ تَصَدَّقْ بِهَا)) ''سائل کہاں ہے؟ یہ لے کر صدقہ کر دو۔'' اس نے کہا: کیا اپنے سے بھی زیادہ

---

[1] صحيح. أحمد (١٢٢٣٧) الترمذي في الشمائل (٢٣٩) وصححه الألباني في مختصر الشمائل (٢٠٤)

محتاج پر صدقہ کروں؟ بخدا پورے مدینے میں مجھ سے زیادہ ضرورت مند کوئی نہیں۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر مسکرائے، حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اور فرمایا: ((فَأَنْتُمْ إِذاً)) ''پھر یہ تم ہی لے جاؤ۔''[1]

ایک اور قصہ

11 یہاں ایک اور قصہ ہے جو واضح کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کیسے نرم اور خوش مزاج تھے، ظرافت کبھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی تھی، لیکن آپ اسے اس کی صحیح جگہ پر رکھتے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، تب آپ ﷺ کے پاس قریشی عورتیں تھیں جو آپ سے مطالبات کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند ہو رہی تھیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی تو وہ جلدی سے پردوں کی اوٹ میں چلی گئیں، نبی مکرم ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمائی۔ وہ آئے تو نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ سدا آپ کو مسکراتا رکھے! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي، لَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ))

''مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو میرے پاس تھیں، جب انھوں نے تمھاری آواز کو سنا تو جلدی سے پردے کی اوٹ میں چلی گئیں۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١١١)

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈریں۔'' پھر ان عورتوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: ''اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر نہیں رکھتی ہو!'' وہ بولیں: ''تم زیادہ سخت دل اور سخت خو ہو۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِيهِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكاً فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ))[1]

''خطاب کے بیٹے! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تجھے چلتے ہوئے جب بھی شیطان ملتا ہے تو وہ تیرے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔''

١٢ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے۔ میرے طاقچے پر پردہ تھا، ہوا چلی اور پردے کا ایک کنارہ اٹھ گیا، وہاں میری گڑیاں اور کھلونے تھے۔ آپ نے فرمایا: ((مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ؟)) ''عائشہ یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''میری گڑیاں۔'' آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا، جس کے کپڑے کی ٹاکیوں سے بنے ہوئے دو پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَمَا هٰذَا الَّذِي أَرَى وَسْطَهُنَّ)) ''یہ میں ان کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے کہا: گھوڑا ہے۔ فرمایا: ((فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَانِ؟)) ''گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟'' میں نے کہا: کیا آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گھوڑا تھا، جس کے کئی پر تھے؟

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٩٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٩٧)

فرماتی ہیں: اس پر آپ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ [1]

یہ اس کے بدلے ہے

بلکہ آپ ﷺ کی حلم و بردباری بہت بلند درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ہماری اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگایا کرتے تھے، تاکہ انھیں یقین ہو جائے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے لطف و کرم اور عنایات سے محروم نہیں ہیں۔ یہ صفاتِ جلیلہ اس حبیبِ کبریا ﷺ کی ہیں، جنھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۱۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھی۔ میں کم سن تھی اور میرا جسم بھی دبلا پتلا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا: ((تَقَدَّمُوا، تَقَدَّمُوا)) ''آگے نکل جاؤ، آگے بڑھ جاؤ'' وہ آگے چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((یَا عَائِشَةُ تَعَالَي حَتّٰی أُسَابِقَكِ)) ''عائشہ! آؤ دوڑ لگائیں! میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی اور آپ سے آگے نکل گئی۔ آپ خاموش رہے، حتی کہ میں فربہ ہوگئی اور یہ واقعہ بھول گئی۔ ایک دفعہ میں پھر آپ ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا: ((تَقَدَّمُوا)) ''آگے نکل جاؤ۔'' وہ آگے چلے گئے، پھر مجھ سے کہا: ((تَعَالَي أُسَابِقَكِ)) ''آؤ دوڑ لگائیں۔'' لیکن اس بار آپ ﷺ جیت گئے۔ آپ ﷺ مسکرانے لگے اور فرمایا: ((هٰذِهِ بِتِلْكَ)) ''یہ اس کے بدلے ہے۔'' [2]

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٣٢) وصححه الألباني في المشكاة (٣٢٦٥)

[2] صحيح. مسند أحمد (٢٥٧٤٥) صححه الألباني في السلسلة الصحيحة (١٣١)

۱۴ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیمے اور آٹے سے بنا سالن لے کر آئی، جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا۔ میں نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اس کے درمیان تھے) کھاؤ، اس نے انکار کر دیا، میں نے کہا: کھاؤ ورنہ تمھارے چہرے پر مل دوں گی، اس نے پھر انکار کیا تو میں نے اپنا ہاتھ سالن میں رکھا اور اس کے چہرے پر مل دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے وہ سالن پکڑا اور سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اب تم اس کے چہرے پر ملو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر مسکرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے اور کہا: عبداللہ! عبداللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے وہ میرے پاس آئیں گے، لہٰذا فرمایا: ((قُومَا فَاغْسِلَا وُجُوهَكُمَا)) ''کھڑی ہو جاؤ اور اپنے چہرے دھولو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بھی ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہیبت زدہ رہی۔[1]

الٰہی! ہمارے اردگرد بارش برسا ہم پر نہ برسا

۱۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس نے بارش کی دعا کی اپیل کی اور کہا کہ زمین بنجر ہو چکی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور بارش شروع ہوگئی، جو سارا ہفتہ لگا تار برستی رہی۔ اگلے جمعے کو یہی شخص دوبارہ آ گیا اور اپیل کرنے لگا کہ آپ بارش رکنے کی دعا کریں، ہم تو غرق ہونے لگے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔

[1] صحيح. أخرجه أبو يعلى (٤٤٧٦) وابن عساكر (٤٤/ ٩٠) وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة (٣١٣١)

16 صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ ﷺ مدینے میں جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس نے کہا: قحط پڑ گیا ہے، اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجیے۔ ہم نے آسمان کی طرف دیکھا تو کوئی بادل نہ تھا، آپ ﷺ نے دعا کی، بادل پیدا ہوئے اور باہم مل گئے، پھر بارش برسی، حتیٰ کہ مدینے کے نالے بہہ پڑے۔ آیندہ جمعے تک بارش ہوتی رہی اور بند نہ ہوئی۔ پھر وہی آدمی یا کوئی اور کھڑا ہوا جبکہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور کہنے لگا: ہم غرق ہو گئے، اپنے رب سے دعا کیجیے کہ بارش کو ہم سے روک لے۔ آپ ﷺ مسکرا پڑے، پھر فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ ! حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا)) ''الٰہی! ہمارے اردگرد بارش برسا نہ ہم پر برسا۔'' آپ ﷺ نے یہ الفاظ دو یا تین بار ارشاد فرمایا۔ بادل مدینے کے دائیں بائیں چھٹنے لگے اور گرد و نواح میں برسنے لگے، مدینے میں بارش کا نام ونشان نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے نبی کریم ﷺ کی کرامت اور قبولیت کا مظہر دکھا رہے تھے۔[1]

آپ ﷺ خون چکاں حالات میں بھی مسکراتے تھے

17 سرزمینِ جہاد میں آپ ﷺ کے مسکرانے کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غم کو دور کرنا اور زخموں کی تاب کو بھلانا ہوتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ طائف میں تھے تو فرمایا: ((إِنَّا قَافِلُوْنَ غَداً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ''اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل واپس چلے جائیں گے۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٩٥)

آپ کے صحابہ میں سے کئی حضرات نے کہا: ہم یہیں رہیں گے یا کہا: طائف فتح کر کے ہی جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ)) ”تم کل لڑائی کرو گے۔“ چنانچہ اگلے دن لڑائی ہوئی اور اہلِ طائف نے بہت سخت مقابلہ کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کثرت سے زخم پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّا قَافِلُونَ غَداً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ”کل ہم ان شاء اللہ واپس چلے جائیں گے۔“ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات بھلی معلوم ہوئی تو نبی کریم ﷺ مسکرانے لگے۔[1]

نبی کریم ﷺ کو گزند پہنچائی جاتی اور آپ جواباً مسکرا دیتے

نبی کریم ﷺ تکلیف کا سامنا اس انداز سے کرتے کہ تکلیف دہندہ کے سامنے مسکراتے، تاکہ اس کا دل جیت لیں۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ کا غصہ صرف اللہ کے لیے ہوتا تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے سخت اور موٹے کنارے والے نجران کی تیار کردہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک دیہاتی آپ ﷺ کو ملا اور سختی سے آپ ﷺ کی چادر کو کھینچا۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کے کندھے کو دیکھا وہاں چادر کو سختی سے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا تھا، پھر اس شخص نے کہا: اے محمد ﷺ! میرے لیے اللہ کے اس مال میں سے حکم دو جو تجھے اللہ نے دے رکھا ہے۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرانے لگے، پھر اس

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٣٢٥) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٧٧٨)

کے لیے عطیہ دینے کا حکم دیا۔[1]

امت کو بشاشت اور عمدہ بات کرنے کی نبوی ترغیب

نبی کریم ﷺ نے امت کو خندہ پیشانی، بشاشت اور عمدہ گفتگو کرنے کی ترغیب دی ہے، تاکہ ان کے دل باہم مل جائیں اور صاف ہو جائیں۔ حدیث پاک میں ہے:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئاً وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ))[2]

''نیکی ذرا سی بھی کو حقیر نہ جان چاہے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے مل۔'' نیز فرمایا:

((تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ))[3]

''تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا تیرے لیے صدقہ شمار ہوگا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نشاطِ طبع کے متعلق اقوال و واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جسمانی حاجات اور روحانی ضروریات کے مابین ایک اعتدال پسند مسلمان کی زندگی کے آئینہ دار تھے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کی اقتدا کے سبب وہ اس اعتدال کی حفاظت کرتے تھے، نیز آپ ﷺ کی شخصیت کے معنوی پرتَو سے خوش طبعی اور آسودگی کے منضبط اخلاقی پہلوؤں کا خیال رکھتے، جس سے ایک طرف تو وہ افراط منہدم ہو جاتا، جو انسان کے شرف و عظمت اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٥٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٢٦)

[3] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٥٦) وحسنه الألباني في السلسلة الصحيحة (٥٧٢)

شخصیت کے نکھار کا دشمن ہے اور دوسری طرف اس تفریط کا خاتمہ ہو جاتا، جو انسانی روح کے بلند و بالا درجات کے وصول و حصول کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ ذیل میں مَیں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات کے پہلوؤں سے ان اقوال اور افعال کو منتخب کیا ہے جو ان کے مکمل اعتدال اور لائقِ تحسین خوش طبعی کی دلیل و شہادت ہیں۔

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اپنے دلوں کو سامانِ راحت مہیا کرو اور ان کے لیے دانائی پر مبنی دلچسپ لطائف تلاش کرو، کیونکہ یہ بھی اکتا جاتے ہیں جس طرح جسم اکتا جاتے ہیں۔''[1]

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''دلوں کو آرام پہنچاؤ، جب ان پر جبر کیا جاتا ہے تو یہ اندھے ہو جاتے ہیں۔''[2]

نیز انھوں نے فرمایا:

بے شک دلوں میں آرزو و التفات بھی ہے اور تکان و عدمِ رغبت بھی آرزو اور التفات کے وقت انھیں لے لو اور تکان و عدمِ رغبت وشوق کے وقت چھوڑ دو۔''[3]

③ نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''خوش طبعی میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ انسان اس کے ذریعے سے

---

[1] بهجة المجالس وأنس المجالس لابن عبدالبر النمري (ص: ١١٥)

[2] بهجة المجالس وأنس المجالس لابن عبد البر النمري (ص: ١١٥)

[3] أيضاً (ص: ١١٥)

ترش روئی کی حد سے نکل جاتا ہے۔"[1]

④ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"مجھے یہ پسند ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بچے کی طرح ہو اور جب اس سے کوئی مطالبہ کیا جائے تو وہ پورا مرد ہو۔"[2]

⑤ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"میں اپنے دل کو باطل سے، بشرطیکہ حرام نہ ہو، راحت دلاتا ہوں، جس سے وہ حق کے لیے زیادہ تقویت کا باعث بنتا ہے۔"[3]

⑥ مروی ہے کہ امام نخعی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہنسی مذاق کیا کرتے تھے؟ فرمایا: "ہاں اور ایمان ان کے دلوں میں مضبوط پہاڑوں کی مثل ہوتا تھا۔"

⑦ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم انحراف کرنے والے اور سکوت اختیار کرنے والے نہیں تھے، وہ ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانۂ جاہلیت کے امور کا تذکرہ کرتے، جب ان سے دینِ اسلام کے کسی حکم کی بجا آوری کا مطالبہ کیا جاتا تو (فرطِ شوق سے) ان کی آنکھوں کے پپوٹے بہہ پڑتے (آنسو جاری ہو جاتے)۔"[4]

---

[1] المراح في المزاح لأبي البركات (ص: ٢٤-٢٩)

[2] المراح في المزاح لأبي البركات (ص: ٢٤-٢٩)

[3] بهجة المجالس (ص: ١١٥)

[4] السلسلة الصحيحة (٧٢١/١)

٨ بکر بن عبداللہ مزنی فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی طرف خربوزہ پھینکتے تھے اور جب حق کی حمایت کا موقع آتا تو وہ مردانِ میدان ہوتے۔“[1]

٩ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع کہتے ہیں:

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ایک باندی سے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: مجھے معزز لوگوں کے خالق نے پیدا کیا ہے اور تجھے گھٹیا لوگوں کے خالق نے۔ اس پر وہ چیں بہ جبیں ہوتی ہوتی چلاتی اور روتی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسکراتے۔“[2]

خوش طبعی فقہا اور محدثین کی نظر میں

علمائے کرام اپنی گوناگوں مصروفیات اور معاشرتی ذمے داریوں کے باوجود، جن میں ان کے اکثر اوقات صرف ہوتے ہیں، انسانی شخصیت کے اس پہلو سے غافل نہیں رہے۔ انھوں نے اس موضوعِ زیست کی بھی خدمت کی ہے، تاکہ راحت و آرام پا کر دل بھرپور انداز سے اپنا کام کرتے رہیں۔ محدثینِ عظام کی عادت تھی کہ وہ حدیث شریف کی مجالس کا اختتام حکایات، نوادرات اور اسانید سے مرصع ترانوں سے کیا کرتے تھے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ”الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع“ میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: ”ختم

[1] رواه البخاري في الأدب المفرد (٤١) وصححه لألباني في السلسلة الصحيحة (٤٣٥)

[2] ...راح في المزاح لأبي البركات (ص: ٣١)

المجالس بالحکایات و مستحسن النوادر والإنشادات" "مجالس (حدیث شریف) کا اختتام حکایات اور مستحسن نوادرات وترانوں سے کرنا" پھر اس میں علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے: "روحوا القلوب وابتغوا لها طرق الحكمة" "دلوں کو راحت پہنچاؤ اور ان کے لیے دانائی کے راستے تلاش کرو۔"[1]

جو محدثین فکاہت وخوش طبعی میں مشہور تھے، ان میں سے ایک عامر بن شرجیل شعبی رحمہ اللہ ہیں۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "أخبار الظراف والمتماجنین" میں ان کے متعدد لطائف کا تذکرہ کیا ہے۔ امام سلیمان اعمش رحمہ اللہ کا شمار بھی انھی اہلِ ظرافت میں ہوتا ہے۔ ان کے متعلق امام ابن خلکان گویا ہیں:

"كَانَ لَطِيفَ الْخُلُقِ مَزَّاحاً" "آپ نرم مزاج اور ہنس مکھ تھے۔"[2]

اس موضوع پر فقہا نے تصنیفی مساعی بھی فرمائی ہیں، جیسا کہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تالیفات میں سے "أخبار الحمقیٰ والمغفلین"، "أخبار الأذكياء" اور "أخبار الظراف والمتماجنین" ہیں۔ البتہ ان کے بعض مشتملات پر ہم تحفظات بھی رکھتے ہیں۔[3]

---

[1] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع (١٢٩/٢)

[2] وفيات الأعيان (٤٠٦/٢)

[3] قضايا اللهو و الترفية (ص: ١٣٤-١٣٥)

خوش طبعی کے آداب

① ہنسی مذاق میں کسی کو مجروح نہ کیا جائے۔

② جھوٹ نہ بولا جائے۔

نبی کریم ﷺ خوش طبعی فرماتے تھے، لیکن صرف حق بات کہتے، بلکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحاً.....)) [1]

''میں اس شخص کو جنت کے عالیشان محل کی ضمانت دیتا ہوں، جس نے ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ چھوڑ دیا۔'' نیز فرمایا:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ، لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ)) [2]

''اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو بات کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے، تاکہ لوگوں کو ہنسائے، اس کے لیے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔''

③ مزاح دل کی آسودگی کے لیے ہو، نیز دوست احباب سے موانست و ملاطفت مقصود ہو۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٠٠) وحسنه الألباني في الصحيحة (٢٧٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٩٠) احمد (١٩٥١٩) وحسنه الألباني في صحيح الجامع (٧١٣٦)

امام ابن سیرین رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور محدث تھے، جب چاشت کا وقت ہوتا تو بصرہ کے بازار کی طرف تشریف لے جاتے، لوگوں کو سلام کہتے، خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرتے جاتے، چنانچہ لوگ آپ کو پسند کرتے، آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے اور ان کے دل آپ کی صحبت سے سرشار رہتے۔ دل سخت کیش انسان سے محبت نہیں کرتے، چاہے متقی ہی ہو، بلکہ اس شخص سے الفت رکھتے ہیں جو خوش طبعی کرنے والا اور ملنسار ہو۔

مزاح کی تعریف

علامہ بدرالدین ابو البرکات محمد غزی رحمہ اللہ اپنی تصنیف لطیف "المراح في المزاح" میں رقمطراز ہیں:

"بھائیوں اور دوست و احباب کا باہم خوش طبعی کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس سے دلوں کی راحت اور آپس کی محبت و مودت حاصل ہوتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ بہتان تراشی اور جگت بازی نہ ہو، جس سے انسان کی ہیبت ختم اور حشمت کم ہو جاتی ہے اور فحش کلامی بھی نہ ہو، جس سے بغض پیدا ہوتا ہے اور پرانے کینے بھڑکتے ہیں۔"

خوش طبعی کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام

1. جو لوگ اپنے لیل و نہار قہقہوں اور طنز و مزاح میں گزارتے ہیں۔ یہ قسم مذموم ہے۔ اس طرح انسان حدِ اعتدال سے نکل کر اسراف کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

((لَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ))[1]

''زیادہ نہ ہنسو، بلاشبہہ کثرت سے ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

٢ وہ خشک مزاج جن کے چہروں پر سدا تیوڑی اور پیشانی پر سلوٹیں پڑی رہتی ہیں۔ یہ قسم بھی قابلِ مذمت ہے۔ اس طرح نفرت اور بغض پیدا ہوتا ہے۔ معاملہ اس وقت زیادہ سنگین صورتِ حال اختیار کر جاتا ہے، جب کہ اس مزاج کا شخص دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہو۔ ایسے لوگوں کو ہم نبی ﷺ کی وصیت یاد دلائیں گے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ))[2]

''تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا تیرے لیے صدقہ ہے۔''

٣ وہ لوگ جو نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق راہِ اعتدال پر چلتے ہیں۔ آپ ﷺ بھی بسا اوقات خوش طبعی کر لیا کرتے تھے، لیکن صرف حق بات فرماتے تھے۔

جائز خوش طبعی

جن اصول و مبادی پر شریعت کا دار و مدار ہے ان کی خدمت کے لیے اسلام نے ایک منہجِ سلیم استوار کیا ہے، جو انسانی طبیعت کے شانہ بشانہ چلتا ہے

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٩٣) وصححه الألباني في الصحيحة (٥٠٦)

[2] رواه البخاري في الأدب المفرد (٤١) وصححه الألباني في الصحيحة (٤٣٥)

اور اس کی جسمانی و روحانی اور معنوی و مادی ہر ضرورت و حاجت کی سیرابی کرتا ہے۔ اسلام کے تصور میں انسان دو چیزوں کا حسنِ امتزاج ہے۔ زمین کی مٹی سے اور اللہ تعالیٰ کی روح کے نفخہ سے۔ دونوں چیزیں باہم مربوط و متصل ہیں۔ نہ تو یہ خاکِ ارض کا ٹکڑا ہے کہ اسے جمادات یا حیوانات کی سطح تک گرا دیا جائے اور نہ محض نفخہ روح کہ اس کی پوجا و پرستش شروع کر دی جائے، بلکہ دونوں چیزوں سے اس کی تکوین عمل میں آئی ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ظرافت و فکاہت انسان کی طبعی اور جبلی ضرورت ہے، ورنہ وہ جمود اور عبوسیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس جذبے کو مدِنظر رکھا ہے اور اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "أخبار الحمقی والمغفلین" کے مقدمہ میں اس کتاب کے تین بنیادی اسبابِ تالیف ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"انسان ان لوگوں کے کردار کو دیکھتے ہوئے اپنے دل کو راحت پہنچائے، جو تقسیم والے دن خسارہ کھائیں گے، کیوں کہ انسان کا دل کبھی سعیِ پیہم سے اکتا جاتا ہے اور جائز لہو ولعب سے محظوظ ہوتا ہے۔"[1]

حرام خوش طبعی

اسلام نے افرادِ معاشرہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کی پر زور ترغیب دلائی ہے اور روابط کے عدمِ استحکام کے موجبات بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے ہیں، تا کہ سب مسلمان آپس میں سگے بھائیوں کی طرح شیر و شکر ہو جائیں۔ چنانچہ ظلم، فراڈ، غیبت، چغلی، جاسوسی، طنز، مذاق اور دیگر فتنہ و اختلاف کے جمیع اسباب کو

[1] أخبار الحمقی والمغفلین (ص: ١٦) قضايا اللهو والترفية (ص: ١٩٣ ـ ١٩٤)

اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ بلاشبہ ہنسی مذاق کو جب نامناسب مقام میں رکھا جائے گا تو دشمنی پلے گی اور اگر انسان اس رویے کو پیہم اپنائے رکھے گا تو اس کے مضر نقصانات فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ لڑائی جھگڑے اور ایذا رسانی جیسے مخربِ اخلاق افعال یہیں سے پیدا ہوتے ہیں۔[1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس کام سے منع کیا گیا ہے، اگر اس میں افراط یا مداومت کا پہلو ہو، جو اللہ کے ذکر اور دین سے دوری کے باعث ہیں تو ان کا نتیجہ دل کی سختی، ایذا رسانی، بغض اور وقار و حشمت کے خاتمے کی صورت میں نکلتا ہے۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جس نے حد سے زیادہ مزاح سے کام لیا، اس نے اپنے آپ کو بے وزن کر لیا۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''آدمی اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا، جب تک حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑے اور ہنسی خوشی میں بھی جھوٹ کو ترک نہ کر دے۔''[4]

---

1. قضايا اللهو والترفية (ص: ٢٠٠)
2. فتح الباري (١٠/٥٤٣)
3. الصمت لابن أبي الدنيا (ص: ٤٤٣)
4. أخرجه ابن أبي الدنيا في "الصمت" (ص: ٤٤٣) وقال محققه: سنده صحيح.

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بیٹا! معزز آدمی سے خوش طبعی نہ کرنا، وہ تجھ سے بغض رکھے گا اور گھٹیا شخص سے ہنسی مذاق نہ کرنا، وہ تیرے متعلق جراَت مند ہو جائے گا۔''[1]

حسین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات کہی جاتی تھی کہ ہنسی مذاق چہرے کی رونق ختم کر دیتے اور دوستی کو کاٹ دیتے ہیں۔''[2]

امام محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری والدہ نے فرمایا: بیٹا! بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرنا، ورنہ تو ان کی نظر میں رسوا ہوگا۔''[3]

حرام خوش طبعی کی چند صورتیں

1 تمسخر اور استہزا: اسلامی نظامِ زندگی اتحاد و یگانگت پر قائم رہتا ہے، جو متنازع و مختلف فیہ جماعتوں میں اتفاق پیدا کرتا ہے، لیکن جب استہزا در آتا ہے اور ایک فریق دوسرے کو حقیر خیال کرنا شروع کر دیتا ہے تو اسلامی معاشرے کی عمارت میں وسیع سوراخ پڑ جاتا ہے۔ اعدائے اسلام ایسے طبقاتی نظام کو اسیر بنا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو جس آیتِ کریمہ میں ایک دوسرے سے تمسخر کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگر اس پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ مسلمانوں کی وحدت کے قیام اور فرقہ بندی کی وبا سے بچاؤ کے متعلق قرآنی منہج کتنا عظیم و شاندار ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] أخرجه ابن أبي الدنيا في "الصمت" (ص: ٤٤٤) وقال محققه: إسناده صحيح.

[2] أخرجه ابن أبي الدنيا في "الصمت" (ص: ٤٤٧)

[3] ذكره الغزالي في "الإحياء" (١٢٨/٣)

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

[الحجرات: ١١]

”اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو، ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔“

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تمسخر کا مطلب ہے اہانت وتحقیر کرنا، یعنی کسی عقیدے کے عیوب اور نقائص پر اس انداز سے تنبیہ کرنا جو مضحکہ خیز ہو۔ ایسا کبھی تو قول وفعل کی نقل اتار کر ہوتا ہے اور کبھی اشارتاً، اگر اس شخص کی موجودگی میں ایسا کیا جائے جس سے استہزا کیا جارہا ہے تو اسے غیبت کا نام نہیں دے سکتے، ہاں اس میں غیبت کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے۔“[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ننگی ہوگئی (جو دبلی اور لاغر تھی) تو کچھ حاضرین دیکھ کر ہنس پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] ”الإحیاء“ (۳/۱۳۱)

((أَتَضْحَكُونَ مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ))[1]

''کیا تم اس کی پنڈلیوں کے دبلے پن سے مسکرا رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ترازو میں اس کی پنڈلیاں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔''

قرآن مجید میں اہلِ ایمان سے تمسخر واستہزا کرنے والوں کے برے انجام کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ روزِ جزا اسی گھٹیا حالت میں ہوں گے، جس میں وہ دنیا میں ایمانداروں کو بزعمِ خویش سمجھتے تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ [المطففين: ٢٩۔٣٤]

''گناہ گار لوگ ایمان والوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے۔ جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے اور جب انھیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ (بے راہ) ہیں۔ یہ ان پر پاسبان بن کر تو نہیں بھیجے گئے۔ پس آج ایمان والے ان پر ہنسیں گے۔''

---

[1] أخرجه أحمد (١/ ٤٢٠، ٤٢١) والطيالسي (٣٥٥) وابن سعد (٣/ ١٥٥) وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة (٢٧٥٠)

۲ عیب گیری اور الٹے القاب: ”لمز“ کا لغوی معنی ہے تلوار چبھونا اور نیزہ مارنا۔ گویا لوگوں کی عیب جوئی کرنے والا ان کی جانب تلوار کرتا ہے یا نیزہ زنی سے کام لیتا ہے اور یہ حق ہے کہ بسا اوقات زبان کا نشتر زیادہ سخت اور المناک ضرب لگاتا ہے۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

”تلوار کے گھاؤ بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔“[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

[الحجرات: ١١]

”اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو، ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔“

اس کی مثل ہے:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: ٢٩]

”اور اپنے آپ کو نہ قتل کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔“

کیوں کہ سب مسلمان ایک جان کی مانند ہیں۔ جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا، گویا اس نے اپنے آپ کو قتل کیا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ [النور: ٦١]

[1] الحلال والحرام د/يوسف القرضاوي (ص: ٢٩٢)

"تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو۔" یعنی ایک دوسرے کو سلامتی بخشو۔[1]

نیز حرام عیب جوئی میں سے الٹے القابات ڈالنا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے اپنے بھائی کو ایسے نام سے پکارنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور جس میں تمسخر و استہزا کا پہلو ہو۔ کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس انداز سے اپنے بھائی کو پکارے۔ ایسے القابات ایذا رسانی کا موجب اور مسلمان بھائیوں پر ظلم ہے۔ نیز ادب عالی اور ذوقِ سلیم کے بھی منافی ہیں۔[2]

۳ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرنا: کسی مسلمان کی طرف اسلحے سے اشارہ کرنا، اسلحہ جونسا بھی ہو، چھری، تلوار، نیزہ، بندوق یا کوئی اور آلہ ضرب وحرب سب حرام خوش طبعی میں شامل ہیں۔ جناب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا کہ وہ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے تو ان میں سے ایک آدمی سو گیا، ان میں سے کوئی ایک گیا اور اس رسی کو پکڑ لیا جو اس کے پاس تھی تو وہ گھبرا اٹھا، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِماً))[3]

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو دہشت زدہ کرے۔"

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَشَارَ إِلَی أَخِیهِ بِحَدِیدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتّٰی یَدَعَهُ،

---

[1] تفسير القرطبي (١٦/٣٢٧)

[2] الحلال والحرام د/يوسف القرضاوي (ص: ٢٩٢)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٠٠٤) مسند أحمد (٢٢٠٥٥) وصححه الألباني في صحيح الجامع (٧٦٥٨)

وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ))[1]

''جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے کے (اسلحے وغیرہ) ساتھ اشارہ کیا، فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، حتی کہ اسے چھوڑ دے، اگرچہ وہ اس کا ماں اور باپ کی طرف سے (سگا) بھائی ہو۔''

حدیثِ مذکورہ بالا سے واضح ہوا کہ یہ ممانعت عام ہے، جو ہر ایک کو شامل ہے، کیوں کہ مسلمان کو کسی بھی حالت میں خوفزدہ کرنا حرام ہے۔ ایسے شخص پر فرشتوں کی لعنت کی وعید تحریم میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اس فعل کی علتِ تحرم یوں بیان فرمائی ہے:

((فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ، فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ))[2]

''کیوں کہ تمھارا ایک نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے (ہتھیار) چھین لے اور وہ آگ کے گڑھے میں جا گرے۔''

علمائے کرام اس کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ بسا اوقات شیطان مذاق کرنے والے یا کھیلنے والے کو فساد اور حد سے تجاوز کرنے پر ابھارتا ہے، حالانکہ اس کا اپنا ارادہ نہیں ہوتا، ہنسی ہنسی میں اسے پتا ہی نہیں چلتا اور ہتھیار اشارے سے آگے سے آگے نکل جاتا ہے اور اس کے بھائی کو جا لگتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ شیطان کے مکر سے شر بھڑکتا ہے اور وہ اپنا ہاتھ اس چیز کی طرف بڑھا دیتا ہے، جس کا اس نے قصد نہیں کیا ہوتا، تو اس کا نتیجہ بھیانک نکلتا ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦١٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٠٧٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦١٧)

جو چیز حرام کا ذریعہ بنے، وہ بھی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے حقیقت اور مذاق ہر دو اعتبار سے ایسے افعال کو حرام قرار دیا ہے۔

4 لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولنا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحاً، وَ بِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ))[1]

''میں اس شخص کے لیے جنت کے کنارے عظیم الشان گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا اور جنت کے وسط میں بڑے گھر کی ضمانت دیتا ہوں، جس نے ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ ترک کر دیا اور جنت کے بالائی حصے میں گھر کی گارنٹی دیتا ہوں جس کا اخلاق اچھا ہے۔''

دوسری حدیث پاک میں ہے:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبَ! وَيْلٌ لَّهُ! وَيْلٌ لَّهُ!))[2]

''اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولتا ہے! اس کے لیے ہلاکت ہے! ہلاکت ہے!''

یہ حدیث لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹے اقوال و افعال اپنانے کی حرمت

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٠٠) وحسنه لألباني في الصحيحة (٢٧٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٩٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣١٥) مسند أحمد (١٩٥١٩) وحسنه الألباني في صحيح الجامع (٧١٣٦)

پر واضح اور تاکیدی نص ہے۔حدیث پاک میں لفظ ((وَيْلٌ)) ''ہلاکت'' تکرار سے ذکر کیا گیا ہے، اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی ہلاکت کی شدت کو واضح کرنا مقصود ہے، کیونکہ محض جھوٹ ہی ہر قابلِ مذمت فعل کی چوٹی اور ہر رسوائی کی جڑ ہے، اگر اس کے ساتھ ہنسی بھی مل جائے، جو دل کو مردہ کرتی، نسیان کو لاحق کرتی اور نخوت پیدا کرتی ہے تو اس کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس وجہ سے دانشوروں کا کہنا ہے: ''مضحکہ خیز اقوال و افعال کو احمقانہ انداز میں پیش کرنا انتہا درجے کی قباحت ہے۔'' [1]

یہاں ممانعت کی حکمت یہ بھی ہے کہ ایسا جھوٹ معین اشخاص پر متعدد جھوٹ اختراع کرنے کا موجب ہے، جو ان کی ایذا رسانی کا باعث ہے۔ نیز اس سے جھوٹ گھڑنے کا ملکہ پروان چڑھتا، اس کی اشاعت ہوتی اور معاشرے میں حق باطل سے اور باطل حق سے خلط ملط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے جھوٹ کو ہر اعتبار سے حرام قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کو بری عاقبت کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَلَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقاً، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ، يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَلَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبُ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّاباً)) [2]

---

[1] فيض القدير (٢/٣٦٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٣٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٠٧)

’’سچائی کو لازمی اختیار کرو، بلاشبہہ سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سدا راست گوئی سے کام لیتا رہتا ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو، بلاشبہہ جھوٹ برائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور برائی آگ کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

باب 2

کلیاں اور موتی

سچی توبہ

وہ شخص شہر ریاض میں رہتا تھا اور فضول زندگی بسر کر رہا تھا، اِسے اللہ تعالیٰ کی بہت کم معرفت تھی۔ کئی سال سے اُس نے مسجد کا منہ نہیں دیکھا تھا اور خدا کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ایسی تھی کہ اس کی توبہ کا سبب اس کی کم عمر بیٹی ہوئی۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں اوباش دوستوں کے ساتھ رات گزارتا اور اپنی مسکین بیوی سے قطع تعلق رہتا، میرے اس رویے سے وہ جس قدر تنہائی، تنگی اور المناک صورتحال سے دوچار رہتی، اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ میں ایسی وفادار رفیقہ حیات کے حقوق ادا کرنے سے انتہائی کوتاہی برتتا، اس نے مجھے سمجھانے اور راہِ راست پر لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، لیکن بے سود۔

ایک رات جب میں فضول شب باشی سے گھر لوٹا تو گھڑی سحری کے تین بجے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے اپنی بیوی اور چھوٹی بیٹی کی طرف دیکھا جو گہری نیند میں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہیں۔ میں دوسرے کمرے میں چلا گیا، تاکہ رات کا باقی حصہ وی۔سی۔آر سے ژولیدہ فلمیں دیکھ کر گزاروں، حالاں کہ یہ وہ بابرکت وقت ہوتا ہے جب ہمارا رب عزوجل آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا اور اعلان کرتا ہے: کیا کوئی دعا کرنے والا ہے میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی سائل ہے کہ میں اس کا سوال پورا کر دوں؟

اچانک کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ وہ میری ننھی بیٹی تھی، جس کی عمر پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے اس کی طرف تعجب اور حقارت کی نظر سے دیکھا۔ وہ مجھ سے پہلے ہی بولنے لگی: ابو جان! شرمناک بات ہے، اللہ سے ڈریے (اس نے یہ الفاظ تین بار دہرائے) پھر دروازہ بند کر دیا اور چلی گئی۔

میرے اوسان خطا ہو گئے، میں نے ویڈیو فلم بند کی اور حیرانی کے عالم میں بیٹھ گیا، اس کی باتیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ قریب تھا کہ میری جان نکل جاتی، میں اس کے پیچھے گیا تو وہ اپنے بستر پر دوبارہ سو چکی تھی۔ میں نے ایک مجنوں کی طرح صبح کی، مجھے کیا ہو گیا تھا؟ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا۔ چند لمحات گزرے تھے کہ قریبی مسجد سے موذن کی آواز گونجی، جو بھیانک رات کے سکون کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ میں نے وضو کیا اور مسجد کی طرف روانہ ہو گیا، میرے اندر نماز کا شوق تھا نہ رغبت۔ بس چھوٹی بچی کے الفاظ میرے قلب و روح کو بے چین اور مضطرب کیے ہوئے تھے۔

نماز کی اقامت ہوئی تو امام نے تکبیر کہی اور قرآن مجید کی تلاوت کی۔ وہ سجدے میں گیا تو میں نے بھی اس کے پیچھے سجدہ کیا، جونہی میں نے اپنی پیشانی زمین پر رکھی تو میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، مجھے اس کا سبب معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سات سال میں یہ میرا پہلا سجدہ تھا۔ یہ آہ و بکا میرے لیے خیر و بھلائی کی چابی ثابت ہوئی، کیونکہ اس کے ساتھ ہی میرے دل سے ہر کفر، نفاق اور فساد جاتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایمان میرے اندر سرایت کرنا شروع ہو گیا ہے۔

نماز کے بعد میں تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھا، پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ

آیا، میں نے نیند کا ذائقہ نہیں چکھا اور اپنے کام پر چلا گیا۔ جب میرے دوست نے صبح سویرے مجھے کام پر پایا تو بہت تعجب کیا، رات بھر جاگنے کی وجہ سے میں کام پر تاخیر سے پہنچتا تھا، اس نے مجھ سے اس کی وجہ دریافت کی تو میں نے رات کی ساری کہانی سنائی، اس نے کہا: اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس ننھی بچی کے سبب تجھے خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا ہے اور ملک الموت کے بھیجنے سے پہلے ہی تیرے حالات بدل دیے ہیں۔

جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو میں بہت تھک چکا تھا کہ کافی دیر سے سویا نہیں تھا، میں نے معذرت سے اپنا کام دوست کے سپرد کیا اور گھر کی طرف لوٹ آیا کہ تھوڑی دیر آرام کر سکوں۔ مجھے اپنی ننھی بیٹی کو دیکھنے کا بہت شوق تھا جو میری ہدایت اور رجوع الی اللہ کا باعث بنی تھی۔

میں اسی شوق کو سینے میں چھپائے گھر کی طرف لوٹا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہوا سے بھی تیز چل رہا ہوں۔ جب گھر پہنچا تو خلافِ معمول میری بیوی گھر کے سامنے کھڑی تھی اور مجھے دیکھ کر چلائی: تم کہاں تھے؟ میں نے کہا: کام پر، اس نے کہا: ہم نے تجھے بہت زیادہ فون کیے، تم نہیں ملے، کہاں تھے؟ اس نے کہا: میں اپنے کام والی جگہ پر واقع مسجد میں تھا، ہوا کیا ہے اور اس وقت دروازے کے سامنے کیوں کھڑی ہو؟ وہ بولی: تیری بیٹی اللہ کو پیاری ہو گئی ہے۔ وہ آدمی بولا: صدمہ اتنا ہولناک تھا کہ میں اپنے آپ پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ مجھے اس کی وہی بات یاد آ رہی تھی: ''ابو جان! شرمناک بات ہے! اللہ سے ڈریے، ابو جان! شرمناک بات ہے، اللہ سے

ڈریے۔" اس نے کہا: میں نے اپنے دوست کو فون کیا اور بتلایا کہ جو بیٹی میرے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا سبب بنی تھی، وہ وفات پا گئی ہے۔ اس کا دوست جلدی سے آیا۔ پھر اس نے پنی بیٹی کو غسل دیا، کفن پہنایا اور مسجد میں لے گئے، اس کی نمازِ جنازہ ادا کی اور قبرستان لے گئے، اس کے دوست نے کہا: اپنی بیٹی کو لحد میں اتارو!

سو ہر رونے والا عنقریب اور رلایا جائے گا
اور موت کا عنقریب پیغام دیا جائے گا
ذخیرہ شدہ ہر چیز عنقریب فنا ہو جائے گی
ہر ذکر کردہ چیز عنقریب بھلا دی جائے گی
اللہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا
جو بلند ہو گا تو اللہ تعالیٰ سب سے بلند ہے

اس نے اپنی بیٹی کو لیا، دفن کیا اور اردگرد موجود لوگوں سے کہہ رہا تھا: میں اپنی بیٹی کو نہیں، بلکہ اس نور کو دفن کر رہا ہوں، جس نے اللہ کی جانب میرا راستہ روشن کر دیا۔ اس بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے میری ہدایت کا سبب بنایا، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں اپنی جنت میں اکٹھا فرمادے۔ سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، قریب تھا کہ غم سے ان کے دل پھٹ جاتے۔ معزز بھائیو! انسان کو معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کب اس کے پاس آئے، موت چھوٹے اور بڑے کو نہیں جانتی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

[النحل: ٦١]

”جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

ہمیں چاہیے کہ اپنے رب کی طرف تیز قدموں سے چلیں اور سچی توبہ کریں، شاید یہ زندگی کا آخری وقت ہو اور رحمٰن کی جنت ہماری جزا بن جائے۔

چور کی چوری

ایک چور امام مالک بن دینار رحمہ اللہ کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا، لیکن اِسے وہاں کوئی چیز نہ ملی۔ امام صاحب تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے۔ انھیں چور کی موجودگی کا احساس ہو گیا تو نماز کو مختصر کیا، پھر چور کی طرف متوجہ ہوئے، اِسے سلام کہا اور فرمایا: اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھے توبہ کی توفیق دے، تو میرے گھر میں داخل ہوا ہے اور کچھ حاصل نہیں کر پایا، میں تجھے بے سود و زیاں نہیں جانے دوں گا پھر وہ کھڑے ہوئے اور اس کے پاس پانی والا برتن لے آئے اور فرمایا: وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو، تو جو چیز لینا چاہتا تھا، اس سے بہتر حاصل کرے گا۔ چور نے کہا: ہاں اور یہ عزت والا کام ہے۔ وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی اور کہا: اے مالک! اگر میں دو رکعت پڑھ لوں تو؟ فرمایا: جتنی اللہ نے تمھارے نصیب میں لکھی ہے پڑھ لو۔ سو چور صبح تک نماز پڑھتا رہا، امام صاحب نے فرمایا: رشد و ہدایت کے ساتھ واپس چلے جاؤ، اس نے کہا: آقا! میں یہ سارا دن آپ کے پاس گزارنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے روزے کی نیت کر لی ہے، امام صاحب نے فرمایا: جتنی دیر چاہو ٹھہرو۔

چنانچہ وہ کئی دن قیام پذیر رہا، دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا رہا،

جب واپس جانے لگا اور امام مالک رحمہ اللہ سے مخاطب ہو کر بولا: امام صاحب! میں نے توبہ کی نیت کر لی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چور نے بہت عمدہ توبہ کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اسے ایک چور ملا اور کہنے لگا: میرا خیال ہے تیرے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہے؟ چور نے کہا: اے بھائی! میں مالک بن دینار کی چوری کرنے گیا تھا، لیکن اس نے مجھے چوری کر لیا۔ میں تائب ہو گیا ہوں۔ دیکھو! میں نے رب کی چوکھٹ پر پیشانی جھکا دی ہے اور تب تک اس در کو نہیں چھوڑوں گا جب تک اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا۔

ہرمزان کے قبولِ اسلام کا واقعہ

جب ہرمزان کو قیدی بنا کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو بتلایا گیا کہ اے امیر المومنین! یہ عجمیوں کا لیڈر اور رستم کا ہم نشین ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: میں تیری دنیا و آخرت کی بھلائی کی خاطر تجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: میرا وہی عقیدہ ہے جس پر میں ابھی ہوں، ڈر اور خوف کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل نہیں ہوں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار منگوائی اور جب اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگا: امیر المومنین! پانی کا ایک قطرہ تشنہ لب کو مارنے سے افضل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانی لانے کا حکم دیا، جب ہرمزان نے پانی لیا تو کہا: امیر المومنین! میں جب تک پی نہ لوں، امن میں ہوں؟ فرمایا: ہاں پھر اس نے پانی پھینک دیا اور کہا: وفا (اے امیر المومنین!) واضح نور ہے۔ فرمایا: تو نے سچ کہا۔ تیرے بارے میں توقف اور غور وخوض کرنا چاہیے، تلوار ہٹا دو۔

وہ بولا: اے امیر المومنین! اب میں اِقرار کرتا ہوں "أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله" اور جو کچھ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے وہ حق ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے بہترین اسلام قبول کیا، تاخیر کیوں کی؟ وہ بولا: میں نے ناپسند جانا کہ میرے متعلق گمان کیا جائے کہ میں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار! اہلِ فارس دانش ور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اتنی سلطنت ان کے زیرِنگوں ہے۔ پھر اس کے ساتھ نیکی اور عزت سے پیش آنے کا حکم دیا۔

سانپ اور نشے میں مست آدمی

یوسف بن حسین بیان کرتا ہے کہ میں ذوالنون مصری کے ساتھ ایک تالاب کے کنارے کھڑا تھا، میں نے وہاں ایک بڑا بچھو دیکھا، اچانک ایک مینڈک تالاب سے نکلا تو بچھو اس پر سوار ہو گیا، مینڈک تیرنے لگا، یہاں تک کہ دوسرے کنارے جا پہنچا۔ ذوالنون نے کہا: اس بچھو کا کوئی معاملہ ہے، چلو آؤ دیکھتے ہیں۔ ہم اس کے پیچھے آئے، وہاں ایک آدمی نشے کی حالت میں سویا پڑا تھا۔ اچانک ایک سانپ نکلا، اس کی ناف والی جانب چڑھتے ہوئے اس کے سینے تک آ گیا اور اس کے کان کو ڈھونڈنے لگا، بچھو سانپ کے مدِ مقابل آیا اور اسے مارا، سانپ نے پلٹا کھایا اور ختم ہو گیا، بچھو تالاب میں واپس چلا گیا، مینڈک آیا، بچھو اس پر سوار ہوا اور تالاب پار کر گیا۔ ذوالنون نے اس مدہوش کو اٹھایا، اس نے آنکھیں کھولیں، ذوالنون نے کہا: اے نوجوان! دیکھ تجھے اللہ تعالیٰ نے کس چیز سے نجات دی ہے۔ بچھو نے آ کر اس سانپ کو مار دیا

جو تجھے ڈسنا چاہتا تھا۔ پھر ذوالنون نے یہ اشعار پڑھے: ؎

اے غافل شخص کہ ربِ جلیل اس کی حفاظت کرتا ہے
ہر بری چیز سے جو اندھیروں میں رینگتی ہے
اس بادشاہ سے آنکھیں کیسے سو سکتی ہیں
کہ اس کی جناب سے نعمتوں کے فوائد آتے رہتے ہیں

وہ نوجوان اٹھا اور کہا: پروردگار! تیری یہ عنایت ایک سیاہ کار کے ساتھ ہے تو مطیع و منقاد سے تیرے لطف و کرم کا عالم کیا ہوگا؟ پھر وہ جانے لگا تو میں نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی طرف۔[1]

رب کے در کا سوالی، جائے کبھی نہ خالی

ایک شرابی تھا، اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کو دعوت پر بلایا، وہ بیٹھ گئے تو اس نے خادم کو حکم دیا کہ احبابِ مجلس کے لیے چار درہموں کی مٹھائی لے کر آؤ۔ راستے میں خادم کا گزر ایک عابد و زاہد منصور بن عمار پر ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا: کون ہے جو فقیر و محتاج کو چار دعاؤں کے بدلے چار درہم دے۔ غلام نے اسے چار درہم دے دیے۔ منصور بن عمار نے کہا: تو کون سی دعائیں کروانا چاہتا ہے، غلام نے کہا:

1. میرا آقا بہت سنگدل ہے، میں اس کی غلامی سے رہائی چاہتا ہوں۔
2. اللہ تعالیٰ مجھے چار درہم کے بدلے چار اور عطا کرے۔
3. میرا آقا تائب ہو جائے۔

---

[1] کتاب التوابین (ص: ٢٢٦)

④ اللہ تعالیٰ میری، میرے آقا کی، آپ کی اور تمام اہلِ محفل کی بخشش فرما دیں۔

منصور نے دعا دی اور غلام واپس آقا کے پاس چلا گیا۔ آقا نے پوچھا: دیر سے کیوں آئے ہو اور مٹھائی کہاں ہے؟ اس نے منصور بن عمار سے ملاقات کا احوال کہہ سنایا۔ آقا کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور بولا: تیری پہلی دعا کیا تھی؟ غلام نے کہا: میں نے آزادی کا پروانہ چاہا تھا۔ آقا نے کہا: میں نے تجھے آزاد کیا، دوسری دعا کیا تھی؟ وہ بولا کہ اللہ تعالیٰ مجھے چار درہموں کے بدلے چار مزید درہم عطا کرے۔ آقا نے کہا: تجھے چار ہزار درہم عطا کیے جاتے ہیں۔ تیسری دعا کیا تھی؟ غلام نے کہا: کہ آپ توبہ کرلیں۔ آقا نے سر جھکا لیا، زار و قطار رونے لگا، شراب کے جام اٹھا کر دور پٹخ دیے اور کہنے لگا: آج کے بعد اس کافر کو کبھی منہ نہیں لگاؤں گا۔ چوتھی دعا کیا تھی؟ وہ بولا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور سب اہلِ محفل کو بخش دیں۔ آقا نے کہا: یہ میرے بس میں نہیں، یہ اللہ غفور و رحیم کا اختیار ہے۔

اس رات جب آقا نیند کی آغوش میں گیا تو خواب میں آواز دینے والا آواز دیتا ہے: جو تو کرسکتا تھا تو نے کیا، تو اب جو ہمارے اختیار میں ہے، ہم نہ کریں گے؟ اللہ نے تجھے، غلام کو اور سب حاضرینِ مجلس کو معاف کر دیا ہے۔

وہ اللہ عزوجل کے خوف سے اپنی انگلیاں جلا دیتا ہے

آثارِ قدیمہ کا مشاہدہ کرنے کے لیے طالبات اور معلمات کا ریسرچ ٹور ایک بستی کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ جب گاڑی وہاں پہنچی تو وہ ایک بے آباد علاقہ تھا، بہت کم باشندے اور الگ تھلگ۔ طالبات بس سے اتریں اور پرانے آثار دیکھنے اور تحریر کرنے لگیں۔ پہلے پہل تو سب مل جل کر مشاہدہ اور تبادلہ خیال کر

رہی تھیں، لیکن تھوڑی دیر بعد طالبات بکھر گئیں اور ہر طالبہ اپنی اپنی پسندیدہ چیز کے پاس کھڑی ہوگئی۔ ایک طالبہ معلومات رقم کرنے میں زیادہ ہی منہمک ہوگئی اور دیگر طالبات سے کافی دور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ سب یہ سمجھتے ہوئے دوبارہ بس میں سوار ہوگئیں کہ تمام طالبات بیٹھ چکی ہیں اور واپسی کے سفر پر روانہ ہوگئیں، لیکن وہ طالبہ وہیں رہ گئی۔ جب کافی دیر ہوگئی تو وہ واپس آئی، لیکن وہاں کوئی نہ تھا، اس نے بہ آوازِ بلند پکارا، لیکن کوئی جواب نہ ملا، اس نے فیصلہ کیا کہ پیدل چلتے ہوئے ساتھ والی بستی میں جاتی ہوں، شاید کوئی وسیلہ مل جائے۔

کافی دیر چلنے کے بعد اسے ایک چھوٹی سی جھونپڑی دکھائی دی۔ وہ اس کے قریب گئی اور دستک دی۔ ایک نوجوان نے دروازہ کھولا، جس کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ وہ ایک ساتھ ہی دہشت زدہ ہوکر بولا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ایک طالبہ ہوں، یہاں ایک سکول بس کے ساتھ آئی تھی، لیکن وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے اور مجھے واپسی کے راستے کا بھی علم نہیں۔ نوجوان نے کہا: تو ایک الگ تھلگ بستی میں ہے اور تیرا گھر جنوب میں ہے، جب کہ تو اس وقت شمال میں ہے اور یہاں کوئی نہیں رہتا۔ اس نے طالبہ کو اندر آنے کو کہا کہ وہ رات یہاں بسر کرے، تاکہ صبح اس کی واپسی کی کوئی سبیل نکالی جائے۔ نوجوان نے طالبہ سے کہا کہ وہ اس کی چارپائی پر سو جائے اور وہ جھونپڑی کے ایک جانب سو جائے گا۔ اس نے ایک چادر لی اور رسی پر پھیلا دی، تاکہ چارپائی باقی کمرے سے علاحدہ ہو جائے۔

لڑکی چارپائی پر چت لیٹ گئی۔ وہ خوفزدہ تھی۔ اس نے آنکھوں کے سوا باقی بدن کو اچھی طرح ڈھانپ لیا اور نوجوان کی طرف دیکھنے لگی۔ نوجوان کمرے

کے ایک جانب بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں کتاب تھی، اچانک کتاب کو بند کیا اور سامنے جلتی ہوئی موم بتی کو دیکھنے لگا، اس کے بعد اپنی انگلی کو پانچ منٹ کے لیے شمع کی لو پر رکھ دیا اور اسے جلا دیا۔ اس نے باری باری ساری انگلیاں جلا دیں۔ لڑکی دیکھتی رہی اور خاموشی سے رو رہی تھی، وہ خائف تھی کہ یہ کوئی جن بھوت ہے جو جنتر منتر کی پریکٹس کر رہا ہے۔

دونوں میں سے کوئی بھی رات بھر نہیں سویا، صبح ہوگئی تو اس نے لڑکی کو ساتھ لیا اور منزلِ مقصود پر پہنچا آیا۔ لڑکی نے یہ قصہ اپنے والدین سے بیان کیا، لیکن باپ کو یقین نہ آیا۔ وہ شدتِ خوف سے بیمار پڑ گئی۔ لڑکی کا باپ مسافر کے روپ میں اس نوجوان کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے راستہ بتا دو، اس نے نوجوان کے ہاتھ کو بغور دیکھا تو اس کی انگلیاں پٹی سے بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے وجہ پوچھی تو نوجوان بولا: دو راتیں قبل میرے پاس ایک حسین و جمیل لڑکی آئی تھی اور میری جھونپڑی میں رات بھر سوئی رہی، شیطان مجھے وسوسے ڈالتا رہا۔ اس خوف سے کہ میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھوں، میں نے یکے بعد دیگرے اپنی انگلیاں جلا ڈالیں، تاکہ ابلیسی مکروفریب سے پہلے ہی شیطانی شہوت بھی ساتھ ہی جل جائے۔ برائی کا خیال میرے لیے انگلیوں کے جلنے سے زیادہ اذیت ناک تھا۔ نوجوان لڑکی کے باپ کو وہ پسند آ گیا اور اس نے اسے دعوت دی کہ وہ اس کے گھر آئے، ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن نوجوان کو یہ نہیں بتلایا کہ وہ حسین لڑکی اس کی بیٹی ہے۔ وہ (لڑکی) نوجوان کو ایک رات حرام سے اجتناب کے عوض عمر بھر کے لیے حلال طریقے سے مل گئی۔

سفینۂ نجات

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں ایک روز گھر سے نکلا۔ اثنائے راہ سامنے سے چھوٹی گاڑی پر سوار ایک نوجوان آیا، اس نے مجھے نہیں دیکھا، کیونکہ راستے پر آمدورفت نہیں تھی، جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ لڑکیوں سے چھیڑ خانی کر رہا تھا۔ میں جلدی میں آگے گزر گیا، تھوڑا دور گیا تو دل میں خیال آیا: واپس جا کر نوجوان کو سمجھاؤں یا چلتا جاؤں کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نوجوان کو نصیحت کرنی چاہیے، چنانچہ میں واپس پلٹا۔ نوجوان گاڑی کھڑی کر کے لڑکیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور ان کی نظرِ التفات یا اشارے کا منتظر تھا، لیکن وہ سیدھی گھر میں داخل ہوگئیں۔ میں نے اس کے ساتھ اپنی گاڑی کھڑی کی، نیچے اترا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر پہلے اسے سلام کہا، پھر اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا: سوچو اگر یہ لڑکیاں، تیری بہنیں، بیٹیاں یا رشتے دار ہوتیں اور کوئی ان سے چھیڑ خانی کرتا تو تجھے کیسا لگتا؟ میں اس سے ہم کلام تھا اور اندر سے خائف بھی تھا، کیونکہ وہ بھاری بھرکم اور صحت مند نوجوان تھا۔ وہ بغیر بولے سر جھکائے بس غور سے سنے جا رہا تھا، اچانک میری طرف متوجہ ہوا تو ایک آنسو ٹپکا اور اس کے رخسار پر بہنے لگا۔ مجھے خوشی ہوئی، یہ نصیحت کا اثر تھا۔ میرا خوف جاتا رہا۔ اب میں نے مضبوط دل سے اسے سمجھایا، حتی کہ حقِ نصیحت ادا کر دیا، پھر اسے الوداع کہا، لیکن اس نے مجھے روک لیا اور میرا ایڈریس اور فون نمبر لیا۔ اس نے بتلایا کہ وہ خوفناک فراغت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ میرے گھر آیا تو اس کے چہرے کے خدوخال اور چال ڈھال یکسر تبدیل تھی، اس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی اور نورِ ایمان چہرے سے ہویدا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا تو وہ ان دنوں کی باتیں کرنے لگا، جو اس نے گلی کوچوں کی آوارہ گردی اور مسلمان مردوں وعورتوں کی ایذا رسانی میں گزارے تھے۔ میں اسے تسلی دے رہا تھا اور بتلا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش بہت وسیع ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر: ٥٣]

”(میری جانب سے) کہہ دو: اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔“

یہ سن کر اس لڑکے کے چہرے کے خطوط خوشی کی لہر سے جگمگا اٹھے، پھر اس نے اجازت چاہی اور مجھے ملاقات کی دعوت دی۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی اسے سیدھے راستے پر ڈال دے، چنانچہ میں نے وعدہ کر لیا۔ کئی دن گزر گئے۔ میں جانے کا پروگرام بناتا رہا اور ایک دن فرصت ملی تو میں چلا گیا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک بوڑھے شخص نے دروازہ کھولا۔ وہ غمگین اور پر ملال لگ رہا تھا۔ وہ اس کا باپ تھا۔ میں نے اپنے دوست کے متعلق پوچھا تو اس نے اپنا سر

زمین کی طرف جھکا دیا، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ آواز میں بولا: اللہ اس پر رحم کرے اور اسے معاف کرے، وہ فوت ہو گیا ہے۔

پھر کہنے لگا: یہ سچ ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہے، پھر اس کے حالات بیان کرنے لگے کہ وہ اللہ کا کتنا نافرن اور اطاعت و انقیاد سے کتنا دور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا اور رشد و ہدایت سے نواز دیا۔ موت سے چند روز پہلے، مہلت ختم ہونے سے قبل، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اسے پالیا۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو میں نے اسے تسلی و تشفی دی اور چل دیا اور میں نے عزمِ مصمم کرلیا کہ اب ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

میرے پیارے بھائی غور کر! ایک معزز مسلمان کے منہ سے نکلنے والے خیر خواہی پر مبنی سچے کلمات کس طرح دوسرے مسلمان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا سبب بن گئے۔ گویا وہ باتیں سفینۂ نجات تھیں، جس نے اس نوجوان کو فتنوں کے سمندر سے نکال کر اطاعت کے ساحل پر پہنچا دیا، تاکہ وہ اپنے رب سے نادم اور تائب ہو کر ملے۔ سو تو بھی ہر مسلمان کی خیر خواہی کر، شاید اللہ تعالیٰ تجھے فائدہ دے اور اس عمل کو تیری نیکیوں کے میزان میں رکھ دے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا۔

ایک عورت کی توبہ

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بازاری عورت جو قیامت خیز حسن کی مالک تھی اور ایک سو دینار سے کم میں اپنے اوپر کسی کو اختیار نہیں دیتی تھی۔ ایک عابد نے اسے دیکھا تو پہلی نظر میں وہ اسے بھا گئی۔ وہ گیا، اس نے

محنت مزدوری کی اور سو دینار جمع کر لیے، پھر اس عورت کے پاس آیا اور بولا: آپ میرے دل میں گھر کر گئی ہیں اور میں نے محنت مشقت کر کے یہ رقم اکٹھی کی ہے۔ وہ بولی: اندر آ جاؤ، وہ گیا تو دیکھا کہ ایک سونے کا تخت ہے جس پر وہ براجمان ہو گئی، پھر بولی: آ جاؤ۔

جب وہ مکمل اختیار حاصل کر چکا تو اسے ربِ جلیل کے سامنے کھڑا ہونا یاد آ گیا، وہ کپکپانے لگا اور کہا: مجھے چھوڑ، میں جانا چاہتا ہوں، یہ سو دینار تم رکھ لو۔ وہ بولی: کیا ہوا، تو تو کہہ رہا تھا کہ میں تجھے پہلی نظر میں پسند آ گئی، پھر تو نے محنت مزدوری کر کے یہ رقم جمع کی۔ اب جب تیری آرزو پوری ہونے کو ہے تو اب تم یہ بات کہہ رہے ہو؟

اس نے کہا: رب تعالیٰ اور اس کے سامنے جوابدہی کا خوف طاری ہو گیا ہے، تو مجھے ناپسند ہو گئی ہے، بلکہ لوگوں میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت۔ وہ بولی: اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو پھر میرا خاوند بھی تیرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، اس نے کہا: مجھے چھوڑ، میں جا رہا ہوں۔ وہ بولی: نہیں، الا یہ کہ تو میرے ساتھ شادی کا وعدہ کرے، اس نے کہا: نہیں، پہلے مجھے جانے دو۔ وہ بولی: میں ضرور تمھارے پاس آؤں گی، تم سے شادی کروں گی۔ اس نے کہا: شاید، پھر اس نے کپڑے سے چہرہ چھپایا اور اپنے شہر کی طرف چل دیا۔ عورت تائب ہو گئی اور اپنی روش تبدیل کر لی۔ چلتے ہوئے اس کے شہر آن پہنچی اور اس کا اتا پتا معلوم کیا، جب اس کے گھر پہنچی تو اس آدمی سے کہا گیا: ایک ملکہ تجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ جب اس نے عورت کو دیکھا تو زور دار چیخ ماری اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ وہ

بولی: یہ شخص میرے نصیب میں نہ تھا، کیا اس کا کوئی قریبی عزیز ہے؟ لوگوں نے کہا: اس کا ایک مفلس و نادار بھائی ہے۔ وہ بولی: میں اس کی محبت کی خاطر اس کے بھائی سے نکاح کروں گی، چنانچہ اس نے اس کے بھائی ہی سے نکاح کرلیا۔

مومن قوت کا استعمال محض رضائے الٰہی کی خاطر کرتا ہے

ایک درخت تھا جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کا ایک آدمی کھڑا ہوا، کلہاڑا پکڑا اور اسے کاٹنے کے لیے چل پڑا۔ راستے میں اسے ابلیس ملا اور کہنے لگا: کیا ارادہ ہے؟ وہ بولا: اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں، جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ ابلیس نے کہا: تو اسے نہیں کاٹ سکے گا، اس لیے کہ میں ایسا کرنے نہیں دوں گا۔

وہ عابد شخص کھڑا ہوا، اس نے اسے مارا تو وہ زمین پر جا گرا، پھر وہ درخت کی جانب بڑھا تو ابلیس پھر رکاوٹ بنا، اس شخص نے پھر اُسے مارا اور وہ زمین پر گر گیا۔ تیسری بار پھر ابلیس سامنے آ گیا اور کہنے لگا: کیا تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ درخت کو مت کاٹ، ہر روز صبح کے وقت تیرے تکیے کے پاس تجھے دو دینار ملا کریں گے۔ وہ بولا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ابلیس نے کہا: یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ چنانچہ آدمی گھر واپس آ گیا، صبح ہوئی تو واقعتاً اس کے تکیے کے پاس دو دینار موجود تھے، پھر اگلی صبح ہوئی تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ غصے سے کھڑا ہوا اور درخت کاٹنے کے لیے چل پڑا، راستے میں اُسے شیطان ملا اور بولا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں جس کی عبادت کی جا رہی ہے۔ شیطان نے کہا: تو جھوٹا ہے، تو ایسا نہیں کرسکتا، وہ کاٹنے کے

لیے آگے بڑھا تو شیطان نے اسے مار کر زمین پر گرا دیا اور اس کا گلا گھونٹا حتی کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا، پھر اُسے کہا: کیا جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں شیطان ہوں ..... پہلے تو رضاے الٰہی کے لیے غضب ناک ہو کر آیا تھا اور میرا تجھ پر کوئی بس نہ چل سکا، پھر میں نے تجھے دو دیناروں کا جھانسا دیا تو نے درخت کو چھوڑ دیا، اب جب کہ تو دو دیناروں کی خاطر غضب ناک ہو کر آیا ہے تو مجھے تجھ پر تسلط مل گیا ہے۔

یہاں سے واضح ہوا کہ اگر عمل خاص رضاے الٰہی کے لیے نہ ہو تو عمل کرنے والا دنیا یا آخرت میں اس کا ثمر نہیں پا سکتا۔ نیز بندے کو اپنی قوت و طاقت کے استعمال کے لیے اخلاص وللّٰہیت کا سہارا لینا چاہیے۔

پانچ چیزیں جو آپ کو معصیتِ الٰہی سے دور لے جاتی ہیں

ایک آدمی جناب ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے پاس گیا (وہ دلوں کے روحانی طبیب بھی تھے) اور کہنے لگا: میں بہت ہی گناہ گار ہوں، مجھے پند و نصائح فرمائیے۔ جناب ابراہیم رحمہ اللہ نے کہا: اگر تو پانچ چیزوں کو اختیار کر لے تو نافرمانوں کی صف سے نکل جائے گا۔ وہ شخص پہلے ہی نصیحت کا بڑا مشتاق تھا، فوراً بولا: آپ جو کہنا چاہتے ہیں بیان کریں۔ آپ نے فرمایا:

1. جب تو اللہ کی نافرمانی کا ارادہ کرے تو اس کا رزق مت کھا۔

آدمی نے بہت تعجب سے سوال کیا: آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ رزق تو اللہ تعالیٰ کی جناب ہی سے ملتا ہے۔ فرمایا: جب تجھے اس بات کا علم ہے تو کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ تو اس کا دیا ہوا رزق بھی کھائے اور اس کی نافرمانی

بھی کرے؟! وہ بولا: آیندہ نہیں کروں گا، دوسری چیز بتلایئے؟ فرمایا:

٢ جب تو اللہ کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو اس کی زمین پر مت رہو۔

اس آدمی نے اب کی بار پہلے سے زیادہ تعجب کیا اور بولا: ابراہیم! آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں، جبکہ زمین تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ہے؟ فرمایا: جب تو جانتا ہے تو ناروا ہے کہ تو اس کی زمین پر بھی رہے اور اس کی نافرمانی بھی کرے۔ وہ بولا: اب میں نہیں کروں گا۔ تیسری بات بتلایئے۔ فرمایا:

٣ جب تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ کرے تو ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے رب نہ دیکھ سکے۔

اس نے کہا: ابراہیم! یہ کیا بات ہوئی؟ رب تو پوشیدہ مخفی تمام سرائر کو جانتا ہے اور اندھیری شب میں کالے پتھر پر سیاہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز تک سن سکتا ہے۔ فرمایا: جب تجھے معلوم ہے تو پھر اس کی نافرمانی انتہائی غیر مناسب ہے۔ وہ بولا میں نہیں کروں گا۔ چوتھی بات بتلایئے۔ فرمایا:

٤ جب تیرے پاس ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے آئے تو اس سے کہنا: ابھی مجھے مہلت دو اور اتنا وقت میری موت موخر کر دو۔ وہ بولا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

[الأعراف: ٣٤]

”جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی، اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔“

فرمایا: جب تمھیں اس کا علم ہے تو پھر نجات کی امید کیسے رکھ سکتا ہے؟

اس نے کہا کہ بات درست ہے پانچویں چیز بتلائیے۔ فرمایا:

5 جب تیرے پاس جہنم کے فرشتے آئیں تو انکار کر دینا اور ان کے ساتھ نہ جانا۔ جونہی اس آدمی نے پانچویں بات سنی تو رونے لگا اور بولا: اے ابراہیم! بس کافی ہے، میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور تائب ہوتا ہوں۔ پھر اس نے عبادت واطاعت کو اختیار کر لیا، حتی کہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا، جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ نیکوکار تصور ہوتا تھا۔ وہاں تین بھائی تھے، جن کی ایک ہی نوجوان بہن تھی۔ تینوں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے تو انھوں نے سوچا کہ بہن کو کس کے پاس چھوڑیں اور کس پر اعتماد کریں؟ انھیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بالآخر وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ اپنی بہن کو بنی اسرائیل کے عبادت گزار شخص کے پاس اس کے پڑوس میں چھوڑ دیں۔ وہ اس کے پاس آئے اور اپنا مدعا بیان کیا، لیکن اُس نے انکار کر دیا اور اللہ کی پناہ مانگی، لیکن ان کا لگا تار اصرار اس کے انکار پر غالب آ گیا۔ اس عابد نے کہا: اپنی بہن کو میرے عبادت خانے کے پڑوس کے ایک گھر میں رہائش پذیر کر دو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور چلے گئے۔

وہ وہاں ایک مُدت تک رہی، عابد عبادت خانے سے کھانا لے کر نیچے اترتا، پھر اسے آواز دیتا تو وہ گھر سے نکلتی اور رکھا ہوا کھانا اٹھا کر واپس چلی جاتی۔ شیطان اس عابد کے ساتھ لگ گیا، وہ اسے خیر و بھلائی کی ترغیب وتشویق دلاتا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالتا کہ لڑکی کا دن کے وقت گھر سے نکلنا

بہت خطرے کی بات ہے۔ اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو کچھ ایسا ویسا ہو سکتا ہے، اگر تو خود کھانا لے جائے اور اسے اس کے گھر کے دروازے پر رکھ آئے تو تجھے زیادہ اجر ملے گا، چنانچہ وہ ایسا ہی کرنے لگا، لیکن وہ لڑکی سے ہم کلام نہ ہوتا۔

پھر ابلیس آیا اور اسے مزید خیر و بھلائی اور اجر کی ترغیب دلائی اور کہا: وہ تنہائی اور وحشت محسوس کرتی ہے، اگر تو اس سے بات چیت کرے تو اس کی بوریت ختم ہو جائے گی۔ چناں چہ وہ عبادت خانے کے اوپر سے جھانکتا اور اس سے محو گفتگو ہو جاتا۔ ایک وقت تک اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہا: اگر تو عبادت خانے سے اتر کر دروازے پر بیٹھے اور وہ بھی اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھ جائے اور اس سے باتیں کیا کرو تو لڑکی کی وحشت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس انداز سے ان کی گفتگو ہونے لگی۔ ایک زمانہ بیت گیا، پھر ابلیس آیا اور لڑکی کے متعلق خیر و بھلائی کی ترغیب دلاتے ہوئے اُسے کہنے لگا: اگر تو عبادت خانے سے باہر نکلے اور لڑکی کے قریب بیٹھ کر اس سے بات چیت کرے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہو گا۔

شیطان اسے آمادہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایسا کرنے لگا۔ کچھ مدت کے بعد شیطان پھر آیا اور یہ کہتے ہوئے نیکی کی ترغیب دلائی کہ اگر تو اس کے قریب جا کر اس کے گھر کے دروازے کے پاس بیٹھ کر بات چیت کرے، جبکہ لڑکی گھر سے باہر نہ نکلے تو اس نے ایسا ہی کیا، وہ عبادت خانے سے اترتا اور اس کے گھر کے دروازے کے پاس کھڑا ہو کر باتیں کرتا، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اگر تو اس کے گھر چلا جائے اور وہاں

اس کے ساتھ بات کرلیا کرے، تاکہ باہر کوئی اور اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے تو یہ تیرے لیے زیادہ مناسب ہے، سو وہ سارا دن اس کے ساتھ گپ شپ لگاتا اور شام ہوتے ہی عبادت خانے واپس چلا جاتا۔

رفتہ رفتہ یوں ہوا کہ ابلیس نے لڑکی کو اس کی نظر میں آراستہ و مزین کرنا شروع کر دیا، حتی کہ عابد نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور بوسہ لیا، بات آگے بڑھی اور وہ اس کے حسن کے سحر میں گرفتار ہو گیا، پھر وہ لڑکی حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہو گیا۔

ابلیس آیا اور اسے کہا: اگر لڑکی کے بھائی آ گئے اور بچہ دیکھ لیا تو تیرا کیا بنے گا؟ لڑکی رسوا ہو گی یا وہ تجھے رسوا کریں گے، بچے کو ذبح کر کے دفن کر دے، لڑکی بھی عزت کی خاطر خاموش رہے گی اور راز فاش نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس نے بچے کو قتل کر دیا۔ ابلیس نے کہا: تو کیا سمجھتا ہے کہ لڑکی، جو کچھ تو نے اس کے اور اس کے بچے کے ساتھ کیا اپنے بھائیوں سے چھپا لے گی؟ اسے بھی ذبح کر کے بیٹے کے ساتھ ہی دفن کر دے۔

وہ مسلسل وسوسے ڈالتا رہا، یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کر دیا اور اس کے بچے کے ساتھ گڑھا کھود کر اسے بھی دفن کر دیا، اس نے ان کے اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا اور مٹی برابر کر کے عبادت خانے میں جا بیٹھا۔

ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس لڑکی کے بھائی جنگ سے واپس آ گئے تو وہ عابد کے پاس آئے اور اپنی بہن کے متعلق پوچھا، اس نے بتلایا کہ وہ وفات پا چکی ہے۔ پھر اس نے رحمت کی دعا کی اور روتا رہا اور کہا: وہ ایک اچھی خاتون تھی، یہ تمھارے سامنے اس کی قبر ہے۔ بھائی قبر کے پاس آئے، وہ روتے اور دعا کرتے

رہے اور کئی دن وہیں ٹھہرے رہے، پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جب رات چھا گئی اور وہ نیند کی آغوش میں چلے گئے تو شیطان مسافر کے روپ میں ان کے پاس خواب میں آیا۔ بڑے بھائی سے شروع ہوا اور اس سے ان کی بہن کے متعلق پوچھا، اس نے عابد کی بات کہہ سنائی، لیکن شیطان نے اسے جھٹلایا اور کہا: عابد نے تمھاری بہن کی بابت سچ نہیں بولا، بلکہ اس نے تمھاری بہن کو حاملہ کیا، جس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا، پھر اس نے اسے اور بچے کو تمھارے خوف سے ذبح کر دیا اور اسے گھر کے دروازے کے عقب میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب تم کو وہ گڑھا مل جائے گا۔

پھر شیطان درمیانے بھائی کے خواب میں آیا اور یہی بات کہی، پھر تیسرے اور چھوٹے سے بھی یہی کہا۔ جب صبح وہ بیدار ہوئے تو سبھی خواب سے متعلق متعجب تھے، ہر کوئی اپنا خواب دوسرے کو بتلا رہا تھا۔ بڑے نے کہا: یہ پراگندہ خواب ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں، اس بارے میں سوچنا چھوڑ دو، چھوٹا بولا: بخدا! میں اس جگہ جا کر ضرور دیکھوں گا۔ چنانچہ وہ سبھی اس گھر کی جانب چلے، جہاں ان کی بہن رہتی تھی، انھوں نے دروازہ کھولا اور اس جگہ کو تلاش کیا جو شیطان نے خواب میں ذکر کی تھی۔ وہاں انھیں وہ گڑھا مل گیا، جہاں ان کی بہن اور اس کا بچہ ذبح کر کے دفن کر دیے گئے تھے، انھوں نے اس کے بارے میں عابد سے دریافت کیا تو اس نے ابلیس کی بات کی تصدیق کر دی، وہ اس کا معاملہ حکمران کے پاس لے گئے، چنانچہ عبادت خانے سے اتار کر اسے سولی کے لیے پیش کر دیا گیا۔

جب اسے رسیوں سے باندھ دیا گیا تو شیطان پھر اس کے پاس آیا اور

بولا: میں ہی ہوں جس نے تجھے عورت کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیا اور اسے تو نے حاملہ کیا، پھر اس کے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اگر آج تو میری بات مان لے اور اس اللہ سے کفر کر لے جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری شکل وصورت بنائی تو میں تجھے سولی سے نجات دلا سکتا ہوں۔ سو عابد نے اللہ کے ساتھ کفر کر لیا، جوں ہی اس نے کفر کا ارتکابِ کیا تو شیطان درمیان سے نکل گیا اور انھوں نے اسے سولی دے دی۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ﴾

[الحشر: ١٦۔١٧]

''شیطان کی طرح کہ اس نے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا: میں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتشِ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔''

چھے اشیا تجھے کافی ہیں

ایک روز جناب شفیق بلخی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد حاتم اَصم رحمہ اللہ سے کہا: تو تیس سال سے میری صحبت میں ہے اس عرصے میں تم نے کیا سیکھا ہے؟ حاتم اَصم رحمہ اللہ نے کہا: چھے چیزیں!

1 میں نے رزق کے معاملے میں لوگوں کو حیران و سرگرداں دیکھا۔ ہر کوئی

اپنی دولت کے متعلق بخل اور حرص کا شکار ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود: ٦]

''زمین پر چلنے والے جتنے جاندار ہیں ان کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں۔''

اس لیے کہ میں بھی زمین پر چلنے والے جانداروں میں شامل ہوں، جس چیز کا ذمہ قوی و مضبوط ذات نے لے لیا ہے، میں نے اس کی فکر چھوڑ دی ہے۔ شفیق بلخی رحمہ اللہ نے کہا: بہت اچھا۔

٢ میں نے دیکھا کہ ہر انسان کا ایک دوست ہے، جس کے ساتھ وہ راز و نیاز اور شکایت و شکوہ کرتا ہے، لیکن یہ دوست راز چھپاتے ہیں اور نہ تقدیر کے تصادم سے دفاع کر سکتے ہیں تو میں نے عملِ صالح کو اپنا دوست بنا لیا، تاکہ حساب کے وقت وہ میرا مددگار ہو، اللہ عزوجل کے حضور ثابت قدمی کا باعث ہو اور پل صراط پر میری رفاقت اختیار کرے۔ انھوں نے کہا: بہت خوب۔

٣ میں نے غور کیا کہ ہر کسی کا ایک دشمن ہے، میں نے سوچا تو میرا دشمن وہ نہ تھا جس نے میری غیبت کی، مجھ پر ظلم کیا اور برا سلوک کیا، کیوں کہ وہ مجھے اپنی نیکیوں کے سہارے چلاتا ہے اور میری برائیوں کا بوجھ خود سہار لیتا ہے، بلکہ میرا دشمن وہ ہے جب میں اللہ کی اطاعت کرتا ہوں تو وہ مجھے اس کی معصیت پر للکارتا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہ ابلیس، نفس، دنیا اور خواہش تھی۔ میں نے انھیں اپنا دشمن بنا لیا، ان پر پہرے بٹھا دیے اور ان سے لڑائی کی خوب مشق کی۔ سو ان میں سے کوئی بھی میرے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ کہا: بہت خوب۔

٤ میں نے دیکھا کہ بلاشبہہ ہر زندہ مطلوب ہے اور ملک الموت طالب، سو

میں نے اپنے آپ کو اس کی ملاقات کے لیے فارغ رکھ چھوڑا ہے، یہاں تک کہ جب وہ آئے گا تو میں بلا تامل جلدی جلدی اس کے ہمراہ چلا جاؤں گا۔ کہا: بہت عمدہ۔

۵ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ باہم محبت کرنے والے اور بغض رکھنے والے ہیں اور محبّ کو دیکھا کہ وہ اپنے محبوب کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، محبت و نفرت کے سبب پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ جسم ہے تو میں نے اپنے آپ سے اور ان سے شہوات کا خاتمہ کر دیا جو میرے اور اس کے درمیان استوار ہوتے ہیں، اب میں تمام لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے لیے بھی وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ کہا: بہت خوب۔

٦ میں نے دیکھا کہ ہر رہایشی لازماً اپنی رہایش کو چھوڑنے والا ہے اور اس کا ٹھکانا قبر ہے تو میں نے بقدرِ بساط وہ تمام اعمال تیار کر لیے جو میرے نئے گھر کے لیے خوش کن ہیں، جس کے بعد جنت ہے یا آگ اور شفیق بلخی رحمہ اللہ نے یہ سن کر کہا: تجھے یہی کافی ہے۔ اپنی وفات تک اس پر کاربند رہو۔

جسم کے دو پاکیزہ اور دو خبیث اعضا

حضرت لقمان بڑھئی کا کام کرنے والے ایک حبشی غلام تھے۔ ان کے آقا نے انھیں حکم دیا کہ بکری ذبح کرو۔ انھوں نے ذبح کر دی، پھر کہا: بکری کے دو پاکیزہ اور عمدہ اعضا لے کر آؤ۔ وہ زبان اور دل لے کر آئے۔ کچھ دن کے بعد پھر انھیں کہا: بکری ذبح کرو، انھوں نے ذبح کر دی، وہ کہنے لگا: بکری کے دو خبیث ترین اعضا لے کر آؤ، پھر انھوں نے زبان اور دل لا کر رکھ دیے۔ آقا

نے کہا: میں نے پہلے کہا تھا کہ دو پاکیزہ اعضا لے کر آؤ تو تم زبان اور دل لے آئے، اب کی بار خبیث اعضا لانے کا کہا تو تم پھر زبان اور دل لے آئے؟ انھوں نے کہا: اگر یہ پاکیزہ ہو جائیں تو ان سے زیادہ کوئی پاکیزہ نہیں اور اگر یہ دونوں خبیث ہو جائیں تو ان سے زیادہ خبیث کوئی نہیں۔

تم جہاں کہیں ہو، موت تمھیں آ گھیرے گی

اخبار ''القصیم'' میں لکھا ہے کہ دمشق کے ایک نوجوان نے سفر کے لیے ریزوریشن کروائی اور اپنی والدہ کو بتلایا کہ ہوائی جہاز کی پرواز کا وقت یہ ہے تاکہ وقت سے پہلے وہ اسے بیدار کر دے۔ یہ کہہ کر نوجوان سو گیا۔ اس کی والدہ نے ریڈیو سے سنا کہ وہاں آندھی بہت تیز، آسمان ابر آلود اور طوفانِ برق و باراں چل رہا ہے، لہٰذا وہ اپنے اکلوتے کے متعلق خائف ہو گئی، اس نے بخل سے کام لیا اور دانستہ طور پر اسے بیدار نہ کیا، تاکہ پرواز کا وقت نکل جائے، کیونکہ فضا سفر کے لیے ساز گار نہ تھی۔ وہ ممکنہ خطرے سے ڈر گئی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ جہاز مسافروں کو لے کر فلائی کر چکا ہے تو اپنے بیٹے کو بیدار کرنے کے لیے آئی اور اسے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

[الجمعة: ٨]

''کہہ دیجیے! جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تمھیں پہنچ کر رہے گی، پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے (اللہ) کی طرف

لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمھارے کیے کام بتلا دے گا۔‘‘

شیخ علی طنطاوی اپنے مشاہدات میں ذکر کرتے ہیں کہ سرزمین شام میں ایک ٹرک والا شخص تھا، اس کے ساتھ ایک آدمی بالائی حصے میں سوار ہوگیا۔ وہاں ایک مردوں والی چارپائی بھی تھی، جس کے اوپر ایک چادر رکھی ہوئی تھی۔ بارش شروع ہوگئی اور پانی بہنے لگا۔ وہ سوار کھڑا ہوا اور چارپائی میں دراز ہو کر اوپر چادر اوڑھ لی۔ ایک اور آدمی سوار ہوا اور چارپائی کے پاس بیٹھ گیا۔ اسے کوئی پتا نہ تھا کہ چارپائی میں کوئی موجود ہے، بارش لگاتار ہوتی رہی، یہ دوسرا شخص سمجھتا رہا کہ وہ اکیلا ہی سوار ہے، اچانک چارپائی والے شخص نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تاکہ معلوم کر سکے کہ بارش تھم گئی ہے یا نہیں۔ جب اس نے ہاتھ نکالا اور دوسرے سوار نے دیکھا تو اسے شدید خوف اور گھبراہٹ لاحق ہوئی، وہ سمجھا مردہ دوبارہ زندہ ہوگیا ہے، وہ اپنا آپ بھول گیا اور اس نے چلتی ہوئی گاڑی سے چھلانگ لگا دی۔ وہ سر کے بل گرا اور وہیں وفات پا گیا۔

اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جا

بنو عبس کا ایک شخص اپنے گمشدہ اونٹ کی تلاش میں نکلا۔ اسے گھر سے گئے ہوئے تین دن ہو گئے۔ یہ مالدار آدمی تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اونٹ، گائے، بکری، بیٹے اور بیٹیاں تمام نعمتوں سے نواز رکھا تھا، اس کا مال اور گھر بہترین مقام پر واقع تھے۔ وہاں سے بنو عبس کا دریا گزرتا تھا۔ وہ بڑا خوشحال اور پُرامن تھا۔ باپ اور نہ بیٹے کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ حوادثات انھیں آ گھیریں گے اور مصائب انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

يَا رَاقِدَ اللَّيلِ مَسْرُوراً بِأَوَّلِهِ
إِنَّ الْحَوَادِثَ قَدْ يَطْرُقُ أَسْحاراً

''اے رات کے ابتدائی حصے میں خوش وخرم سونے والے! حوادثات کبھی سحری کے وقت بھی پہنچتے ہیں۔''

گھر والے بڑے چھوٹے سب سو گئے۔ ان کا مال بھی ساتھ ہی وسیع میدان میں تھا، باپ گمشدہ اونٹ کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب امنڈتا ہوا سیلِ رواں بھیج دیا جو کسی طرف نہ مڑ رہا تھا اور چٹانوں کو مٹی کی طرح اٹھائے ہوئے تھا، رات کے پچھلے پہر ان کے اوپر پہنچ گیا اور ان سب کو ختم کر دیا، گھروں کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا، سب مال اور سب اہل وعیال کو ساتھ بہا لے گیا۔ سیلاب نے کسی کا نام ونشان نہ چھوڑا، گویا وہ تھے ہی نہیں، وہ زبان کا قصہ بن کر رہ گئے۔ باپ تین دنوں کے بعد لوٹا، کسی کو محسوس کیا نہ کسی کو مدد گار سنا، کوئی زندہ نہ تھا، نہ بولنے والا اور نہ کوئی غم خوار، مکان صاف میدان بن چکا تھا۔ یا اللہ! ہائے مصیبت! بیوی، بیٹا، بیٹی، اونٹنی، بکری، گائے، درہم، دینار اور کپڑا کچھ بھی نہیں بچا۔ بہت بڑی پریشانی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اچانک ایک اونٹ بدک گیا، اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی اور جلدی میں اس کی دم پکڑ لی۔ اونٹ نے اس کے چہرے پر ٹانگ مار کر اسے اندھا کر دیا۔ وہ صحرا میں چلا رہا تھا کہ شاید کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر کسی محفوظ مقام تک پہنچا دے۔ ایک مدت کے بعد کسی دیہاتی نے اس کی آواز سنی اور اسے دمشق میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس لے گیا، اس شخص نے خلیفہ کو اپنی آپ بیتی سنائی تو خلیفہ نے کہا: اب تیرا کیا حال ہے؟ وہ بولا: میں اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں!

وہی اللہ ہے

ایک آدمی نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے کہا: وجودِ الٰہی کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے عالم کو عرض اور جوہر کو بطور برہان پیش نہیں کرنا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: تو نے سمندر کا سفر کیا ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: کبھی طوفان سے دوچار ہوئے کہ تمھیں غرقآب ہونے کا خوف لاحق ہوگیا؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: تو کیا کشتی اور ملاحوں سے بھی تمھاری امیدیں ٹوٹ گئیں؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: تو نے محسوس کیا کوئی ہے جو تمھیں نجات دلا سکتا ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: بلاشبہہ وہی اللہ ہے!

سچ کی برکت

سلف صالحین اپنی اولاد کو سچائی و راست بازی کے عادی بناتے اور اس بارے ان سے عہد و پیمان لیتے تھے، اس نوعیت کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ ایک شخص نے کہا: میں نے جب سے ہوش سنبھالا مجھے سچ بولنے کی تربیت دی گئی۔ ہوا یوں کہ میں حصولِ علم کی خاطر مکہ سے بغداد کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ میری ماں نے مجھے چالیس دینار دیے، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرسکوں اور ساتھ ہی مجھے راست بازی کی تاکید کی۔ جب ہم سرزمینِ ہمدان میں پہنچے تو ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ہمیں گھیر لیا۔ ایک ڈاکو میرے پاس آیا اور کہا: تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا: چالیس دینار۔ اس نے سمجھا میں مذاق کر رہا ہوں اور مجھے چھوڑ دیا۔ دوسرے ڈاکو نے مجھے دیکھا اور پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے اسے بھی بتا دیا۔ وہ بولا: تجھے سچ بولنے پر کس نے آمادہ کیا ہے؟ میں نے کہا:

میری ماں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا تو میں وعدے میں خیانت کرنے سے ڈر گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار کو خشیتِ الٰہی لاحق ہوگئی۔ وہ چِلایا اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور بولا: تو اپنی ماں کے عہد میں خیانت سے ڈر رہا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے عہد میں خیانت سے بھی نہیں ڈر رہا؟!!

پھر اس نے حکم صادر کیا کہ قافلے والوں کا سازو سامان واپس کر دیا جائے اور کہا: میں تیرے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کے حضور تائب ہوتا ہوں، اس کے ساتھی ڈاکو بولے: تو ڈاکا زنی میں ہمارا سردار تھا، لہٰذا آج توبہ کے متعلق بھی ہمارا سردار ہے اور ان سب نے توبہ کر لی۔ یہ سچائی کی برکات ہیں۔

پیارے بھائی! یقیناً سچائی نجات دہندہ ہے۔ بندہ جب راست گوئی سے کام لیتا ہے تو دنیا و آخرت میں اس کا پھل کاٹتا ہے۔ کیا تو نے فرمانِ باری تعالیٰ نہیں سنا:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [المائدہ: ١١٩]

”اللہ ارشاد فرمائے گا کہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا، ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے۔“

سموئیل [1] کا ایفائے عہد

جب امرؤ القیس نے قیصرِ روم کے پاس جانے کا پروگرام بنایا تو اپنی زرہیں، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان سموئیل کے پاس بطور امانت رکھ دیا۔ بعد ازاں امراؤ القیس وفات پا گیا تو کِندہ کے فرماں روا نے سموئیل کو پیغام بھجوایا کہ اس کا سب مال و دولت میرے حوالے کر دیا جائے۔ سموئیل نے جواباً کہا: میں اس کے وارثوں کے علاوہ یہ ساز و سامان کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ امانت میں خیانت کروں گا نہ عہد و پیمان میں دھوکا دوں گا۔ بادشاہ نے دوبارہ مطالبہ کیا، لیکن اس نے پھر انکار کر دیا۔

بادشاہ اپنا لاؤ لشکر لے کر آ گیا۔ سموئیل نے قلعہ کے بالائی حصے سے نیچے جھانکا تو اسے دیکھ کر بادشاہ نے کہا: تیرا بیٹا میری قید میں ہے، یہ دیکھو، اگر تو وہ زرہیں اور اسلحہ وغیرہ میرے حوالے کر دے تو میں چلا جاؤں گا اور تیرے بیٹے کی بھی جان بخشی ہو جائے گی۔ سموئیل نے کہا: میں وعدہ خلافی کر سکتا ہوں نہ امانت میں خیانت، تم جو چاہو کرو۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کے بیٹے کو اس کی نگاہوں کے سامنے ذبح کر دیا۔ پھر جب قلعہ پر چڑھائی نہ کر سکا تو ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

سموئیل نے بیٹے کے قتل پر ثواب کی امید رکھی اور ایفائے عہد کی خاطر صبر سے کام لیا۔ جب موسمِ حج آیا اور امراؤ القیس کے ورثا آئے تو اس نے تمام زرہیں، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان ان کے سپرد کر دیا۔ چناں چہ اس نے امانت و دیانت اور ایفائے عہد کو اپنے بیٹے کی زندگی پر ترجیح دی اور اس بارے میں یہ شعر کہا:

---

[1] یہ دورِ جاہلیت کا ایک دانا شاعر تھا۔

وَفِيتُ بِأَدْرُعِ الْكِنْدِيِّ إِنِّي
إِذَا مَا خَانَ أَقْوَامٌ وَفِيتُ

''میں نے کندی شخص کی زرہوں کے بارے میں وفا کی، بلاشبہہ جب لوگ خیانت کرتے ہیں تو میں امانت و دیانت سے کام لیتا ہوں۔''

دودھ فروخت کرنے والی

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کے لیے ایک دودھ بیچنے والی عورت کی بیٹی کو پسند کیا اور کسی حسب ونسب، مال و دولت اور جاہ وعزت کو اس رشتے کی میزان نہیں بنایا، بلکہ جب اس پاک باز لڑکی نے اللہ پر ایمان، ظاہر و پوشیدہ خوفِ الٰہی اور اس یقین کو ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تو اسے ہی میزان قرار دے دیا۔ وہ لڑکی کوئی جاہ ومال نہیں رکھتی تھی۔ کسمپرسی کی حالت تھی، لیکن وہ اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوئی تھی اور درجہ احسان تک عبادت گزار تھی۔ وہ اس طرح نیکی کرتی، گویا اپنے رب کو دیکھ رہی ہے، اگر وہ نہیں دیکھ رہی تو اس کا رب ضرور اسے دیکھ رہا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی خیر گیری کے لیے نکلے ہوئے تھے تو ایک عورت کی آواز سنی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو۔ بیٹی نے کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ امیرالمومنین نے کیا حکم دے رکھا ہے؟ عورت نے کہا: بیٹی کیا حکم دے رکھا ہے؟ وہ بولی: ان کے منادی نے اعلان کیا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ عورت نے کہا: بیٹی! اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو، تو ایسی جگہ ہے جہاں سے عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں نہ ان کا منادی۔ لڑکی فوراً بولی: اماں جان!

اگر عمر رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تو ان کا اللہ تو جانتا ہے۔ بخدا! ایسا نہیں ہو سکتا کہ مجلس میں تو اس کی اطاعت کروں اور خلوت میں نافرمانی کروں۔

جب صبح ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا: فلاں گھر جاؤ، وہاں ایک نوجوان لڑکی ہے، اگر وہ مشغول نہ ہو تو اس سے نکاح کر لینا، شاید اللہ تعالیٰ اس میں سے نیک اولاد عطا فرما دیں۔ جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فراست سچی نکلی، عاصم نے اس لڑکی سے شادی کر لی، جس سے ''امِ عاصم'' پیدا ہوئی اور اس سے عبدالعزیز بن مروان نے نکاح کیا اور عدل و انصاف کے شناور جنابِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

ناقابلِ فراموش سبق

ابو حسین محمد بن عبداللہ بن جعفر رازی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

میں نے یوسف بن حسین سے سنا کہ ذوالنون اسمِ اعظم کو جانتا ہے۔ چناں چہ میں اس کے پاس مصر گیا اور ایک سال اس کی خدمت کی، پھر عرض کی: استادِ محترم! میں نے آپ کی خدمت کی ہے اور میرا حق آپ پر لازم ہو گیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اسمِ اعظم کو جانتے ہیں۔ آپ مجھے پہچانتے ہی ہیں، اس تعلیم کے لائق میرے جیسا اور کوئی نہیں، تو میں آرزو مند ہوں کہ آپ اسمِ اعظم کی تعلیم مجھے ارزاں فرمائیں۔ وہ خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا، ایسے لگا جیسے اشارہ کر رہے ہیں جس کا مطلب تھا میں تمھیں بتا دوں گا۔ کہا: چھے ماہ اور گزر گئے، پھر ایک دن گھر سے نکلے اور ان کے ہاتھ میں ایک تھالی اور رومال میں لپٹی ہوئی ڈبیا تھی، ذوالنون شہر جیزہ میں رہا کرتے تھے، فرمایا: فسطاط میں رہنے والے

ہمارے فلاں دوست کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں!۔ کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم یہ اس تک پہنچا دو۔ کہا: میں نے وہ تھال وغیرہ لے لیا اور چلنا شروع کر دیا۔

راستے میں مَیں متفکر تھا کہ ذوالنون جیسا شخص اس آدمی کو تحفہ بھیج رہا ہے، یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ جب پل تک پہنچا تو میرا پیمانہ صبر سے لبریز ہو گیا، رومال کھولا اور ڈبیا کا ڈھکنا اٹھایا تو اچانک ایک چوہیا کود کر باہر بھاگ گئی، میں بہت غضبناک ہوا اور دل میں کہا: ذوالنون نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے اور مجھ جیسے شخص کے ہاتھ ایک چوہیا بھیجی ہے! میں غصے کی حالت میں الٹے پاؤں واپس ہو لیا، جب اس نے مجھے دیکھا تو میرے چہرے سے آثارِ غضب پہچان لیے اور کہا: بیوقوف! ہم نے تجھے آزمایا تھا۔ تمھیں ایک چوہیا کی بابت امانت دار بنایا، لیکن تو نے خیانت کی، اسم اعظم کے بارے میں تمھیں امین کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا اچھوتا موقف

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زمین کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زمین تھی۔ دونوں زمینوں میں دیکھ بھال کے لیے غلام تھے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلام سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین میں داخل ہوئے اور ایک قطعہ اراضی پر قبضہ جما لیا۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

> ”حمد و ثنا کے بعد، اے معاویہ! تیرے غلاموں نے میری زمین ہتھیا لی ہے، انھیں حکم دو کہ اس سے باز رہیں ورنہ میرا تم سے ”واسطہ“ پڑ جائے گا۔“

جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو دے دیا، جب اس نے بھی پڑھ لیا تو فرمایا: یزید اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ وہ بولا: میرا خیال ہے کہ اس کی طرف ایک ایسا لشکر بھیجا جائے، جس کا اول حصہ اس کے پاس اور اس کا آخری ہمارے پاس ہو، وہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما کا سر لے کر آئے اور آپ (رضی اللہ عنہ) بھی آرام پا سکیں۔ فرمایا: میرے پاس اس کا بہتر حل ہے۔ بولا: ابا جان وہ کیا ہے؟ فرمایا: کاغذ لاؤ۔ پھر خط لکھا:

''مجھے میرے بھتیجے کی چٹھی ملی، جس نے میرے متعلق بدگمانی کی ہے، حالانکہ میں نے برا نہیں کیا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، تیری خوشی کی خاطر بہت معمولی ہے۔ میں دل سے فیصلہ لکھ رہا ہوں اور اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بھی بناتا ہوں کہ وہ زمین اور جو کچھ بھی اس میں ہے، غلاموں سمیت تیری ملکیت ہے۔ زمین کو اپنی زمین اور غلاموں کو اپنے غلاموں میں شامل کر لے، والسلام۔''

جب ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما کو ان کا خط ملا تو جواباً لکھا:

''مجھے امیر المومنین کا خط ملا، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر رکھے اور ان کی اس رائے کو، جس نے انھیں یہ مرتبہ و مقام عطا فرمایا۔ والسلام۔''

جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو دیا، جسے اس نے پڑھا تو اس کا چہرہ خوشی سے لہلہا اٹھا۔ فرمایا: ''اے بیٹے! جب تو کسی ایسی بیماری میں مبتلا کیا جائے تو اس کا علاج ایسی دوا سے کر، ہم ایسے لوگ ہیں جنھوں نے حلم و بردباری میں سوائے خیر و بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔''

جود و سخا کی طرف سبقت کرو

ایک شخص نے حاتم طائی سے پوچھا: کیا سخاوت میں تم سے کوئی آگے بھی ہے؟ کہا: ہاں، طے قبیلے کا ایک یتیم بچہ۔ میں اس کا مہمان ٹھہرا تھا، اس کے پاس دس بکریاں تھیں، اس نے ایک ذبح کی، گوشت بنایا اور میرے سامنے اس کا مغز پکا کر رکھا۔ میں نے کھایا اور کہا: بخدا بہت عمدہ ہے۔ وہ میرے پاس سے نکلا اور یکے بعد دیگرے ساری بکریاں ذبح کر دیں۔ مجھے مغز پیش کرتا رہا اور مجھے کچھ علم نہ تھا۔ جب میں واپسی کے لیے گھر کی طرف نکلا تو وہاں خون ہی خون تھا، اس نے ساری بکریاں ذبح کر دیں تھیں، میں نے کہا: ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا: سبحان اللہ! آپ کو ایک ایسی چیز پسند ہے اور میں اس کا مالک تھا تو بخل کیسے کر سکتا تھا؟ ایک عربی کے لیے یہ باعثِ عار اور شرم ناک بات ہے۔

پوچھا گیا: اے حاتم! تو نے اسے بدلہ کیا دیا؟ بولا: تین سو سرخ اونٹنیاں اور پانچ سو بکریاں۔ کہا گیا: تو پھر اس سے بڑا سخی ہوا۔ کہا: بڑا تو وہ ہی ہے، اس لیے کہ اس نے سب کچھ سخاوت کر دیا اور میں نے کثیر میں سے قلیل مال کی سخاوت کی۔

معززین کی لغزشوں کی تلافی کرنے والا

سلیمان بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں خزیمہ بن بشیر نامی ایک شخص تھا، جس کا تعلق رقہ شہر کے قبیلہ بنو اسد سے تھا۔ وہ صاحبِ مروت تھا اور مال و دولت کی اس کے ہاں فراوانی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں سے تعاون کا ہاتھ بڑھاتا اور ان کی غم خواری کرتا۔ اس کا یہی وتیرہ رہا، یہاں تک کہ خود بھائیوں کا محتاج ہو گیا۔

ایک وقت تک انھوں نے اسے سہارا دیا، لیکن پھر اس سے جان چھڑانے لگے، جب اس نے ان کے بدلتے تیور دیکھے تو اپنی بیوی (جو اس کی چچازاد تھی) کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے میری چچا زاد! میں نے اپنے بھائیوں کے بدلتے رویے دیکھے ہیں۔ میں نے عزم کرلیا ہے کہ گھر میں ہی رہوں گا، تا آنکہ مجھے موت آ جائے، پھر اس نے دروازہ بند کرلیا اور قوت لا یموت کھانے لگا، حتی کہ وہ خوراک بھی ختم ہوگئی۔

عکرمہ فیاض ربعی جزیرہ کا فرماں روا تھا، وہ محفل جمائے اہلِ شہر کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک خزیمہ بن بشیر کا ذکر چھڑ گیا۔ عکرمہ نے کہا: اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا: اس کی حالت اتنی دگرگوں ہے کہ بیان سے باہر ہے، اس نے دروازہ بند کرکے گھر میں لزوم اختیار کرلیا ہے۔ فیاض نے کہا: خزیمہ کو کوئی سہارا دینے والا یا کوئی بدلہ دینے والا نہیں ملا؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔

عکرمہ نے انتظار کیا، جب رات ہوئی تو چار ہزار دینار لیے اور ایک تھیلے میں رکھے، پھر سواری پر پالان باندھنے کا حکم دیا اور گھر والوں سے چھپ کر نکل گیا، اس کے ساتھ غلام تھا جس نے مال اٹھا رکھا تھا۔ وہ خزیمہ کے دروازے تک پہنچ گیا، غلام سے تھیلا پکڑا اور اسے دور ہٹا دیا، آگے بڑھا، دستک دی، خزیمہ باہر نکلا تو اس نے اسے تھیلا پکڑا دیا اور کہا: اس کے ذریعے اپنی حالت سنوارو، اس نے تھیلا پکڑا تو وہ کافی بوجھل تھا، نیچے رکھ دیا اور اس کی سواری کی لگام پکڑی، پوچھا: میں تجھ پہ قربان جاؤں تو کون ہے؟ وہ بولا: اے شخص! اگر اپنا تعارف مقصود ہوتا تو اس پہر کبھی نہ آتا۔ خزیمہ نے کہا: بغیر تعارف کے میں قطعاً یہ قبول نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: ''میں معززین کی لغزشوں کی تلافی کرنے والا

ہوں۔" اس نے کہا: اور بتاؤ۔ کہا: اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ چلا گیا۔

خزیمہ نے تھیلا اپنی بیوی کو دکھایا اور بولا: خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ نے کشادگی اور خیر عطا کر دی۔ اگر یہ پیسے ہیں تو بہت زیادہ ہیں، کھڑی ہو کر چراغ جلا، وہ بولی: چراغ جلانے کو نہیں۔ وہ ہاتھ سے ٹٹولتا رہا، اسے دیناروں کا کھردرا پن محسوس ہو رہا تھا، لیکن یقین نہیں آ رہا تھا۔ عکرمہ اپنے گھر لوٹا تو بیوی پریشان تھی، اس کے متعلق پوچھ رہی تھی، بتایا گیا کہ وہ اکیلا سوار ہو کر گیا تھا، وہ شک میں مبتلا ہو گئی، گریبان چاک کر لیا اور رخساروں کو خوب پیٹا۔ عکرمہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا: تجھے کس نے نڈھال کر دیا؟ وہ بولی: تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ کہا: وہ کیا؟ وہ بولی: امیر جزیرہ رات کے اندھیرے میں غلاموں کے ہمراہ پراسرار انداز سے نکلتا ہے، ضرور کسی دوسری بیوی یا لونڈی کے پاس گیا ہو گا؟

اس نے کہا: اللہ جانتا ہے ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ وہ بولی: پھر بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: ایسے وقت میں نکلنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ کسی کو علم نہ ہو سکے، بیوی نے کہا: آخر بات کیا ہے؟ وہ بولا: تم اسے راز میں رکھو گی؟ کہا: ایسا ہی کروں گی، اس نے سارا قصہ کہہ سنایا، جو کچھ خزیمہ نے کہا اور جو اس نے جواب دیا، پھر بیوی سے کہنے لگا: کیا اب قسم بھی اٹھا دوں؟ وہ بولی: نہیں، میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔

صبح ہوئی تو خزیمہ نے قرض خواہوں کے قرضے واپس کیے، اپنی حالت کو درست کیا اور سلیمان بن عبدالملک کے پاس فلسطین چلا گیا، اس کے دروازے پر رکا، دربان اندر گیا اور سلیمان کو اس کے متعلق بتلایا۔ وہ حسنِ مروت میں مشہور تھا۔ سلیمان بھی اسے جانتا تھا اور اندر آنے کی اجازت دے دی، جب وہ آیا

اور آدابِ بادشاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلام کہا تو وہ بولا: خزیمہ اتنی دیر کہاں رہے؟ کہا: میری حالت بہت نازک ہوگئی تھی۔

سلیمان: ہمارے پاس آنے سے کون سی چیز مانع تھی؟

خزیمہ: میری کمزوری۔

سلیمان: پھر کیسے آنا ہوا؟

خزیمہ: مجھے معلوم نہیں۔ رات کے کسی پہر ایک شخص میرے دروازے پر آیا، اس کے ساتھ یہ بات چیت ہوئی اور اسے سارا قصہ کہہ سنایا۔

سلیمان: کیا تو اسے پہچانتا ہے؟

خزیمہ: میں نہیں پہچانتا، کوئی عجب شخص تھا، اس نے صرف اتنا کہا: میں معززین کی لغزشوں کی تلافی کرنے والا ہوں۔

اب سلیمان اس شخص کی معرفت کے لیے بے چین سا ہوگیا اور کہا: اگر ہم اسے جان لیتے تو اس کی خوب حوصلہ افزائی کرتے، پھر بولا: مجھ پر لازم ہے کہ تجھے آسودہ حال کروں۔ چنانچہ خزیمہ کو والی جزیرہ بنا دیا جہاں عکرمہ الفیاض تعینات تھا۔ خزیمہ جزیرہ کی جانب روانہ ہوگیا، جب قریب پہنچا تو عکرمہ اور تمام اہلِ شہر اس کی ملاقات کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ خزیمہ گورنر ہاؤس میں اپنی مسند پر براجمان ہوگیا اور محتسب سے کہا کہ عکرمہ کا احتساب کیا جائے۔ جب محاسبہ کیا گیا تو عکرمہ کے فضول اخراجات کا سراغ ملا۔ خزیمہ نے ادا کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ وہ بولا: میرے پاس ادا کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ خزیمہ نے کہا: ادا کرنا لازمی ہے، اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں، تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے۔

خزیمہ نے قید و بند کا حکم جاری کر دیا، پھر ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو عکرمہ نے جواباً کہا: میں ان لوگوں میں سے نہیں جو مال و دولت کی خاطر عزت داؤ پر لگاتے ہوں، تم جو چاہو کرو۔ خزیمہ نے اسے بیڑیاں پہنا دیں اور قید با مشقت سنا دی۔ ایک مہینا یا زیادہ عرصہ ایسے ہی گزر گیا، عکرمہ کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اس کی بیوی کو پتا چلا تو وہ چلا اٹھی، اپنی لونڈی کو بلایا، جو انتہائی ذہین و فطین تھی اور کہا: ابھی امیرِ شہر کے پاس جاؤ، جب وہاں پہنچو تو کہنا کہ علاحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں، جب تم تنہا ہو تو کہنا: آپ کی طرف سے ''معززین کی لغزشوں کی تلافی کرنے والے'' کا بدلہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اسے بیڑیاں پہنائی جائیں اور حبسِ بے جا میں رکھا جائے۔

جب خزیمہ نے اس کی بات سنی تو بولا: افسوس صد افسوس! یہ وہ شخص ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ خزیمہ نے اسی وقت سواری پر پالان رکھنے کا حکم دیا اور تمام اہلِ شہر کو اکٹھا کرنے کا حکم جاری کیا، پھر وہ انھیں لے کر جیل کی طرف چل پڑا، جیل کھولی گئی اور خزیمہ اپنے حاشیہ نشینوں سمیت اندر داخل ہوا، عکرمہ سے قید و بند کی حالت میں ملا۔ جب عکرمہ نے اس کی اور لوگوں کی طرف دیکھا تو نفرت سے سر جھکا لیا اور کہا: تو نے مجھے یہ بدلہ دیا ہے؟ خزیمہ نے کہا: تمھارے کام عمدہ تھے، لیکن میں نے برا معاملہ کیا۔ پھر بولا: اللہ ہمیں اور تجھے معاف کرے، پھر بیڑیاں اتارنے کا حکم دیا، جب اتار دی گئیں تو کہا: اب یہ میرے پاؤں میں پہنا دو۔ عکرمہ نے کہا: کیا مطلب؟ وہ بولا: میں چاہتا ہوں میں بھی تیرے جتنی تکلیف اور مشقت کی سزا پاؤں، عکرمہ نے کہا: بخدا! ایسا نہ کرو، سو وہ

دونوں وہاں سے نکلے، یہاں تک کہ خزیمہ کے گھر تک آ گئے۔ عکرمہ اسے الوادع کہہ کر واپس پلٹا تو خزیمہ نے کہا: تم رات یہیں ٹھہرو گے۔

عکرمہ نے پوچھا: کیا مطلب؟ خزیمہ نے کہا: میں تمھاری ناگفتہ بہ حالت سنوارنا چاہتا ہوں، تم سے زیادہ میں تمھاری اہلیہ سے شرمندہ ہوں، پھر اس نے حمام کے متعلق حکم دیا، وہ خالی کروایا گیا، وہ دونوں اس میں داخل ہو گئے اور خود خزیمہ نے اس کی کنگی پٹی کی۔ پھر باہر نکلے اور خزیمہ نے اسے زرق برق پوشاک پہنائی، بہت زیادہ مال وزر دیا، پھر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، اس نے عکرمہ سے اجازت لی کہ وہ اس کی اہلیہ سے معذرت کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اجازت دے دی۔ خزیمہ نے معذرت کی اور اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کیا، پھر عکرمہ سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ امیرالمومنین سلیمان بن عبدالملک کے پاس جائے، وہ تب رملہ میں مقیم تھا، دربان نے امیر المومنین کو خزیمہ بن بشیر کی آمد کی اطلاع دی، سلیمان گھبرا گیا اور بولا: والی جزیرہ میرے بلائے بغیر آیا ہے، لگتا ہے کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ خزیمہ جب دربار میں پہنچا تو امیر نے سلام سے پہلے ہی پوچھا: خزیمہ تمھارے پیچھے کیسے حالات ہیں؟

خزیمہ امیر المومنین! سب ٹھیک ہے۔

امیر المومنین: یہاں کیوں آئے ہو؟

خزیمہ: ''معززین کی لغزشوں کی تلافی کرنے والے'' کی بازیابی ہوئی تو میں اسے آپ کی خدمتِ عالیہ میں لے کر حاضر ہو گیا کہ آپ اس کی ملاقات کا شوق اور دیکھنے کے آرزومند تھے۔

امیر المومنین: وہ کون ہے؟

خزیمہ: عکرمہ الفیاض۔

امیرالمومنین نے عکرمہ کو آنے کی اجازت دی، وہ دربار میں داخل ہوا، آدابِ خلافت کے مطابق سلام کہا تو امیرالمومنین نے اس کا خیر مقدم کیا اور اپنے قریبی نشست پر بٹھایا اور کہا: عکرمہ! خزیمہ سے حسنِ سلوک تیرے لیے وبالِ جان بن گیا، پھر گویا ہوا: اپنی ضروریات اور پسند ایک کاغذ پر تحریر کر دو۔ عکرمہ نے کہا: امیرالمومنین! آپ نے مجھے معاف کر دیا؟ امیرالمومنین: ضرور، کیوں نہیں۔ پھر کاغذ دوات منگوائی اور کہا: علاحدگی میں اپنی تمام ضروریات لکھو، اس نے تحریر کر دیں۔ امیرالمومنین نے فوراً عمل درآمد کا حکم دیا، دس ہزار دینار اور عمدہ گھریلو ملبوسات عطا کیے۔ پھر نیزہ منگوایا اور جزیرہ، آرمینیہ اور آذربیجان پر تقرری کی مہر ثبت کر دی۔ نیز کہا: خزیمہ کا معاملہ تمھارے اختیار میں ہے، چاہو تو اسے باقی رکھو اور چاہو تو معزول کر دو۔ عکرمہ نے کہا: میں اسے بحال کرتا ہوں، پھر وہ دونوں واپس چلے آئے۔[1]

کتا اور سخی غلام

عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ (جو سخاوت میں مشہور تھے) ایک باغ سے گزرے تو وہاں ایک غلام کو کام کرتے ہوئے دیکھا، جو کھجوریں جمع کر رہا تھا۔ اس کے آقا کا بیٹا دو روٹیاں لے کر آیا اور غلام کھانے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ اس نے ایک کتے کو آتے ہوئے دیکھا، جو اس کے پاس آ کر دم ہلانے لگا۔ غلام نے ایک روٹی اس کی طرف پھینک دی، جسے وہ جلدی سے کھا گیا اور قریب آ کر دوبارہ دُم

[1] المستجاد من فعل الأجواد (ص: ١٨۔٢٢)

ہلانے لگا۔ غلام نے دوسری روٹی بھی پھینک دی اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ کو غلام کے اس انداز پر تعجب ہوا تو اس کے قریب ہوا اور پوچھا: اے غلام! روزانہ تجھے کتنا کھانا ملتا ہے؟

غلام: وہی جو آپ نے ابھی دیکھ لیا۔

عبداللہ: تو نے کتے کو دونوں روٹیاں کیوں کھلا دیں؟

غلام: ہماری اس سرزمین پر کتے نہیں ہوتے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کتے کو بھوک یہاں تک لے آئی تھی تو میں نے اسے اپنے آپ پر ترجیح دی۔

عبداللہ: اب سارا دن کیا کرو گے؟

غلام: اس رات کو لپیٹ لوں گا، یعنی بھوکا بسر کروں گا۔

عبداللہ: لوگ مجھے سخاوت کی وجہ سے ملامت کرتے ہیں اور یہ غلام مجھ سے بھی سخی نکلا۔

چنانچہ عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ اس کے آقا کے پاس گئے اور کہا کہ وہ غلام اسے فروخت کر دے۔ آقا نے کہا: تم اسے کیوں خریدنا چاہتے ہو؟ انھوں نے جو دیکھا سو کہہ سنایا، نیز یہ کہ وہ اسے خرید کر آزاد کرنا چاہتے ہیں اور باغ خرید کر اس غلام کو ہدیہ کرنا چاہتے ہیں۔ آقا نے کہا: کیا تم محض اس ایک خوبی کی وجہ سے اسے خریدنا چاہتے ہو، جب کہ ہم تو ہر روز اس کے عجیب و غریب کارنامے دیکھتے رہتے ہیں۔ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ وہ غلام اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد ہے اور باغ اسے میری طرف سے ہدیہ ہے۔[1]

---

[1] أنيس الصالحين (ص: ٢٨)

بیوگان اور یتیموں سے حسنِ سلوک کی برکت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلِ الصَّائِمِ النَّهَارِ))[1]

''بیوہ اور یتیم کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی مانند ہے۔''

بیوہ عورت جس کا خاوند وفات پا گیا ہو اور پیچھے بچے چھوڑ گیا ہو، جنھیں بچپن سے یتیمی کے کڑوے گھونٹ پینا مقدر ہو جائیں، وہ شفقت کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، جو ان کے ٹوٹے دلوں کے زخموں پر مرہم رکھیں۔ بنا بریں رحمتِ کائنات ﷺ نے نرم دلوں کو ترغیب دلائی ہے کہ ان یتیموں کے ساتھ نیکی کرنے میں سبقت کریں، نیز اس ماں کی خاطر جس کا دل اس کے خاوند کے انتقال پر چورہ چورہ ہو چکا ہے۔ جس نے اس کے اور اس کی اولاد کے لیے تگ و دو کی، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا رات کو قیام کرنے والے کی مانند ہے، جو اپنے رب سے سرگوشیاں کرتا ہے، اسی طرح وہ دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے سو عقل والے اور اس اجرِ عظیم اور بلند مقام کے حصول کی خاطر مضطرب و بے چین رہنے والے کہاں ہیں؟

ایک آدمی کسی عجمی علاقے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس کی بیوی اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٣٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٨٢)

بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ آدمی فوت ہو گیا۔ بعد ازاں اس کی بیوی اور بیٹیاں فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئیں۔ جگ ہنسائی کے خوف سے وہ عورت اپنی بیٹیوں کو لے کر دوسرے شہر چلی گئی۔ اتفاق سے سخت سردی کا موسم تھا۔ جب اس شہر میں داخل ہوئی تو بیٹیوں کو ایک ویران مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے پینے کے انتظام و انصرام کے لیے جستجو کرنے لگی۔ وہ دو جماعتوں کے پاس سے گزری۔ ایک جماعت مسلمان آدمی کی تھی جو شہر کا بڑا عالم بھی تھا اور دوسری ایک مجوسی کی تھی جو شہر کا ضامن تھا۔ وہ مسلمان سے شروع ہوئی اور اپنا احوال سنانے لگی کہ میں ایک مسلمان عورت ہوں اور میرے ساتھ یتیم بچیاں ہیں، جنھیں میں ایک بے آباد مسجد میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ مجھے آج کی رات ان کے لیے کھانا چاہیے تو اس عالم نے کہا کہ مجھے دلیل دو کہ تم واقعتاً ایک شریف مسلمان عورت ہو۔ وہ بولی: میں یہاں اجنبی ہوں، مجھے کوئی نہیں جانتا۔ شیخ نے اس سے اعراض کر لیا تو وہ شکستہ خاطر وہاں سے نکلی اور اس مجوسی کے پاس آئی اور اپنا احوال سنایا کہ وہ ایک معزز عورت ہے، اس کے ساتھ بیٹیاں بھی ہیں اور عالم کے ساتھ ہونے والی گفتگو بھی بیان کی۔ وہ اٹھا اور چند عورتوں کو بھیجا، جو اسے اور اس کی بیٹیوں کو گھر لے آئیں، اس نے انھیں بہترین کھانا کھلایا اور فاخرانہ لباس زیبِ تن کروایا، وہ رات اس کے ہاں بڑی عزت و آسودگی سے رہیں۔

جب رات آدھی گزر گئی تو اس عالم نے خواب میں دیکھا کہ جیسے قیامت آ گئی ہو اور نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے پاس جھنڈا آویزاں کر دیا گیا ہو۔ زمرد سے بنا ہوا ایک محل تھا، جس کے برآمدے لؤلؤ اور یاقوت کے اور گنبد لؤلؤ

اور مرجان کے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ﷺ یہ محل کس کا ہے؟ فرمایا: ایک موحد مسلمان کا۔ وہ بولا: یا رسول اللہ ﷺ میں موحد مسلمان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ایک علوی عورت تیرے پاس آئی تو تم نے کہا کہ اپنے شریف مسلمان ہونے کی دلیل پیش کرو، سو ایسے ہی تم بھی مجھے اپنے مسلمان ہونے کی دلیل بیان کرو۔

وہ بیدار ہوا تو پرملال تھا کہ اس عورت کو بے مراد لوٹا دیا تھا۔ پھر شہر میں گھومنے لگا او اس کی بابت پوچھنا شروع کر دیا، بالآخر اسے پتا چل گیا کہ وہ ایک مجوسی کے پاس ہے۔ اس نے مجوسی کو پیغام بھیجا اور اپنے پاس بلا کر کہا: میری مراد وہ معزز خاتون اور اس کی بیٹیاں ہیں۔ مجوسی نے کہا: اس جانب کوئی راستہ نہیں، مجھے ان کی بدولت کتنی ہی برکات حاصل ہو چکی ہیں۔ شیخ نے کہا: مجھ سے ایک ہزار دینار لے لو اور انھیں میرے سپرد کر دو۔ مجوسی نے کہا: میں ایسا نہیں کرسکتا، یہ ناممکن ہے اور بولا: جوتو چاہتا ہے میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، جومحل تم نے خواب میں دیکھا ہے وہ میرے لیے بنایا گیا ہے۔ کیا تو نے اسلام کے متعلق ہماری راہنمائی کی؟ بخدا! میں اور میرے اہل وعیال رات سونے سے قبل اس عورت کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں اور میں نے بھی ویسا ہی خواب دیکھا ہے، جیسا کہ تم نے اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''وہ عورت اور اس کی بیٹیاں تیرے پاس ہیں؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ محل تیرا اور تیرے گھر والوں کا ہے، تم اور تمھارے گھر والے جنتی ہو، اللہ تعالیٰ نے ازل سے تمھیں مومن بنایا تھا۔''

وہ مسلمان واپس پلٹا اور اتنے حزن و ملال میں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ سوتو غور کر (اللہ تجھ پر رحم کرے) یتیموں اور بیوگان کے ساتھ حسنِ سلوک سے اس شخص کو دنیا میں کتنی عزت و حشمت نصیب ہوئی؟[1]

اے پیارے بھائی! تو بھی یتیموں اور بیوگان سے نیکی کا جذبہ پیدا کر، تاکہ جنت میں نبی کریم ﷺ کی صحبت سے بہرہ مند ہو سکے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث پاک ہے:

((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا))[2]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے آپ ﷺ نے شہادت والی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا اور ان میں کشادگی رکھی۔''

نیز صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے:

((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ، أَوْ لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ، وَالسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))

''میں اور اپنے یا کسی غیر یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں ہوں گے اور مسکین کے لیے تگ و دو کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔''

---

[1] الكبائر للإمام الذهبي (ص: ١٢١، ١٢٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٩٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٨٣)

مومن کی فراست

خالد بن معدان بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر بن حذیم کو ''حمص'' کا گورنر بنایا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا: اے اہلِ حمص! تم نے اپنے گورنر کو کیسا پایا؟ انھوں نے گورنر کی متعدد شکایات کیں۔ گورنروں کی شکایات کی وجہ سے حمص کو ''چھوٹا کوفہ'' کہا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا: ہمیں چار شکایات ہیں:

١ سعید بن عامر گھر سے نہیں نکلتے حتی کہ دن خوب بلند ہو جاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بڑا جانا اور فرمایا: مزید کیا ہے؟

٢ انھوں نے کہا: رات کے وقت وہ کسی کی بات نہیں سنتے۔ فرمایا: یہ بھی بڑی بات ہے۔ فرمایا: اور شکایت کیا ہے؟

٣ انھوں نے کہا: مہینے میں ایک دن ایسا ہے جب وہ گھر سے نہیں نکلتے۔ فرمایا: یہ بھی بڑی بات ہے۔ فرمایا: اور کوئی شکایت؟ کہا:

٤ اچانک وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں، جیسے فوت ہو گئے ہیں۔

خالد بن معدان کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب سعید اور اہلِ حمص کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا اور کہا: ''الٰہی! آج میری رائے کو ان کے متعلق غلط نہ ہونے دینا۔ یہ کیسی شکایات کر رہے ہیں؟ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ گھر سے نہیں نکلتے حتی کہ دن خوب بلند ہو جاتا ہے؟ جناب سعید گویا ہوئے: واللہ! میں اسے ذکر کرنا ناپسند کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادم نہیں ہے، میں خود آٹا گوندھتا ہوں، پھر بیٹھ جاتا ہوں حتی کہ وہ خمیر بن جاتا ہے، پھر اپنی روٹی

بناتا ہوں۔ اس کے بعد وضو کرتا ہوں اور تب ان کی طرف نکلتا ہوں۔

فرمایا: اور کیا شکایت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: رات کے وقت یہ کسی کی بات کا جواب نہیں دیتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ سعید نے کہا: یقیناً میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنا دن ان کے لیے اور رات اپنے اللہ عزوجل کی خاطر مختص کر رکھی ہے۔ فرمایا: اور کیا شکایت ہے؟ انھوں نے کہا: مہینے میں ایک دن یہ گھر سے نہیں نکلتے۔ فرمایا: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ جناب سعید گویا ہوئے: میرا کوئی خادم نہیں اور میرے پاس کوئی اضافی کپڑے نہیں جسے میں تبدیل کروں۔ میں انھیں ہی دھو کر بیٹھا رہتا ہوں، حتی کہ جب وہ خشک ہو جاتے ہیں، پھر دن کے آخری حصے میں ان کی طرف نکلتا ہوں۔ فرمایا: اور کیا شکایت ہے؟ وہ بولے: یہ اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ عرض کی: جب خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں شہید کیا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ قریش نے ان کے گوشت کے چیتھڑے اڑا دیے اور کھجور کے تنے پر لٹکا دیا، پھر پوچھا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھاری جگہ ہوتے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! میں قطعاً پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ میں جب بھی اس دن کو اور ان کی مدد نہ کرنے کو یاد کرتا ہوں، کہ میں تب مشرک تھا اور اللہ عزوجل پر ایمان نہیں رکھتا تھا تو مجھے خیال گزرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہِ عظیم کے سبب مجھے قطعاً معاف نہیں کریں گے۔ اس پر مجھے یہ بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: سب تعریفات اللہ کی جس نے میری

فراست کو درست و صائب رکھا، پھر ایک ہزار دینار ان کی طرف روانہ کیے، تا کہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں، انھوں نے اپنی بیوی نے کہا: کیا تیرے لیے یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ ہم یہ اشرفیاں اسے دے دیتے ہیں جو ہم سے بھی زیادہ ان کا محتاج ہے۔ اس نے کہا: ہاں، سو انھوں نے اپنا ایک قابلِ اعتماد شخص بلایا اور اشرفیاں متعدد تھیلوں میں بانٹ دیں، پھر فرمایا: یہ تھیلی فلاں شخص کی بیوہ کو دے آؤ، یہ فلاں مسکین کو دے آؤ اور یہ فلاں قبیلے کے مفلس و قلاش شخص کو دے دو۔ پھر سونے کی ایک ڈلی بچ گئی تو اپنی بیوی سے کہا: اسے بھی خرچ کر دو اور یہ کہہ کر اپنے کام پر روانہ ہو گئے، بیوی نے کہا: کیا آپ ہمیں ایک خادم نہیں خرید دیتے؟ اس مال کا کیا کریں گے؟ فرمایا: اسے اس دن کے لیے ذخیرہ کر دو جب تم اس کی زیادہ محتاج ہو گی۔"[1]

اے میری قوم! میں تم سے مال کا مطالبہ نہیں کرتا

ایک روز ابو جعفر منصور اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ابو جعفر کی بے رغبتی کے باعث بات بہت دور تک چلی گئی تو بیوی نے عدل و انصاف کا مطالبہ کیا۔ ابو جعفر نے کہا: ہمارے درمیان فیصلے کے لیے بطور ثالث تم کس کا انتخاب کرتی ہو؟ وہ بولی: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔ ابو جعفر نے بھی یہ تجویز پسند کی تو انھیں بلا لیا گیا اور گویا ہوا: میری بیوی مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ آپ خود ہی انصاف سے فیصلہ کیجیے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: امیر المومنین بات کریں، انھوں نے فرمایا: آدمی ایک وقت میں کتنی عورتوں سے شادی کر سکتا اور انھیں عقدِ نکاح میں

[1] صفوة الصفوة (١/٢٥٦، ٢٥٧)

رکھ سکتا ہے؟ کہا: چار۔ فرمایا: لونڈیاں کتنی جائز ہیں؟ کہا: جتنی چاہے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ فرمایا: کیا کوئی اس کے خلاف کہہ سکتا ہے؟ کہا: نہیں۔ ابو جعفر نے کہا: آپ میری بات اور دلیل سن چکے ہیں۔ اس پر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ عدل والوں کے لیے حلال کیا ہے، جو عدل نہیں کر سکتا یا اسے ڈر ہے کہ عدل نہ کر پائے گا تو اسے ایک بیوی سے زیادہ نہیں کرنی چاہییں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء: ٣]

''لیکن اگر تمھیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔''

ہمیں اللہ تعالیٰ کا ادب اپنانا چاہیے اور اس کی نصیحتوں کا پاس رکھنا چاہیے۔ ابو جعفر خاموش ہو گیا اور کافی دیر سکوت چھایا رہا اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ وہاں سے چلے آئے۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو ابو جعفر کی بیوی نے ایک خادم بھیجا، جو مال و زر، کپڑے، لونڈی اور ایک گدھا لے کر آیا، لیکن آپ رحمہ اللہ نے صاف انکار کر دیا اور انھیں واپس لوٹا دیا اور خادم سے کہا: انھیں میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ میں نے صرف اپنے دین کی حمایت کی ہے اور اس جگہ محض اللہ کے لیے کھڑا ہوا ہوں کسی اور کا تقرب مقصود نہیں تھا، نہ میں اس طرح سے دنیا تلاش کر رہا تھا۔

تمھارے گھر ہی سے سچا تقویٰ عیاں ہوتا ہے

کتبِ ادب و تاریخ بیان کرتی ہیں کہ بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آئی اور کہا: ہم رات کے وقت سوت کاتتے ہیں، ہمارا ذریعہ معاش یہی

ہے، بسا اوقات بنو ظاہر (حکمرانانِ بغداد) کے مشعل بردار پہرے دار گزرتے ہیں اور ہم گھر کی چھت پر ہوتے ہیں اور ان کی روشنی میں ایک دو کپڑے بُن لیتے ہیں، آپ اسے حلال سمجھتے ہیں یا حرام؟ انھوں نے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: بشر کی بہن۔ امام صاحب نے فرمایا: آہ! اے آلِ بشر! میں تمھیں کبھی معدوم نہ پاؤں، میں ہمیشہ تمھاری جانب سے صاف وشفاف ورع کی بات سنتا رہتا ہوں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ رو پڑے اور فرمایا: تمھارے گھر ہی سے سچا تقوی عیاں ہوتا ہے، اس کی روشنی میں کپڑا نہ بنا کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ کے گھر میں

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اکثر اپنی صاحبزادی سے امام شافعی رحمہ اللہ کے فضل ومنقبت، علم اور تقوے کی بابت بیان کرتے رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو دعوت دی، جب رات کا کھانا تناول فرما چکے تو امام شافعی رحمہ اللہ بستر کی طرف گئے اور چت لیٹ گئے اور سو گئے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی صاحبزادی نے کہا: ابا جان! کیا یہ وہی شافعی ہے جس کے متعلق آپ مجھے بتایا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: میں نے ان میں تین چیزیں نوٹ کی ہیں، جو قابلِ تنقید ہیں:

① جب ہم نے انھیں کھانا پیش کیا تو وہ بہت زیادہ کھا گئے۔

② جب کمرے میں داخل ہوئے تو قیام اللیل اور تہجد ادا نہیں کی۔

③ ہمارے ساتھ فجر بھی بغیر وضو کیے پڑھی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف ان امور کی وضاحت کے لیے تشریف لے گئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ گویا ہوئے: اے احمد! میں نے زیادہ کھانا

تناول کیا، کیونکہ مجھے علم تھا کہ تمھارا کھانا حلال ہے اور تم سخی ہو۔ سخی کا کھانا دوا، جب کہ بخیل کا کھانا بیماری ہوتا ہے۔ میں نے سیر ہونے کے لیے نہیں کھایا، بلکہ بطورِ دوا کھایا ہے اور رہی بات یہ کہ میں نے رات کو قیام نہیں کیا تھا تو جب میں نے سونے کے لیے سر رکھا تو دیکھا کہ گویا اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ سو میں نے بہتر (۷۲) مسائل کا استنباط کیا جن سے مسلمان مستفید ہوں گے، چنانچہ قیام اللیل کی فرصت نہ مل سکی اور رہی یہ بات کہ میں نے فجر کی نماز بغیر وضو کے پڑھی ہے، اللہ کی قسم! میری آنکھوں نے نیند کا مزہ تک نہیں چکھا کہ نیا وضو کرنے کی ضرورت پیش آتی، میں نے ساری رات بیداری میں گزاری ہے اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

متقی دل کا صاف کلام

فیصل بن ربیع کہتے ہیں کہ امیر المومنین ہارون الرشید حج پر گئے تو میرے پاس تشریف لائے، میں جلدی سے باہر نکلا اور بولا: اے امیر المومنین! آپ نے مجھے بلایا ہوتا تو میں خود حاضر ہو جاتا، تو ہارون نے کہا: تجھ پر افسوس! میرے دل میں ایک چیز کھٹک رہی ہے، کوئی آدمی تلاش کر کہ میں اس سے سوال کروں۔ میں نے کہا: یہاں سفیان بن عیینہ ہیں۔ امیر المومنین نے کہا: مجھے ان کے پاس لے چل۔ چنانچہ ہم ان کے پاس آئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو سفیان بن عیینہ بولے: امیر المومنین! آپ نے پیغام بھیجا ہوتا تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ امیر المومنین: وہ امر سنیے، جس کی خاطر ہم آپ کے پاس آئے ہیں (اللہ آپ پر رحم کرے) کچھ دیر ان سے گفتگو رہی، پھر ہارون نے کہا: کیا آپ پر کوئی قرض ہے؟ کہا:

جی ہاں۔ خلیفہ نے ان کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور کہا: تمھارے ساتھی نے کچھ فائدہ نہیں دیا، کوئی اور آدمی دیکھو جس سے میں سوال کرسکوں۔

میں نے کہا: یہاں عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔ کہا: مجھے ان کے پاس لے چل، سو ہم ان کے پاس آئے اور دروازے پر دستک دی، وہ جلدی سے نکلے اور کہا: کون؟ میں نے کہا: امیر المومنین بات کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا: اے امیرالمومنین! آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا، میں خود حاضر ہو جاتا۔ امیر المومنین بولے: وہ بات سنیں جس کی خاطر ہم حاضر ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر گفتگو ہوئی، پھر فرمایا: آپ مقروض ہیں؟ انھوں نے کہا؛ جی ہاں۔ امیر المومنین نے کہا: ابو العباس! ان کا قرض ادا کر دو۔ جب ہم وہاں سے نکلے تو امیر گویا ہوئے: تمھارے ساتھی نے مجھے کوئی علمی فائدہ نہیں دیا، کوئی اور آدمی دیکھو کہ میں اس سے سوال کرسکوں۔ میں نے کہا: یہاں فضیل بن عیاض ہیں۔ فرمایا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔ ہم ان کے پاس آئے تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی ایک آیت کریمہ بار بار تلاوت کر رہے تھے۔ فرمایا: دستک دو، میں نے دستک دی تو انھوں نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: امیر المومنین کی بات سنیے! انھوں نے کہا: مجھے ان سے کیا واسطہ؟ میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا آپ پر اطاعتِ امیر فرض نہیں؟

وہ اترے، دروازہ کھولا اور پھر بالا خانے کی طرف چڑھ گئے اور چراغ بجھا دیا۔ پھر گھر کے ایک کونے میں چلے گئے۔ ہم داخل ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے انھیں تلاش کرنے لگے، ہارون کی ہتھیلی مجھ سے پہلے ان تک رسائی حاصل کرگئی۔ فضیل بولے: یہ ہتھیلی کتنی نرم و نازک ہے، اگر کل اللہ عزوجل کے عذاب سے پناہ

حاصل کر لے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا؛ آج کی رات وہ امیر سے ایسا صاف کلام کریں گے، جو متقی دل سے صادر ہوتا ہے۔ امیر المومنین نے کہا: اس بات کی طرف آیئے جس کی خاطر ہم آئے ہیں۔ اللہ آپ پر رحم کرے!

فضیل نے کہا: جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہم کو بلایا اور کہا: مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے، مجھے مشورہ دو۔ انھوں نے خلافت کو مصیبت قرار دیا، جب کہ تم نے اور تمھارے ساتھیوں نے اسے نعمت گردانا۔ چنانچہ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ اللہ کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو دنیا سے روزہ رکھ لیں اور آپ کی اس سے افطاری موت ہو۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے کہا: اگر آپ عذابِ الٰہی کے کوڑے سے بچنا چاہتے ہیں تو اہلِ ایمان کا بڑا اور عمر رسیدہ آپ کا باپ، درمیانہ آپ کا بھائی اور چھوٹا بیٹے کی مانند ہونا چاہیے۔ رجاء بن حیوۃ رحمہ اللہ نے کہا: اگر آپ عذابِ الٰہی سے پناہ چاہتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے وہی پسند کریں، جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور ان کے لیے وہ ناپسند کریں جو آپ اپنے لیے ناپسند کریں، پھر جب چاہیں فوت ہو جائیں۔ اب میں آپ سے کہوں گا کہ یقیناً میں آپ کے متعلق سخت خوف محسوس کرتا ہوں جس دن قدم لڑکھڑا جائیں گے، کیا آپ کے ساتھ (اللہ آپ پر رحم کرے) اس جیسا کوئی ہے یا آپ کو کوئی ایسا مشورہ دینے والا ہے؟

ہارون الرشید نے آہ و بکا شروع کر دی، حتی کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے فضیل سے کہا: امیر المومنین کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔ انھوں نے کہا:

اے ابنِ ربیع! تم اور تمھارے ساتھی اسے قتل کر رہے ہو اور میں اس کے ساتھ نرمی اختیار کروں!! امیر المومنین کو افاقہ ہوا تو بولے: مزید بتلایئے (اللہ آپ پر رحم کرے) وہ بولے: اے امیر المومنین! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک گورنر نے ان سے شکایت کی تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کو لکھا: اے بھائی! میں آپ کو جہنمیوں کی طویل بیداری، جس کے ساتھ وہاں سدا رہنا بھی شامل ہے، یاد دلاتا ہوں، یہ عہدہ کہیں اللہ سے دور نہ کر دے کہ وقت ختم اور امید و بیم منقطع ہو جائے۔ کہا: جب اس نے خط پڑھا تو عازمِ سفر ہوا، حتی کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آ گیا۔ پوچھا: کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں نے آپ کا خط پڑھ کر اپنے دل کو عہدے سے معزول کر لیا ہے، اب میں مرنے تک کسی عہدے پر براجمان نہیں ہوں گا۔ ہارون الرشید زار و قطار رونے لگا اور کہا: اور فرمایئے (اللہ آپ پر رحم کرے)۔ فرمایا: اے کتابی چہرے والے! اگر تجھ سے ہو سکے تو اس چہرے کو آگ سے بچا لے اور شب و روز کسی لحظہ اپنی رعایا کے متعلق دل میں کینہ اور کھوٹ مت رکھنا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَصْبَحَ لَهُمْ غَاشًّا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

''جس نے ان کے متعلق کینہ رکھا، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔''

ہارون کی ہچکی بندھ گئی اور کہنے لگا: آپ پر کوئی قرض ہے؟ فرمایا: ہاں، میرے رب کا قرض ہے، جس پر وہ میرا محاسبہ کرنے والا ہے۔ ہلاکت ہے، اگر اس نے مجھ سے سوال کر لیا، ہلاکت ہے اگر اس نے مجھ سے تکرار کی اور ہلاکت ہے اگر میری حجت مجھے الہام نہ کی گئی۔ کہا: میں تو بندوں کے قرض ہی پر مدد کر سکتا ہوں۔ فرمایا: میرے رب نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا، مجھے بس یہ حکم

ملا ہے کہ اس کے وعدے کی تصدیق کروں اور اس کے حکم کی بجا آوری کروں۔
فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ [الذاريات: ٥٦۔٥٨]

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔''

امیر المومنین نے کہا: یہ ہزار دینار ہیں، انھیں اپنے اہل و عیال پر خرچ کیجیے اور عبادت کے لیے قوت پکڑیے۔ فرمایا: سبحان اللہ! میں تمھیں نجات کا راستہ بتلا رہا ہوں اور تم مجھے یہ بدلہ دے رہے ہو۔ (اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق ارزاں عطا فرمائے) فضیل بن ربیع نے کہا کہ ہارون نے کہا: جب تم مجھے کسی آدمی کے پاس لے کر جاؤ تو ایسے آدمی کے پاس لے کر جایا کرو۔ یہ مسلمانوں کا سردار ہے۔

گھر کی عورتوں میں سے کوئی فضیل کے پاس آئی اور بولی: اگر آپ یہ مال وصول کر لیتے تو اس سے غربت و افلاس کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے فرمایا: میری اور تمھاری مثال اس قوم کی سی ہے جن کے پاس ایک اونٹ ہو، وہ اس کی کمائی کا کھاتے ہوں، جب وہ بوڑھا ہو جائے تو اسے ذبح کریں اور اس کا گوشت کھا جائیں۔

جب ہارون نے یہ باتیں سنیں تو کہا: ہم دوبارہ جاتے ہیں، شاید اب وہ مال قبول کر لیں۔ جب فضیل رحمہ اللہ کو پتا چلا تو وہ نکلے اور کمرے کے دروازے کے اوپر چھت پر بیٹھ گئے۔ ہارون آیا، انھوں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور وہ ان سے محوِ گفتگو ہو گیا، لیکن وہ اس کا جواب نہیں دے رہے تھے، اسی دوران میں اچانک ایک سیاہ فام لونڈی آئی اور بولی: اے شخص! تو نے رات سے بزرگوں کو تنگ کر رکھا ہے، یہاں سے چلے جاؤ (اللہ تم پر رحمت کرے) پھر وہ چلا گیا۔[1]

ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے

ایک روز ابن ابشاذ نحوی مصر کی جامع مسجد کی چھت پر تشریف فرما تھے اور وہ کوئی چیز تناول فرما رہے تھے۔ چند حاشیہ نشین بھی وہاں موجود تھے۔ ایک بِلّا آیا، انھوں نے ایک لقمہ اس کی طرف پھینکا، وہ لپکا اور غائب ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آ گیا۔ انھوں نے ایک اور چیز پھینکی تو اس نے ایسے ہی کیا، وہ بار بار آتا رہا اور وہ پھینکتے رہے اور وہ پکڑتا، غائب ہو جاتا اور فوراً ہی واپس بھی آ جاتا، حتی کہ لوگ اس بلے کے متعلق تعجب کا شکار ہو گئے اور جان گئے کہ اتنا کھانا یہ تنہا نہیں کھا سکتا،، جب انھوں نے شک کیا تو اس کا پیچھا کیا اور دیکھا کہ وہ جامع مسجد کی چھت پر ایک دیوار پر چڑھ گیا، پھر ایک ویران جگہ پر اتر گیا، جہاں ایک اور بلا تھا جو کہ نابینا تھا اور جتنا کھانا وہ اٹھا کر لایا تھا، وہ سب اس کے سامنے موجود تھا اور وہ کھا رہا تھا۔ انھوں نے اس پر تعجب کیا تو ابنِ ابشاذ نے کہا: اگر اس بے زبان جاندار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بِلے کو مطیع کر دیا ہے

[1] سير أعلام النبلاء (٨/٤٢٨)

اور وہ اس کی کفالت کر رہا ہے اور اسے رزق سے محروم نہیں کیا تو وہ ذات مجھ کو کیسے ضائع کرے گی؟

آزمائش

ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے ریاض شہر کے ایک باشندے نے بتلایا کہ ۱۳۷۶ھ کو شہرِ جبیل کے ماہی گیروں کی ایک ٹیم سمندر کی طرف گئی جو مچھلیوں کا شکار کرنا چاہتے تھے، تین دن اور تین راتیں گزر گئیں، لیکن کوئی مچھلی شکار نہ کر سکے۔ وہ نماز پنج گانہ کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ایک اور ٹیم تھی جو ایک سجدہ نہ کرتے تھے، نہ کبھی نماز پڑھی تھی۔ وہ بھی شکار کر رہے تھے اور مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ پہلی جماعت میں سے کسی نے کہا: سبحان اللہ! ہم اللہ عزوجل کے لیے نماز بھی پڑھتے ہیں اور ہمیں ایک مچھلی بھی نصیب نہیں ہوئی، انھوں نے کبھی ایک سجدہ نہیں کیا اور وہ وافر مچھلیاں شکار کر رہے ہیں!! شیطان نے انھیں نماز ترک کرنے کا وسوسہ ڈالا، سو انھوں نے نمازِ فجر ترک کر دی، پھر ظہر بھی چھوڑ دی اور پھر عصر بھی۔ نمازِ عصر کے بعد سمندر کی طرف آئے تو ایک مچھلی شکار کی۔

انھوں نے اسے نکالا، پیٹ چاک کیا تو اس کے پیٹ میں ایک قیمتی ہیرا تھا۔ ان میں سے ایک نے وہ ہیرا پکڑا، اسے ہتھیلی پر الٹا پلٹا اور غور سے دیکھا اور کہا: سبحان اللہ! جب ہم نے اللہ کی اطاعت کی تو اسے حاصل نہ کر سکے اور جب نافرمانی کی تو اسے پالیا!! یقیناً اس رزق میں کوئی گڑ بڑ ہے۔ پھر اس نے ہیرا پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا اور بولا: اللہ ہمیں اس کے بدلے اور دے گا۔ اللہ کی قسم! میں اسے نہیں لوں گا، کیوں کہ یہ نماز چھوڑنے کے بعد ملا ہے...... آؤ

اس جگہ سے کوچ کر جائیں کہ جہاں ہم نے اللہ کی نافرمانی کی ہے۔

تقریباً وہ تین میل دور چلے گئے اور وہاں خیمہ زن ہوئے۔ پھر دوبارہ سمندر کے قریب آئے اور ''کنعد'' مچھلی کا شکار کیا۔ اس کا پیٹ چاک کیا تو وہ ہیرا اس کے پیٹ میں موجود تھا، وہ کہنے لگے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں عمدہ رزق عطا کیا ہے، اس کے بعد وہ نماز پڑھنے لگے، اللہ کا ذکر کرنے لگے اور استغفار کرنے لگے اور انھوں نے وہ ہیرا لے لیا۔[1]

دنیا...... دنیا داروں کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہے

وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر سیر کر رہے تھے کہ ایک یہودی ان سے آ ملا۔ اس کے پاس دو روٹیاں تھیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم مجھے اپنے کھانے میں شریک کرو گے؟ یہودی نے کہا: ہاں، جب اسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک روٹی ہے تو وہ نادم ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، وہ آدمی گیا اور ایک روٹی کھا لی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نماز مکمل کر چکے تو دونوں نے اپنا اپنا کھانا پیش کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: دوسری روٹی کہاں ہے؟ وہ بولا: ایک ہی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک روٹی کھائی اور ان کے ساتھی نے بھی۔ پھر چل پڑے اور ایک درخت تک پہنچ گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر ہم صبح تک اس درخت کے نیچے قیام کر لیں تو کیسا رہے گا؟ وہ بولا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ انھوں نے وہاں رات گزاری اور صبح کے وقت وہاں سے چل پڑے، پھر ایک اندھے سے ملاقات ہوئی، تو

---

[1] لا تحزن (ص: ٤٢٦۔٤٢٧)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تیرا علاج کر دوں اور اللہ تعالیٰ تیری بینائی واپس کر دے تو کیا اللہ کا شکریہ بجا لائے گا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے اس کی آنکھ کو چھوا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔

اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے یہودی سے کہا: اس ذات کی قسم جس نے اسے نابینا کو بینا بنا کر دکھلایا، کیا تیرے پاس ایک اور روٹی نہیں تھی؟ وہ بولا: صرف ایک روٹی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ پھر ایک جگہ سے گزرے، جہاں ہرن چر رہے تھے، عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ہرن کو بلایا اور اسے ذبح کر دیا، پھر دونوں نے مل کر کھایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ہرن سے کہا: اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ تو وہ کھڑا ہو گیا۔ آدمی بولا: سبحان اللہ! عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ نشانی دکھلائی ہے! تیسری روٹی کس نے کھائی تھی؟ وہ بولا: روٹی ایک ہی تھی۔

وہ دونوں چلنے لگے اور ایک بہت بڑی نہر کے پاس سے گزرے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور پانی کے اوپر چلنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اسے عبور کر گئے۔ آدمی بولا: سبحان اللہ! عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ معجزہ دکھایا ہے! تیسری روٹی والا کون ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! روٹی ایک ہی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں سے نکلے اور ایک بہت بڑی مگر ویران بستی میں آ گئے، اچانک ان کے قریب تین بڑے بڑے سونے کے پتھر تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ایک پتھر میرا، ایک تیرا اور ایک تیسری روٹی کھانے والے کا، وہ آدمی بولا: تیسری روٹی میں نے ہی کھائی تھی، جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تینوں پتھر تمھارے ہیں اور اس سے جدا ہو گئے۔

وہ آدمی ان پتھروں کے پاس ٹھہر گیا، اس کے پاس کوئی سواری نہیں تھی جس پر انھیں لاد لیتا۔ وہاں سے تین آدمی گزرے، انھوں نے اسے قتل کر دیا اور سونا قبضے میں لے لیا۔ دو آدمیوں نے ایک سے کہا: بستی میں جاؤ اور ہمارے لیے کھانا لے کر آؤ۔ باقی دونوں میں سے ایک بولا: جب وہ واپس آئے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور سونا آپس میں بانٹ لیں گے۔ دوسرے نے کہا: ٹھیک ہے۔ جو کھانا لینے گیا تھا، اس نے سوچا کہ میں کھانے میں زہر ملا دوں گا اور انھیں قتل کر کے اکیلا ہی سارا سونا لے جاؤں گا۔ چنانچہ شیطان نے جو سکھلایا تھا، اس نے وہی کیا اور جب زہر ملا کھانا لے کر واپس لوٹا تو انھوں نے اسے قتل کرنے کے بعد کھانا کھا لیا اور خود بھی سونے کے پاس ڈھیر ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کے بعد وہاں سے گزرے تو چاروں کو مرا ہوا پایا تو اپنے حواریوں کو سونے اور ان چاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: دنیا ...... دنیا داروں کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہے، سو اس سے بچ کے چلو۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دنیا سے دل لگانے سے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

1 ((فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ أَخْشیٰ عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنِّي أَخْشیٰ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ، كَمَا بُسِطَتْ عَلیٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا، فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ)) [1]

"سو اللہ کی قسم! مجھے تمھاری بابت فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ کر دی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٥٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٦١)

جائے گی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی اور تم بھی اس میں ایسے ہی سبقت کرو گے، جس طرح انھوں نے کی اور یہ دنیا تمھیں بھی ہلاک کر دے گی، جس طرح انھیں ہلاک کیا۔"

٢ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برسرِ منبر تشریف فرما ہوئے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا))[1]

"یقیناً اپنے بعد تمھارے متعلق جس چیز سے ڈرتا ہوں، وہ دنیا کی زیب و زینت ہے، جو تم پر کھول دی جائے گی۔"

٣ نیز بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خِضِرَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ))[2]

"بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور بلاشبہہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس میں یہ دیکھنے کے لیے جانشین بنانے والے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سو دنیا سے بچ جاؤ اور عورتوں سے بچ جاؤ۔"

٤ سیدنا ابو العباس سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتائیے جب میں اس پر عمل پیرا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی محبت کریں۔ فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٥٦)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٤٢)

((إِزْهَدَ فِيْ الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدُ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ، يُحِبَّكَ النَّاسُ))[1]

''دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کریں گے اور اس چیز سے بے رغبت ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے تو وہ بھی تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔''

5 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا، إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالَى، وَمَا وَالَاهُ وَعَالِماً وَمُتَعَلِّماً))[2]

''خبردار! دنیا ملعون ہے، جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور جو چیز اس سے ملائے اور عالم اور علم سیکھنے والے کے۔''

6 حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ، مَاسَقَى كَافِراً مِّنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ))[3]

---

[1] حسن. رواه ابن ماجه فی کتاب الزهد (٤١٠٢) وحسنه الألباني في السلسلة الصحيحة (٩٤٤)

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٢٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١١٦) وصححه الألباني في الصحيحة (٢٧٩٧)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٢٠) وصححه الألباني في صحيح الجامع (٥٢٩٢)

”اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتا۔“

7 سیدنا عبیداللہ بن محصن انصاری خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمْ آمِناً فِي سِرْبِهِ، مُعَافيً فِي جَسَدِهِ، عِندَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنيَا بِحَذَا فِيرِهَا))[1]

”تم میں سے جس نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے گھر میں پرامن ہو، جسم تندرست ہو اور اس کے پاس اس دن کا کھانا ہو تو وہ ایسے ہے جیسے دنیا اپنے اطراف و اکناف سمیت اس کے لیے جمع کر دی گئی ہے۔“

8 سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ))[2]

”یقیناً جو مسلمان ہوا فلاح پا گیا اور اس کا رزق کفایت کرنے والا ہو اور جو اسے ملا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ اسے قناعت عطا فرما دے۔“

دو درہم کے عوض شادی

سعید بن میبّب رحمہ اللہ علمائے تابعین میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٤٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٤١) وحسنه الألباني في السلسلة الصحيحة (٢٣١٨)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٥٤)

امیرالمومنین عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے اور ولی عہد ولید بن عبدالملک کے لیے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ وہ لڑکی عورتوں میں سب زیادہ جمال اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کا علم رکھتی تھی، لیکن سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو اس رشتے سے انکار کرتے ہوئے کوئی تردد نہ ہوا۔ عبدالملک بن مروان نے اتنا اصرار کیا کہ لوگ اسے مجنوں اور شیدائی سمجھنے لگے، علاوہ ازیں اس نے ابنِ مسیّب پر تشدد کیا اور انھیں سو کوڑوں کی سزا بھی دی۔

یہ عالمِ نبیل وجلیل مدینہ منورہ چلے آئے۔ یہاں ان کا ایک شاگرد عبداللہ بن ابی وداعہ (جسے کثیر بن ابی وداعہ بھی کہا جاتا ہے) ملنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا تو پتا چلا کہ اس کی بیوی وفات پا چکی ہے۔ فرمایا: تم نے نئی شادی نہیں کی؟ اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، مجھے کون رشتہ دے گا؟ میں دو یا تین درہموں کے علاوہ ملکیت نہیں رکھتا۔ سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تیری شادی کروں گا۔ کہا: آپ کریں گے؟ فرمایا: ہاں، تو انھوں نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی دو یا تین درہموں کے عوض کر دی۔

اس طرح سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے اس حقیر اور متقی شخص کو جس میں دین کے لحاظ سے برابری پائی جاتی تھی، اس غنی اور تونگر آدمی پر ترجیح دی جس کے پاس لوگ اپنی حاجات کے لیے آیا کرتے تھے۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ انھیں اس مفلس کے دین پر اس قدر اطمینان تھا کہ ابن ابی وداعہ خود بیان فرماتے ہیں:

’’میں کھڑا تھا، مارے خوشی کے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا تو اپنے گھر

کی طرف چلا گیا اور سوچنے لگا کہ کس سے بطور قرض کچھ رقم لوں۔ میں نے مغرب کی نماز ادا کی، گھر آیا اور دیا جلایا۔ میں روزے سے تھا، روٹی اور زیتون پر مشتمل کھانا کھانے لگا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کہا: کون ہے؟ آواز آئی: سعید! کہتے ہیں: میں نے ہر آدمی کے متعلق سوچا جس کا نام سعید تھا، سوائے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے۔ اس لیے کہ چالیس سال سے وہ گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں دیکھے ہی نہیں گئے تھے۔ میں نکلا تو وہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تھے۔ میں نے خیال کیا: شاید ان پر میری حقیقت عیاں ہوگئی ہے۔ میں نے کہا: اے ابومحمد! اگر آپ پیغام بھیج دیتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ فرمایا: نہیں، تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ تمھارے پاس آیا جائے۔ میں نے عرض کی: کیا حکم ہے؟ کہا: تو تنہا تھا میں نے تیری شادی کر دی، سو میں نے اچھا نہ سمجھا کہ اب بھی تم تنہا شب بسر کرو۔ یہ تیری بیوی ہے، وہ لڑکی ان کے پیچھے کھڑی تھی، پھر اس کے ہاتھ سے پکڑا اور دہلیز کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ حیا سے گر پڑی، پھر دروازے کے سہارے کھڑی ہوئی، تو میں اس پیالے کی طرف بڑھا جس میں روٹی اور زیتون تھا اور چراغ کے سائے میں رکھ دیا، تاکہ وہ دیکھ نہ پائے، پھر چھت پر چڑھا، پڑوسیوں کی طرف کنکری پھینکی، وہ آ گئے اور کہنے لگے: تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے آج اپنی بیٹی سے میری شادی کر دی ہے، وہ آج اسے لے آئے اور مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ انھوں نے کہا: سعید رحمہ اللہ نے تجھے رشتہ دے دیا؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: وہ گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ وہ میرے گھر میں

آئے۔ جب یہ خبر میری ماں کو پہنچی تو وہ بھی آ گئی اور فرمایا: میرا چہرہ تیرے لیے حرام ہے، اگر تم نے تین دن تک اسے چھوا، حتی کہ میں اسے سنوار نہ لوں۔ میں تین دن ٹھہرا رہا، پھر اس کے پاس گیا تو وہ عورتوں میں سے سب سے زیادہ حسین و جمیل، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حافظہ، رسول اللہ ﷺ کی سنت کا علم رکھنے والی اور خاوند کے حقوق کو پہچاننے والی تھی۔

ایک مہینا گزر گیا، سعید میرے پاس آئے نہ میں ان کے پاس گیا۔ ایک ماہ کے بعد میں ان کے پاس حاضر ہوا جب کہ وہ حلقہ حدیث میں تھے۔ میں نے سلام کہا: انھوں نے جواب دیا اور کوئی بات نہ کی حتی کہ مجلس برخواست ہو گئی، پھر پوچھا: اس انسان (میری بیوی) کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: ابو محمد! وہ خیر و عافیت سے ہے، جسے دوست پسند کرتا اور دشمن ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا: اگر اس کی طرف سے تجھے کوئی شکایت ملے تو لاٹھی پکڑ لینا، پھر میں اپنے گھر لوٹا تو انھوں نے میرے پیچھے بیس ہزار درہم بھیجے۔

عمدہ شہر اپنے رب کے حکم سے نباتات اگاتا ہے

نوح بن مریم ''مرو'' کا رئیس اور قاضی تھا جو بہت ناز و نعم کا مالک تھا، اس کی ایک ہی بیٹی تھی، جو یکتائے حسن و جمال اور بانشاط و باکمال تھی۔ ''مرو'' کے بڑے بڑے رؤسا اور اصحابِ ثروت نے نکاح کے پیغام بھیجے، لیکن رئیس نے کسی کو ہاں نہ کی۔ وہ حیران تھا کہ کس کو رشتہ دے؟ اگر فلاں سے نکاح کر دوں تو فلاں ناراض ہو جائے گا۔ وہ یہی سوچتا رہتا۔

اس کا ایک ہندی غلام تھا، جس کا نام مبارک تھا۔ نوح کا ایک پھلوں

پھولوں سے لدا گھنا باغ تھا۔ ایک دن غلام سے کہا: تم جاؤ اور باغ کی نگہداشت کرو۔ وہ چلا گیا اور دو ماہ باغ میں رہا، ایک دن مالک باغ میں آیا اور کہا: مبارک! انگور کا گچھا لاؤ۔ غلام نے انگور پکڑایا تو وہ ترش تھا۔ آقا نے کہا: اور لاؤ، اس نے ایک اور ترش گچھا پکڑا دیا، آقا نے کہا: کیا وجہ ہے کہ اتنے بڑے باغ میں تمھیں ترش ہی ملتا ہے؟ کہا: کیونکہ مجھے میٹھے اور ترش کی پہچان نہیں ہے۔ آقا نے کہا: سبحان اللہ! دو ماہ سے باغ میں رہے ہو، تمھیں میٹھے اور ترش کا پتا نہیں ہے؟ کہا: اللہ کی قسم! میں نے کبھی نہیں چکھا۔ لہٰذا میٹھے اور ترش کی پہچان نہیں رکھتا۔ کہا: تم نے کیوں نہیں کھایا؟ کہا: کیونکہ آپ نے میری ڈیوٹی باغ کی نگہداشت پر لگائی ہے نہ کہ کھانے پر۔ میں آپ کی خیانت نہیں کرسکتا تھا۔

قاضی نے اس پر تعجب کیا اور کہا: اللہ تیرے لیے امانت کو محفوظ رکھے۔ قاضی جان گیا کہ غلام بہت ذہین وفطین ہے۔ چنانچہ بولا: اے غلام: تیرے حوالے سے میرے دل میں چاہت نے انگڑائی لی ہے۔ میں جو کہوں گا امید ہے کہ تم کرو گے۔ غلام نے کہا: میں اللہ کا اطاعت گزار ہوں، پھر آپ کا۔ قاضی نے کہا: میری ایک خوبصورت لختِ جگر ہے، بہت زیادہ رئیس اور اصحابِ ثروت اس سے نکاح کے خواہش مند ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کس سے شادی کروں، تم مشورہ دو کیا کرنا چاہیے؟ غلام نے کہا: جان لیجیے کہ:

1. لوگ دورِ جاہلیت میں حسب ونسب اور خاندان کو ترجیح دیتے تھے۔
2. یہود ونصاریٰ حسن وجمال کے شیدا تھے۔
3. رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین وتقوی نکاح کا معیار سمجھا جاتا تھا۔
4. آج لوگ مال کو دیکھتے ہیں۔

اب آپ ان چار چیزوں میں جو چاہیں اختیار فرمالیں۔ قاضی نے کہا: میں نے دین وتقویٰ کو اختیار کر لیا ہے اور چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تمھارے ساتھ کر دوں، کیوں کہ میں نے تمھارے اندر دین و خیر خواہی پائی ہے اورتقویٰ وامانت کا تجربہ کیا ہے۔ غلام نے کہا: اے آقا! میں ایک غلام ہوں، آپ نے مجھے اپنے مال سے خریدا، اب آپ اپنی بیٹی سے میری شادی کیسے کر رہے ہیں اور میرا انتخاب ہی کیوں کر رہے ہیں؟ قاضی نے کہا: ہمارے ساتھ گھر چلو، وہیں سوچ بچار کرتے ہیں۔ جب وہ گھر پہنچے تو قاضی نے اپنی بیوی سے کہا: یہ ہندی غلام بڑا دین پسند اورمتقی ہے، میں اس کی خیر خواہی چاہتا ہوں اور اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔تم کیا چاہتی ہو؟ اس نے کہا: معاملہ آپ کے سپرد ہے،لیکن میں جاتی ہوں اور بیٹی کو بتلاتی ہوں اور اس کا جواب آپ کو سناتی ہوں۔ ماں بیٹی کے پاس گئی اور باپ کا پیغام پہنچایا،تو وہ گویا ہوئی: آپ جو حکم دیں گے، میں کر گزروں گی، اللہ تعالیٰ اور آپ دونوں کے حکم سے باہرنہیں نکلوں گی، نیز آپ کی مخالفت کر کے نافرمانی کا ارتکاب نہیں کروں گی۔

چنانچہ قاضی نے اپنی بیٹی کا نکاح مبارک سے کر دیا اور انھیں بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا، اس مبارک شادی کا ثمرہ عبداللہ بن مبارک تھے، جو صاحبِ علم و زہد اور راویِ حدیث تھے۔ جب تک دنیا باقی رہے گی، حدیث ان کی سند سے بیان کی جاتی رہے گی۔

بھنور...... جو وزن میں سونے کے برابر تھا

سلف صالحین میں سے کوئی ایک کسی کھیت میں داخل ہوا۔ وہ بھوک اور

تکان کو شدت سے محسوس کر رہے تھے، دل نے مجبور کیا کہ وہاں سے کچھ کھا لیں۔ معدہ بھوک سے گڑگڑا رہا تھا، درختوں کی طرف نظر دوڑائی تو ایک سیب نظر آیا، ہاتھ بڑھایا اور آدھا سیب اللہ تعالیٰ کی حفظ و رعایت کے ساتھ کھا لیا، پھر کھیتی کے پہلو میں بہنے والی نہر سے پانی پیا، لیکن بھوک کے سبب پیدا ہونے والی غفلت سے جلد ہی بیدار ہو گئے اور دل ہی دل میں کہا: تجھ پر افسوس! دوسرے کا پھل بغیر اجازت کھا گئے؟ پھر قسم اٹھائی اس وقت تک یہاں سے کوچ نہیں کروں گا، جب تک کھیتی کے مالک کو نہ ملوں اور اس سے یہ نہ کہوں کہ جو میں نے اس کی کھیتی سے کھایا ہے، اسے میرے لیے حلال قرار دے۔ اس نے مالک کی تلاش شروع کر دی، حتی کہ اس کا گھر معلوم کر لیا، دروازے پر دستک دی۔ جب کھیتی کا مالک نکلا تو اس نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے کہا: نہر کے قریب میں آپ کے باغ میں داخل ہوا تو یہ سیب میں نے اتارا اور آدھا کھا لیا، پھر یاد آیا کہ یہ میرا نہیں ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا عذر قبول فرمائیں اور میری یہ غلطی معاف فرما دیں۔

اس آدمی نے کہا: میں تجھے معاف نہیں کروں گا اور نہ اجازت دوں گا مگر ایک شرط کے ساتھ۔ انھوں نے کہا: (ان نام ثابت بن نعمان تھا) وہ شرط کیا ہے؟ کھیتی والے نے کہا: تم میری بیٹی سے شادی کر لو۔ ثابت نے کہا: میں اس سے شادی کروں! آدمی نے کہا: لیکن واضح رہے کہ میری بیٹی اندھی ہے، کچھ نہیں دیکھتی، گونگی ہے، کچھ نہیں بولتی اور بہری ہے کچھ نہیں سنتی۔ ثابت بن نعمان گہری سوچ و بچار میں چلے گئے: اب کیا کیا جائے؟ پھر سوچا کہ ایسی عورت کی خدمت

اور تربیت کی آزمائش و ابتلا جہنم کی پیپ سے بہتر ہے، جو سیب کھانے کی پاداش میں ملے گی، دنیا اور ایامِ دنیا چند گنتی کے ہیں، سو اس نے بادلِ نخواستہ شادی کا بندھن قبول کرلیا اور ارادہ محض رضائے الٰہی تھا۔

وہ سہاگ رات میں اپنی بیوی کے پاس آئے درآنحالیکہ ان پر غموم و ہموم چھائے ہوئے تھے کہ ایسی عورت کے پاس کیسے جاؤں جو بات کر سکتی ہے، دیکھ سکتی ہے اور نہ سن سکتی ہے۔ ان کی حالت بڑی پریشان کن تھی، حتی کہ کہا: ''لا حول ولا قوة إلا بالله، إنا لله وإنا إليه راجعون'' اور اپنی بیوی کے پاس گئے، اچانک وہ ان کی طرف کھڑی ہوئی اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جب اسے دیکھا تو جنت کی موٹی آنکھوں والی حوریں یاد آ گئیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: یہ کیا؟ یہ تو بات کرتی، سنتی اور دیکھتی ہے، پھر انھوں نے اسے بتلایا کہ اس کے باپ نے اس کے متعلق کیا کہا تھا؟ وہ بولی: میرے باپ نے سچ کہا تھا، جھوٹ نہیں بولا۔ کہا: اصل بات بتاؤ۔ اس نے کہا: میرے باپ نے میری بابت کہا: میں گونگی ہوں، کیوں کہ میں نے کبھی حرام بات نہیں کی، نہ کسی ایسے مرد سے بات کی ہے جو میرے لیے حلال نہیں اور میں بہری ہوں کہ کبھی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھی، جس میں غیبت، چغلی اور لغویات ہوں اور میں اندھی ہوں، کیونکہ میں نے کبھی ایسے مرد کو نہیں دیکھا جو میرے لیے حلال نہیں۔

سو آپ غور کریں اس متقی آدمی اور پرہیزگار عورت کے احوال پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کیسے اکٹھا فرما دیا؟

اے غلام! اپنے باغ کی طرف بے خوف وخطر لوٹ جاؤ

ایک بادشاہ نے، جبکہ وہ اپنے محل کی چھت پر تھا، جھانک کر دیکھا تو اسے ایک گھر کی چھت پر نہایت حسین وجمیل عورت دکھائی دی۔ بادشاہ نے اپنی لونڈی سے پوچھا: یہ کس کی بیوی ہے؟ اس نے بتلایا: یہ آپ کے غلام کی بیوی ہے۔ وہ عورت بادشاہ کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ بادشاہ نیچے اترا، غلام کو پیغام بھیجا، تو وہ حاضر ہو گیا اور بولا: حکم فرمایئے۔ بادشاہ: یہ خط لو اور فلاں شہر کی طرف روانہ ہو جاؤ، اس کا جواب لا کر مجھے دینا۔ غلام نے خط تھاما، گھر کی طرف پلٹا، خط تکیے کے نیچے رکھ دیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو اپنے گھر والوں کو الوداع کہا اور بادشاہ کی ضرورت کے راستے پر چل پڑا، اسے بادشاہ کی تدبیر اور سوچ کا کوئی علم نہ تھا۔

بادشاہ غلام کے گھر کی طرف آیا، آہستہ سے دروازے پر دستک دی تو غلام کی بیوی نے کہا: ہم اپنے محسن کو آج یہاں دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: میں ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا: میں اس ملاقات سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور اس میں خیر معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ نے کہا: تجھ پر افسوس! میں بادشاہ ہوں، تیرے خاوند کا آقا اور تیرا بھی، میرا خیال تھا کہ تم مجھے پہچان نہ پاؤ گی۔ وہ بولی: میرے آقا میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، لیکن پہلے لوگ آپ سے اسی بات میں سبقت لے گئے ہیں: ؎

عنقریب میں تمھارا پانی چھوڑ دوں گا بغیر وارد ہونے کے
اس لیے کہ اس میں وارد ہونے والوں کی بہتات ہے

اگر کھانے میں مکھی گر جائے تو میں اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہوں
حالانکہ میرا دل اس کی تمنا کر رہا ہوتا ہے
شیر اس پانی میں وارد ہونے سے اجتناب کرتا ہے
جب کتے اس میں منہ ڈال چکے ہوتے ہوں

پھر گویا ہوئی: اے بادشاہ سلامت! آپ ایسی جگہ آ گئے ہیں، جہاں آپ کا کتا پی چکا ہے۔ بادشاہ اس کی بات سے شرمسار ہو گیا اور اسے چھوڑ کر باہر نکل آیا، دریں اثنا اپنے جوتے بھی گھر میں بھول گیا۔

غلام جب سفر پر روانہ ہو چکا تو چلتے ہوئے معلوم ہوا کہ خط تو اس کے پاس موجود ہی نہیں، اسے یاد آیا کہ وہ خط اپنے تکیے کے نیچے بھول گیا ہے، سو وہ اپنے گھر کی طرف لوٹا اور یہ وہ وقت تھا کہ بادشاہ ابھی اس کے گھر سے نکلا ہی تھا۔ گھر کی دہلیز پر بادشاہ کے جوتے دیکھے تو اس کی عقل جواب دے گئی، وہ جان گیا کہ بادشاہ نے اسے سفر پر کس مقصد کے لیے بھیجا تھا۔

وہ خاموش رہا، کچھ نہ بولا، خط لیا اور بادشاہ کے کام پر چلا گیا۔ کام پورا کیا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ بادشاہ نے ایک سو دینار انعام دیے تو وہ بازار گیا اور عورتوں کی پسند کا سامان خریدا، عمدہ گفٹ سجایا اور گھر آ کر اپنی بیوی کو پیش کیا، ساتھ ہی کہا: اپنے میکے چلی جاؤ، وہ بولی: کیوں؟ کہا: بادشاہ نے مجھے انعام دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے گھر والوں کو بتلاؤ، وہ کھڑی ہوئی اور اپنے باپ کے گھر چلی گئی، وہ اسے اور تحائف کو دیکھ کر بہت شاداں وفرحاں ہوئے۔ ایک مہینا گزر گیا، اس کے خاوند نے اس کے متعلق پوچھا اور نہ اس کا ذکر ہی کیا۔

بیوی کا بھائی اس کے پاس آیا اور بولا: یا تو اپنے غصے کا سبب بتا دو یا ہم بادشاہ کے پاس فیصلہ لے جاتے ہیں۔ فیروز نے کہا: اگر تم فیصلہ کروانا چاہتے ہو تو شوق سے کرواؤ، میرے ذمے اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ سو انھوں نے سمن بھیج دیے اور وہ قاضی کے پاس آ گیا۔

قاضی اس وقت بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا۔ غلام کی بیوی کے بھائی نے کہا: قاضی صاحب! میں نے اسے اجرت پر باغ دیا تھا، جس کی دیواریں صحیح سالم اور اس میں بہتے ہوئے پانی کا کنواں تھا، ثمر آور درخت بھی تھے، اس نے پھل کھا لیے، دیوار گرا دی اور کنویں کو خراب کر دیا۔ قاضی غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: فیروز! تم کیا کہتے ہو؟ وہ بولا: میں نے باغ قبول کیا اور اس سے بھی اچھی حالت میں واپس کر دیا۔ قاضی نے پوچھا: کیا باغ اس طرح سپرد کیا جیسا کہ تھا؟ بھائی نے کہا: ہاں، لیکن کس سبب سے اس نے واپس کیا؟ وہ جاننا چاہتا ہوں۔

قاضی نے کہا: فیروز تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: جنابِ والا! میں نے کراہت کے سبب باغ واپس نہیں کیا۔ میں کئی دن بعد آیا تھا تو اس میں شیر کے قدموں کے نشانات (بادشاہ کے جوتے) تھے، میں ڈرا کہ شیر کہیں مجھ پر حملہ آور نہ ہو جائے، سو شیر کے اکرام میں میں نے باغ میں جانا حرام سمجھ لیا۔ بادشاہ ٹیک لگائے ہوئے تھا کہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا: اے غلام! بے خوف وخطر باغ میں واپس چلے جاؤ، اللہ کی قسم! شیر باغ میں داخل ہوا، لیکن اثر انداز نہ ہوا، کوئی پتا، پھل اور کوئی چیز نہیں چھوئی، محض لمحہ بھر کے لیے وہاں ٹھہرا اور بغیر کچھ کیے نکل آیا۔ اللہ کی قسم! شیر نے تیرے باغ جیسا اور کوئی باغ دیکھا نہ اس کی چار دیواری

کی درختوں پر حفاظت کی سی عمدگی دیکھی ہے۔ سو غلام گھر کی طرف پلٹ آیا اور اس کی بیوی اس کے سپرد کر دی گئی، اصل واقعہ کا قاضی کو علم ہوا نہ کسی اور کو۔

بہتر بدلہ

قاضی ابو بکر بن عبدالباقی بن محمد بزارانصاری رحمہ اللہ (وفات:۵۳۵ھ) نے بغداد میں بیان کیا کہ میں مکہ مکرمہ (اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے) میں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک دن مجھے سخت بھوک لگ گئی، لیکن کھانے کو کچھ نہ تھا۔ مجھے راستے میں ایک ریشم کی تھیلی ملی، جو ریشم کے تسمے سے بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے پکڑا اور گھر لے آیا، جب اسے کھولا تو اس میں موتیوں کا قیمتی ہار تھا، جس جیسا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں گھر سے باہر نکلا تو اچانک ایک بوڑھا شخص اعلان کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی جس میں پانچ سو دینار تھے، وہ کہہ رہا تھا: جو موتیوں کے ہار والی تھیلی مجھ تک پہنچائے گا، یہ دینار اس کے ہیں۔

میں نے سوچا میں محتاج ہوں، بھوکا ہوں، یہ سونا حاصل کر کے فائدہ اٹھاتا ہوں اور تھیلی اسے لوٹا دیتا ہوں۔ سو میں نے کہا: میرے پاس آؤ۔ میں نے اسے ساتھ لیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اس نے مجھے تھیلی اور تسمے کی نشانی بتائی، پھر موتیوں اور ان کی تعداد کے متعلق بھی بتلایا، نیز اس دھاگے کے بارے میں جس سے وہ بندھی ہوئی تھی، میں نے تھیلی نکالی اور اس کے سپرد کر دی، اس نے مجھے پانچ سو دینار دینے چاہے، لیکن میں نے انکار کر دیا اور کہا: میرا فرض تھا کہ میں تمھاری تھیلی تم تک پہنچاتا، سو اس کا صلہ نہیں لوں گا۔ وہ بولا: تم ضرور لو، اس نے بہت اصرار کیا، لیکن میں انکار ہی کرتا رہا، سو وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

پھر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں مکہ سے نکلا اور بحری بیڑے پر سوار ہو گیا، بیڑا تباہ ہو گیا، لوگ غرق ہو گئے اور مال برباد ہو گئے۔ میں بیڑے کے ایک ٹکڑے پر سلامت رہ گیا۔ ایک رات سمندر میں رہا، کچھ معلوم نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں، چنانچہ ایک جزیرے تک پہنچ گیا، جہاں ایک قوم آباد تھی۔ میں ایک مسجد میں پناہ گزیں ہو گیا، انھوں نے مجھے قرآن پڑھتے ہوئے سن لیا، جزیرے میں جتنے بھی لوگ تھے، سب نے سمٹ کر میرے پاس اژدحام کر دیا اور کہا: ہمیں قرآن سکھلایئے، ان لوگوں سے مجھے بہت مال حاصل ہو گیا، پھر میں نے اس مسجد میں مصحف کے چند اوراق دیکھے، انھیں پکڑا اور پڑھنا شروع کر دیا، انھوں نے کہا: تم اچھا لکھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہا: ہمیں لکھنا سکھلا دو۔ سو وہ اپنے بچوں اور نوجوانوں کو لے آئے، میں ان میں سے سب سے زیادہ علم والا تھا تو اس طرح بھی میرے پاس مال کافی آ گیا۔ اس کے بعد وہ مجھے کہنے لگے: ہمارے پاس ایک یتیم لڑکی ہے، اس کی ملکیت میں دنیاوی مال واسباب ہیں، ہم چاہتے ہیں آپ کی شادی کر دیں، میں رکا رہا، انھوں نے کہا: شادی ضرور کیجیے، انھوں نے مجھے مجبور کیا تو میں مان گیا۔

جب انھوں نے لڑکی رخصت کی تو میں نظریں پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا، کیونکہ بعینہ وہ موتیوں والا ہار اس کی گردن میں تھا۔ مجھے اس ہار کی طرف دیکھنے کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا۔ وہ کہنے لگے: شیخ صاحب! آپ بس ہار کو دیکھے جا رہے ہیں، یتیم لڑکی کو دیکھ ہی نہیں رہے۔ آپ نے اس کا دل توڑ دیا ہے۔ جب میں نے ہار والا واقعہ سنایا تو سب نے مل کر خوب زور

سے لا إله إلّا الله اور الله أكبر کہا۔ ان کی آواز پورے جزیرے میں پھیل گئی تو میں نے کہا: تمھیں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے: وہ بوڑھا آدمی جس نے تجھ سے یہ ہار لیا تھا، اسی لڑکی کا باپ تھا اور کہا کرتا تھا: میں نے دنیا میں اس آدمی سے زیادہ متقی مسلمان نہیں دیکھا، جس نے یہ ہار مجھے واپس کیا تھا اور وہ دعا کیا کرتا تھا: الٰہی! مجھے اور اسے اکٹھا فرما دے، تاکہ اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دوں اور اب یہ کام ہو چکا ہے۔ چنانچہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ایک مدت تک رہا اور دو بچے پیدا ہوئے، پھر وہ فوت ہو گئی اور بطور وراثت وہ ہار مجھے اور میرے دو بچوں کو مل گیا، پھر دونوں بچے بھی وفات پا گئے اور وہ ہار میرے پاس ہی رہ گیا، میں نے اسے ایک لاکھ دینار میں فروخت کر دیا اور یہ مال جو تم میرے پاس دیکھ رہے ہو، اسی کا باقی ماندہ ہے۔

اچھے کام بری موت سے بچا لیتے ہیں

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ تَقِي مَصَارِعَ السُّوْءِ، وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِيءُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ))[1]

”نیک کام بری موت سے بچا لیتے ہیں، پوشیدہ صدقہ رب کے غضب کو مٹا دیتا ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی اور اس کی بیوی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، ان کے سامنے بھنی ہوئی مرغی تھی۔ ایک سائل دروازے پر آیا تو وہ آدمی باہر

[1] صحيح الجامع (٣٧٩٧)

نکلا، اسے ڈانٹا اور بھگا دیا۔ دن بدلے، یہ آدمی مفلس و قلاش ہو گیا اور نعمتیں ختم ہو گئیں، حتی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس عورت نے بعد میں ایک بوڑھے آدمی سے شادی کر لی۔ وہ ایک دن اس کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور ان کے سامنے بھی بھنی ہوئی مرغی تھی۔ اچانک ایک سائل نے دستک دی، اس نے بیوی سے کہا: سائل کو یہ مرغی دے آؤ۔ وہ باہر آئی تو دیکھا کہ وہ اس کا پہلا خاوند تھا، اسے مرغی پکڑائی اور روتے ہوئے واپس خاوند کے پاس آئی۔ خاوند نے رونے کا سبب پوچھا تو بتلانے لگی کہ سائل اس کا پہلا خاوند تھا اور سارا قصہ کہہ سنایا، جب اس نے سوالی کو ڈانٹا تھا اور دروازے سے دھتکار دیا تھا، اس کے خاوند نے کہا: تو کس بات سے تعجب کرتی ہے۔ اللہ کی قسم! وہ پہلا سوالی میں ہی تو ہوں۔

میرے پیارے بھائی! غور کر! کیسے آدمی نے جب ایک سائل کو ڈانٹا اور دھتکارا تو بعد میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا؟ اگر اس نے سوالی کو نرمی اور مہربانی سے لوٹایا ہوتا یا کوئی معمولی چیز ہی دی ہوتی تو شاید معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔

عورتیں تین طرح کی ہوتی ہیں

ابن حبیب نے بیان کیا کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی، اس وقت تک شادی نہیں کرے گا، جب تک ایک سو آدمیوں سے مشورہ نہ کر لے، اس لیے کہ اسے عورتوں کے متعلق سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا، سو اس نے ننانوے آدمیوں سے مشورہ کر لیا اور ایک باقی رہ گیا۔ وہ نکلا کہ جو ملے گا، اسی سے استفسار کروں گا، اسے ایک مجنوں ملا، جو ہڈیوں کا ہار پہنے ہوئے اور چہرہ سیاہ کیے ہوئے تھا۔ وہ ایک درخت کے تنے پر بیٹھا تھا، جیسا کہ گھوڑے پر بیٹھا ہو، اس نے اسے

سلام کہا اور بولا: میں ایک مسئلے میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ تم جواب دو گے؟ اس نے کہا: جو مطلوب ہے، وہ پوچھو اور فضول بات مت کرنا۔ وہ بولا: میں ایسا آدمی ہوں جسے عورتوں کے حوالے سے بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ تو میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک سو آدمیوں سے مشورہ نہیں کروں گا، شادی نہیں کروں گا، تجھ پر سو پورے ہو رہے ہیں، تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: جان لو! عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں:

① ایک وہ جو صرف تیری ہے۔

② دوسری وہ جو تیری دشمن ہے۔

③ تیسری وہ جو تیری دوست ہے نہ تیری دشمن۔

جو صرف تیری ہے، وہ خوبصورت دوشیزہ ہے، جسے تجھ سے پہلے مردوں سے سابقہ نہیں پڑا۔ اگر خیر و بھلائی دیکھتی ہے تو تعریف کرتی ہے اور اگر برائی دیکھتی ہے تو پردہ پوشی کرتی ہے۔

جو دشمن ہے وہ ایسی ہے جس کی دوسرے مرد سے بھی اولاد ہے، وہ تیرا مال لوٹ کر اپنے بچے کو دے گی اور تو جو معاملہ بھی کرے گا، اس کی قدر نہیں کرے گی۔

جو دوست ہے نہ دشمن ہے، جس کی پہلے شادی ہوئی تھی، اگر خیر دیکھے گی تو کہے گی: ہم یہی چاہتے تھے اور اگر شر دیکھے گی تو پہلے خاوند کی طرف مائل ہو گی۔

یہی عورتوں کے حالات ہیں، جو میں نے کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ انھیں ذہن نشین کر لے، اگر تو چاہے تو شادی کر لے اور ان میں سے بہترین کا انتخاب کر، اگر نہیں تو نہیں۔ اس نے کہا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں! بتلاؤ تم

کون ہو؟ سو کو پورا کرنے والا بولا: کیا میں نے شرط نہیں لگائی تھی کہ تم لا یعنی سوال نہیں کرو گے؟

شادی کی رات گراں قدر وصیت

عمرو بن حجر نے عوف بن محکم شیبانی کی طرف اس کی بیٹی ام ایاس کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تو عوف نے کہا: ہاں میں اس شرط پر شادی کروں گا کہ اس کے بیٹے کا نام خود رکھوں گا اور اس کی بیٹیوں کی شادی بھی کروں گا۔ عمرو بن حجر نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کے نام اپنے آبا و اجداد اور چچاؤں کے نام پر رکھتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں ان کے ہم پلہ بادشاہوں سے کرتے ہیں، البتہ میں حق مہر میں اسے کندہ میں جاگیر دوں گا اور اس کی قوم کی حاجات اس کے سپرد کر دوں گا کہ کوئی بھی ضرورت مند خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ اس کے باپ نے قبول کر لیا اور اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی، جب اس کی رخصتی کا وقت آیا تو اس کی ماں اسے تنہائی میں لے گئی اور گویا ہوئی:

پیاری بیٹی! تم اس گھر اور گھونسلے کو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جا رہی ہو، جسے تم پہچانتی نہیں اور ایسے ساتھی کی جانب جس سے تم مانوس نہیں، سو اس کی باندی بن جانا، وہ تمھارا غلام بن جائے گا، اس کے حقوق کے متعلق دس باتیں پلے باندھ لو، تیرے لیے ذخیرہ بن جائیں گی:

1. قناعت سے اس کے آگے جھک جانا۔
2. عمدگی سے سننا اور اطاعت کرنا۔
3. اس کی آنکھ اور ناک کی جگہوں کی نگہداشت کرنا۔

④ اس کی آنکھ تیری قباحت نہ دیکھے اور نہ وہ عمدہ خوشبو کے علاوہ کچھ سونگھے۔

⑤ اس کی نیند کا خیال رکھنا، کیونکہ نیند کی کمی غضب ناک کرنے والی ہوتی ہے۔

⑥ اس کی بھوک کی حرارت کا خیال رکھنا، کیونکہ یہ شعلہ زن ہوتی ہے۔

⑦ اس کے مال کی حفاظت کرنا۔

⑧ اس کے رشتے داروں اور اہل وعیال کی نگہداشت رکھنا۔ مال کے متعلق بنیادی امر یہ ہے کہ اچھا اندازہ لگانا اور اہل وعیال میں حسنِ تدبیر سے کام لینا۔

⑨ قطعاً اس کی حکم عدولی کرنا نہ کبھی اس کا راز افشا کرنا۔ اگر تو نے اس کے حکم کی مخالفت کی تو اس کے سینے میں غصے کی آگ بھڑکائے گی اور اگر اس کا راز فاش کیا تو اس کے دھوکے سے بے خوف نہیں ہو پاؤ گی۔

⑩ اگر وہ مغموم و پریشان ہو تو اس کے سامنے فرحت ومسرت کا اظہار مت کرنا اور اگر وہ خوش وخرم ہو تو اس کے سامنے ناراضی کا انداز اختیار نہ کرنا۔

اس عورت سے الحارث بن عمرو، امرء القیس شاعر کا دادا پیدا ہوا۔

دنیا پانی کے گھونٹ کے برابر بھی نہیں

ایک دفعہ ہارون الرشید نے پانی منگوایا اور جب وہ پینے لگا تو ابنِ سماک رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین ٹھہریے! اگر آپ کو پینے سے روک دیا جائے تو کتنے میں یہ خریدتے؟ کہا: اپنی آدھی بادشاہت کے بدلے۔ فرمایا: پی لیجیے۔ جب پی چکے تو فرمایا: اگر یہ بدن ہی میں روک دیا جائے تو کتنے میں خارج کروائیں گے؟ کہا: ساری بادشاہت کے بدلے۔ ابنِ سماک نے فرمایا: وہ بادشاہت جو پانی کے ایک گھونٹ اور پیشاب کے خروج کے برابر نہیں، اس میں مقابلہ بازی مناسب نہیں ہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت

زید بن اسلم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنایا، وہاں کے لوگوں نے انھیں ناپسند کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا، پھر انھیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں امیر المومنین انھیں دوبارہ نہ بھیج دیں، سو ان کے ایک سردار نے کہا: ایک لاکھ درہم جمع کرو، جو میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤں اور ان سے کہوں: مغیرہ نے یہ خیانت کر کے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے جمع کر دیے اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: مغیرہ (رضی اللہ عنہ) نے یہ خیانت کر کے میرے پاس محفوظ کیے ہوئے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو طلب کر لیا اور پوچھا: یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انھوں نے کہا: اس نے جھوٹ بولا ہے، وہ دو لاکھ درہم تھے! انھوں نے کہا: تمھیں اس پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ فرمایا: اہل و عیال اور ضرورت مندی نے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سردار سے کہا: اب تم کیا کہتے ہو؟ کہا: اللہ کی قسم! میں سچ سچ بتلاتا ہوں۔ بخدا! اس نے مجھے کوئی درہم نہیں دیے، تھوڑے نہ زیادہ۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنابِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے یہ سب کیوں کہا؟ عرض کی: اس خبیث نے مجھ پر جھوٹ باندھا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے رسوا کروں۔

جو ٹانگ پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا

سلطان عبدالعزیز مصر تشریف لائے اور جامع ازہر میں گئے تو آپ کے

ساتھ وائسرائے اسماعیل بھی تھا، وائسرائے نے شیخ الجامعہ کو دیکھا تو محسوس کیا کہ انھوں نے ان کے آنے پر کوئی خاص اہتمام کیا ہے نہ پروٹوکول دیا ہے، بلکہ کمر سے ٹیک لگائے ٹانگیں دراز کیے بیٹھے ہیں۔ وائسرائے سلطان سے آگے بڑھا، پھر شیخ کی جانب ایک آدمی دوڑایا اور روپوں کی ایک تھیلی بھی دی۔ مقصد یہ تھا کہ شیخ تھیلی وصول کریں گے اور اپنی حالت سدھار کے مودبانہ انداز میں بیٹھ جائیں گے۔ لیکن جب ایلچی شیخ کے پاس آیا اور تھیلی پکڑانی چاہی تو شیخ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: جس نے تجھے بھیجا ہے، اسے جا کر پیغام سنا دینا، جو اپنی ٹانگیں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ ؎

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خارجیوں کو لاجواب کر دیا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب خوارج علاحدہ ہوگئے اور انھوں نے مقامِ حروراء کو اپنا مسکن بنا لیا تو میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عرض پرداز ہوا: اے امیر المومنین! نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کیجیے، تاکہ میں ان لوگوں کے پاس جا کر بات چیت کروں، فرمایا: میں انھیں تمھارے لیے خطرہ سمجھتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا، چنانچہ میں نے خوبصورت یمنی لباس زیب تن کیا اور ان کے پاس گیا تو وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ میں ایسی قوم میں تھا جن سے زیادہ جفاکش لوگ میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے، ان کے ہاتھ ایسے تھے گویا وہ اونٹوں کی حدی خوانی کر رہے ہیں۔ ان کے

چہروں سے سجدوں کے نشانات ہویدا تھے۔

فرماتے ہیں: میں ان کے پاس آیا تو وہ بولے: خوش آمدید! ابنِ عباس کیسے آنا ہوا؟ کہا: میں تمھارے پاس اصحابِ رسول ﷺ کے متعلق گفتگو کرنے آیا ہوں۔ وحی نازل ہوئی تو اس کی تفسیر کو وہی جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا: اس کے ساتھ کلام نہ کرو اور بعض نے کہا: اس کے ساتھ ضرور بات کرنی چاہیے۔ فرماتے ہیں: میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد، داماد اور آپ ﷺ پر سب ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟ وہ بولے: ہمیں ان پر تین اعتراضات ہیں: میں نے کہا: وہ کیا ہیں؟

بولے: پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حاکم بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [یوسف: ٤٠]

''حکم تو صرف اللہ کے لیے ہے۔''

میں نے کہا: دوسرا اعترض پیش کرو۔ وہ بولے: اس نے جنگ کی ہے۔ لیکن قیدی بنائے نہ مالِ غنیمت لوٹا۔ اگر مدِ مقابل کافر ہے تو اس کے لیے ان کے اموال حلال تھے اور اگر مسلمان تھے تو ان کے خون حرام تھے۔ میں نے کہا: تیسرا اعترض کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: اس نے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنا ترک کر دیا ہے، اگر وہ مومنوں کا امیر نہیں ہے تو پھر کافروں کا امیر ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اگر میں تمھارے سامنے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ایسے ٹھوس دلائل بیان کروں، جن

کا تم انکار نہ کر سکو تو تم اپنی بات سے رجوع کر لو گے؟ کہنے لگے: جی ہاں کیوں نہیں، ضرور پیش کیجیے۔

میں نے کہا: تمھارا کہنا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین میں لوگوں کو ثالث بنایا ہے تو سنو اللہ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ﴾ [المائدة: ۹۰]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کیا اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔"

نیز میاں بیوی کے متعلق فرمایا:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [النساء: ٣٥]

''اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔''

میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، بتلاؤ کہ لوگوں کو ان کے خون بہانے، جانیں مارنے اور آپس کی صلح و صفائی میں ثالث بنانا زیادہ قرینِ قیاس ہے یا ایک خرگوش کے متعلق جس کی قیمت صرف چار درہم ہے؟ وہ بولے، بخدا! لوگوں کے خونوں اور آپس کی صلح جوئی میں۔ فرمایا: کیا میں اس اعتراض سے نکل گیا ہوں؟ کہنے لگے، جی ہاں۔

تمھارا دوسرا اعتراض کہ علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، لیکن قیدی بنائے اور نہ مالِ غنیمت لوٹا تو بتاؤ کیا تم اپنی ماں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کو قیدی بنانا چاہتے ہو؟ کیا تم ان سے وہ کچھ حلال سمجھتے ہو جو ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے سمجھتے ہو تو تم کافر ہو جاؤ گے اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ٦]

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

سو تم دو گمراہیوں کے درمیان متردد ہو، ان میں سے جو چاہو پسند کر لو۔ کیا میں اس اعتراض سے بھی نکل گیا ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، فرمایا: رہا تمھارا کہنا

کہ انھوں نے اپنے نام سے امیر المومنین مٹا دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو حدیبیہ والے دن شرائط تحریر کرنے کے لیے بلایا تھا اور فرمایا:

((أُكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضىٰ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ))

''لکھو! یہ وہ عہد ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے۔''

تو مشرکین کہنے لگے! اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے قتال کرتے، لیکن محمد بن عبداللہ لکھو تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُوْنِي أُكْتُبْ يَا عَلي! مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ))

''اللہ کی قسم! بلاشبہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، اگرچہ تم میری تکذیب کرو۔ علی! لکھو: محمد بن عبداللہ۔''

رسول اللہ ﷺ تو علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تھے۔ کیا میں اس اعتراض سے بھی نکل گیا ہوں؟ وہ بولے: ہاں۔ پھر ان خوارج میں سے بیس ہزار واپس لوٹ آئے اور باقی چار ہزار رہ گئے جو قتل کر دیے گئے۔[1]

ادب باعثِ نجات ہے

ایک ایرانی بادشاہ کے باورچی نے کھانا اس کے قریب رکھا تو بادشاہ پر سالن کا دھبّا لگ گیا۔ بادشاہ باورچی سے بد دل ہو گیا جو کہ اس کی موت کا عندیہ تھا۔ باورچی نے برتن پکڑا اور انڈیل کر دسترخوان اور بادشاہ پر گرا دیا۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (١٠٥٩٨) حلية الأولیا لأبي نعيم (١/٣١٨-٣٢٠)

بادشاہ نے کہا: تو نے ایسا کیوں کیا، حالاں کہ تجھے معلوم ہے کہ محض ایک دھبّے کا گرنا تیرے قتل کے لیے کافی تھا۔ باورچی نے کہا: میں نے اس بات سے عار محسوس کی کہ لوگ جب سنیں گے کہ بادشاہ نے میرا قتل لازم اور خون مباح قرار دیا ہے درآنحالیکہ پرانا خدمت گار اور اس کے حرم کا ملازم ہوں اور گناہ صرف ایک سالن کا دھبّا ہے جو غلطی سے میرے ہاتھ سے گر گیا تو میں نے چاہا کے میرا جرم بڑا ہو جائے، تاکہ بادشاہ سلامت کی طرف سے میرا قتل کرنا مناسب ہو اور وہ معذور سمجھے جائیں۔ میرے کام جیسا کام کس نے کیا ہے؟ تو بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اور اسے انعام دینے کا حکم صادر کیا۔

میں وہ شخص ہوں جو تجھے پہچانتا ہے

مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے مہلب بن ابی صُفرہ کی طرف دیکھا، اس لیے کہ وہ خوبصورت لباس زیبِ تن کیے ہوئے اسے گھسیٹتا ہوا متکبرانہ چال چل رہا تھا۔ مطرف نے کہا: ابوعبداللہ! اللہ اور رسول ﷺ کو ناراض کرنے والی یہ کیسی چال ہے؟ مہلب بولا: تو مجھے پہچانتا نہیں؟ انھوں نے کہا: میں تجھے پہچانتا ہوں۔ تیری ابتدا ایک گندہ نطفہ اور انتہا بدبودار مردار ہے، اس دوران میں تیرے اندر بول براز بھرا رہتا ہے۔ ابنِ عوف نے اس کلام کو لے لیا اور شعر کی صورت یوں گویا ہوا:

اپنی شکل وصورت پر تکبر کرنے والے پر میں نے تعجب کیا
اور وہ گزشتہ سن گندہ نطفہ تھا

اور صبح کے وقت اپنی صورت کے حسن و جمال کے بعد
وہ لحد (قبر) میں بدبودار مردار کی صورت چلا گیا
وہ اپنی نخوت و تکبر کے باوجود
اپنے دو کپڑوں کے درمیان گندگی اٹھائے پھرتا ہے

برے فہم کا برا نتیجہ

خارجی اپنے علاقے میں اگر کسی مسلمان کو اپنے اعتقاد کے برخلاف دیکھ لیتے تو اسے قتل کر دیتے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک کافر ہوتا اور اگر کوئی نصرانی مل جاتا تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرتے اور کہتے: اپنے نبی ﷺ کا دیا ہوا عہد یاد رکھو۔

واصل بن عطا ایک قافلے میں آیا تو اس کا سامنا خارجیوں سے ہو گیا، واصل نے اہلِ قافلہ سے کہا: یہ تمھارا کام نہیں ہے، میں علاحدگی میں خود ہی ان سے بات چیت کرتا ہوں۔ حالت یہ تھی کہ وہ قافلہ خوارج کے ہاتھوں قتل ہوا ہی چاہتا تھا، واصل ان سے ملے تو انھوں نے کہا: تو اور تیرے ساتھی کون ہو؟ کہا: مشرک لوگ ہیں، تم سے پناہ کے خواہاں ہیں، تاکہ اللہ کا کلام (قرآن) سن سکیں اور اس کی حدود پہچان سکیں، انھوں نے کہا: ہم نے تمھیں پناہ دی۔ کہا: ہمیں سکھلاؤ، سو وہ انھیں اپنے احکامات سمجھانے لگے اور واصل کہہ رہے تھے: بلاشبہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے قبول کر لیا ہے۔ وہ کہنے لگے: تحفظ و امان میں جا سکتے ہو اور اب تم ہمارے بھائی بن گئے ہو۔ واصل نے کہا: بلکہ تم ہمیں ہماری منزل تک پہچاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ [التوبة: ٦]

''اگر مشرکوں میں تجھ سے کوئی پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لیں پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔''

اس پر انھوں نے (حیرانی سے) ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر کہا: یہ تمھارا حق ہے۔ چنانچہ وہ سب ان کے ساتھ چلے یہاں تک کے انھیں منزلِ مقصود تک پہنچا آئے۔

ایک کے بدلے دس

ایک بادشاہ علما کی بہت عزت کیا کرتا تھا اور مال و زر سے ان کا اکرام کیا کرتا۔ ایک دن ان کے درمیان ایک آدمی گھس آیا، جس نے مٹکا اٹھایا ہوا تھا اور بوسیدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ بادشاہ کی نظر اس پر جم گئی اور اس کی حاجت کے متعلق دریافت کیا، وہ برجستہ بولا: ''جب میں نے لوگوں کی طرف دیکھا کہ تیرے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرف کجاوے کس چکے ہیں تو میں اپنا مٹکا لے آیا۔''

بادشاہ اس کی بداہت اور حاضر جوابی پر ششدر رہ گیا اور خزانچی سے کہنے لگا: اس کا مٹکا سونے سے بھر دو، اس نے بھر دیا اور آدمی نے وہ لے لیا۔ بعض درباریوں نے اس پر حسد کیا اور کہنے لگے: یہ احمق شخص ہے، مال کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا، یہ اسے ضائع کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا: مال اسی کا ہے، میرے جیسا شخص دے کر واپس نہیں لیا کرتا۔ اس شخص نے مٹکا اٹھایا اور اپنے قبیلے کی

طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر سونا فقراء پر تقسیم کر دیا، حتی کہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ کو اس بات کا علم ہو گیا اس کی طرف پیغام بھیجا کہ اس میں کیا راز ہے؟ وہ بولا:

يَجُوْدُ عَلَيْنَا الْخَيِّرُوْنَ بِمَالِهِمْ
وَنَحْنُ بِمَالِ الْخَيِّرِيْنَ نَجُوْدُ

''سخی اپنے مال سے ہم پر سخاوت کرتے ہیں اور ہم فیاضوں کے مال سے آگے جود و سخا سے کام لیتے ہیں۔''

بادشاہ کو اس کا جواب بہت پسند آیا اور اس سونے کے مقابلے میں دس گنا مزید دینے کا حکم صادر کر دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام: ١٦٠]

''جو شخص نیک کام کرے گا تو اس کو اس کے دس گنا ملیں گے۔''

گفتگو کی چار صورتیں

ابو اسحاق فزاری کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم لمبی خاموشی اختیار کیا کرتے تھے۔ بات کرنے لگتے تو محض کشادہ روئی سے کام لیتے۔ میں نے ایک دن ان سے کہا: کاش! آپ کلام کر لیا کریں۔ انھوں نے جواب دیا: کلام کی چار صورتیں ہیں:

1. ایسا کلام جس کے نفع کی امید اور انجام کا خطرہ ہو، اس سے بچنا بہتر ہے۔
2. ایسا کلام جس کے نفع کی امید ہو نہ انجام کا ڈر، اسے چھوڑنے کا کم از کم فائدہ تیرے بدن اور زبان کی مشقت کے ہلکا ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔
3. وہ کلام جس کے نفع کی امید نہ ہو اور انجام کا اندیشہ ہو، یہی تھکا دینے والی بیماری ہے۔

④ ایسی بات جس کے نفع کی امید اور انجام بے خطر ہو تو بس اسے پھیلانے کی کدو کاوش کرنا لازم ہے۔

اتنے میں وہ کلام کے چار میں سے تین حصوں کو ساقط کر چکے تھے۔

ہمارے جگر گوشے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب احنف بن قیس رحمہ اللہ کی طرف پیغام بھیجا اور کہا: اے ابو بحر! اولاد کے متعلق کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواباً کہا: امیر المومنین! یہ ہمارے جگر گوشے اور پشتوں کے ستون ہیں اور ہم ان کے لیے بچھی ہوئی زمین اور سایہ فگن آسمان ہیں۔ اگر وہ مطالبہ کریں تو انھیں دو، ناراض ہوں تو راضی کرو۔ نتیجتاً وہ تجھے اپنی محبت کا تحفہ دیں گے اور بساط بھر لگن رکھیں گے تو ان پر قطعاً بوجھ نہ بن جانا کہ تیری زندگی سے اکتا جائیں اور تیرے مرنے کی دعا کریں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: احنف! اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ جب آئے تھے تو میں یزید پر غصے سے بھرا پڑا تھا، میں نے اسے دل ہی سے نکال دیا ہے۔

جب احنف رحمہ اللہ ان کے پاس سے رخصت ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانب دو لاکھ درہم اور دو سوٹ بھیجے اور یزید نے ایک لاکھ درہم اور ایک سوٹ احنف بن قیس رحمہ اللہ کی طرف بھیج دیے۔

ایک ماں کی بیٹے کو وصیت

ایک عورت نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا: پیارے بیٹے! بیٹھو، میں تجھے نصیحت کا بیش قیمت تحفہ دیتی ہوں اور اللہ ہی تجھے توفیق ارزاں

کرنے والا ہے۔ عقل سے زیادہ وصیت تیرے لیے زیادہ زیباں ہے۔ بیٹے! چغل خوری سے بچنا کہ یہ دشمنی پیدا کرتی اور پیاروں میں جدائی ڈالتی ہے۔ لوگوں کے عیوب مت ڈھونڈنا، ورنہ نشانہ بن جاؤ گے۔ تیروں کی بوچھاڑ میں نشانے کا لرز جانا زیادہ لائق ہے، جب بھی کوئی تیر نشانے کو لگتا ہے تو اسے زخمی کر دیتا ہے اور وہ جتنا بھی قوی ہو کمزور تو ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرض کی سخاوت اور مال کے بخل سے بچنا اور جب لرزنا تو کسی معزز آدمی سے، جو تیری جنبش پر نرم ہو جائے گا نہ کہ کمینے آدمی کو جو سخت پتھر ہوتا ہے، اس سے پانی نہیں بہہ سکتا۔ دوسروں میں جو خیر دیکھے، اسے اپنا آئیڈیل بنا اور اس کے مطابق عمل کر اور دوسروں میں جو برائی نظر آئے، اس سے اجتناب کر کہ بلاشبہہ انسان اپنا عیب نہیں دیکھتا۔ ؎

جب تھے اپنے حالات سے بے خبر
ڈھونڈتے تھے اوروں کے عیب و ہنر
جب اپنے حالات پر پڑی نظر
اپنی نظر میں کوئی برا نہ رہا

ممتا کا دل

دو عورتیں نکلیں اور ان کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے۔ ان میں سے ایک کے بچے پر بھیڑیا کودا اور اسے کھا گیا۔ دوسرے بچے کے بارے میں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جھگڑا لے کر آئیں۔ دونوں نے واقعہ بیان کیا اور بچے پر ہر ایک نے اپنا حق بتایا کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق

میں فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں پہنچ گئیں تو انھوں نے فرمایا: میرے پاس چھری لاؤ، میں بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں۔ چھوٹی بولی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کے ٹکڑے کریں گے؟ فرمایا: ہاں۔ کہنے لگی: ایسا نہ کیجیے، میں اپنا حصہ بھی اسے دیتی ہوں۔ فرمایا: اسے پکڑ، یہ تیرا ہی بیٹا ہے اور فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔

ایسا ہی ایک قصہ شاعر نے اشعار کے رنگ میں ڈھالا ہے:

ایک شخص نے ایک نادان نوجوان کو ورغلایا
پائے گا جواہرات، موتی اور درہم
گیا چلا اور گھونپا خنجر ماں کے سینے میں
نکالا دل اور الٹا چلا اپنے قدموں پر
لیکن وہ تیز دوڑنے سے جو گر پڑا
تو کٹا ہوا دل بھی ہاتھوں سے لڑھک گیا
خاک آلود ماں کے دل نے دی دہائی
میرے بچے کہیں تجھے چوٹ تو نہیں آئی
حد سنگدلی کی اور اوپر سے یہ آواز
غضب لڑکے پر آسمان کا بے شمار
سمجھا وہ جرم اپنا کہ نہ مرتکب ہوا جس کا
کوئی فرد بھی تاریخ عالم بشر کا
پلٹا دل کی جانب، پکڑا اور دھونے لگا
اشکبار آنکھوں کا پانی اس کا وضو بنا

کہا اے دل نہ معاف کر لے مجھ سے انتقام
کہ میرا جرم نہیں لائقِ غفران
سونتا خنجر تا کہ پھاڑے اپنا بھی دل
بنے سامانِ عبرت جو پیچھے آئے اہلِ دل
پکارا پھر دل ماں کا اے نادان
نہ کر دوبارہ میرا لہو لہان

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

معزز بھائی! جان لو یقیناً اپنے کیے کی جزا پاؤ گے، جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔ ایک آدمی کے پاس اس کا بوڑھا باپ رہتا تھا اور وہ اپنے باپ کی خدمت اورنگہداشت سے تنگ آ گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ذبح کرنے کے ارادے سے صحرا کی طرف نکل گیا۔ جب ایک چٹیل میدان آیا تو باپ کو وہاں ٹھہرایا۔ باپ نے پوچھا: نورِنظر کیا ارادہ ہے؟ کہا: تجھے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ کہا: بیٹے کیا نیکی کا یہی صلہ ہے؟ بولا: تجھے ذبح کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو نے مجھے اکتاہٹ میں ڈال رکھا ہے اور میں تنگ آ گیا ہوں۔ باپ نے کہا: بیٹے! اگر مجھے ذبح ہی کرنا چاہتے ہوتو دوسری چٹان پر کرنا، یہاں مت کرنا۔ وہ بولا: یہاں کروں یا وہاں، تجھے کیا نقصان ہے؟ کہا: بیٹے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، مجھے اگلی چٹان پر ذبح کرنا، یہاں تو میں نے اپنے باپ کو ذبح کیا تھا اور تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔

سو اے پیارے بھائی! والدین سے نیک سلوک روا رکھنے کا شوق پیدا کر، تا کہ دنیا و آخرت میں کامیابی مقدر ہو۔ والدین سے حسنِ سلوک مصائب کو

ٹالنے اور دنیا و آخرت میں توفیقِ الٰہی کے حصول کا موجب ہے۔ اسی سے رزق میں کشادگی اور اللہ کی رحمت و مغفرت ملتی ہے اور یہی رحمان کی جنت میں داخل ہونے کا موجب ہے، جیسا کہ رسولِ گرامی ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ))[1]

''باپ جنت کے دروازوں میں سے درمیانہ دروازہ ہے۔''

بیس سال ہمسائے کی تکالیف برداشت کیں تو وہ مسلمان ہو گیا

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک نصرانی ہمسایہ تھا اور اس کی چھت پر بیت الخلا تھا۔ اس نے ان کے گھر کی جانب سوراخ کیا ہوا تھا، جس سے پیشاب جناب حسن رحمہ اللہ کے گھر رستا رہتا تھا۔ حسن رحمہ اللہ نے ایک برتن نیچے رکھوا دیا اور جو رات بھر جمع ہوتا، وہ صبح باہر پھینک دیا جاتا۔ اس طرح بیس سال گزر گئے، پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جناب حسن بصری رحمہ اللہ بیمار ہو گئے اور نصرانی ہمسایہ تیمار داری کے لیے آیا، جب اس نے وہ برتن دیکھا تو بولا: تم کب سے میری طرف سے یہ تکلیف برداشت کر رہے ہو؟ فرمایا: بیس سال سے۔ اس پر نصرانی نے اپنی صلیب کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ذہانت کا عجیب و غریب واقعہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ بغداد تشریف لائے اور اصحاب الحدیث

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٠٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٠٨٩) السلسلة الصحيحة (٩١٤)

نے سنا تو کھنچے چلے آئے اور جمِ غفیر ہو گیا۔ انھوں نے چند احادیث لیں اور ان کے الفاظ اور اسانید الٹ پلٹ دیں، اس طرح کہ ایک حدیث کی سند کا متن دوسری سند سے ملا دیا اور اس متن کی سند دوسرے متن سے لگا دی۔ یہ کام دس افراد کے سپرد ہوا۔ ان میں ہر ایک کے پاس دس احادیث تھیں۔ انھیں ہدایت دی گئی کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوں تو یہ احادیث ان کے روبرو پیش کر دیں، چنانچہ جب مجلس بپا ہوئی تو اہلِ خراسان دور دراز سے اور ان کے علاوہ اہلِ بغداد کثیر تعداد میں وہاں موجود تھے کہ آج کیا ہونے والا ہے۔ ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے مگر تماشا نہ ہوا

چنانچہ دس میں سے ایک کو بلایا گیا تو اس نے امام صاحب سے ان میں سے ایک حدیث کی بابت دریافت کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس نے دوسری حدیث کے متعلق سوال پوچھا تو فرمایا: میں نہیں جانتا۔ وہ باری باری ہر حدیث کے متعلق سوال کرتا رہا، یہاں تک کہ دس پوری ہو گئیں اور امام صاحب یہی کہتے رہے: میں نہیں جانتا۔ مجلس میں موجود اہلِ علم ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے اور کہتے کہ بڑا سمجھدار انسان ہے اور عام لوگ کہہ رہے تھے کہ بخاری کو کچھ نہیں آتا، جواب ہی نہیں بن پا رہا۔ پھر دوسرے آدمی کو بلوایا گیا تو اس نے بھی ان دس احادیث میں سے ایک کے متعلق سوال کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس نے دوسری کے بارے میں پوچھا تو بھی فرمایا: میں نہیں جانتا۔ وہ باری باری ایک

حدیث پیش کرتا رہا حتی کہ دس پوری ہوگئیں اور امام بخاری رحمہ اللہ یہی کہہ رہے تھے: میں نہیں جانتا۔ پھر تیسرے شخص کو دعوت دی گئی، پھر چوتھے کو حتی کہ دس پورے ہو گئے اور سو مقلوب احادیث بیان کر دی گئیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا جواب اس سے زیادہ نہ تھا کہ میں نہیں جانتا۔

جب امام بخاری رحمہ اللہ نے دیکھا کہ وہ فارغ ہو چکے ہیں تو پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: رہی تیری پہلی حدیث تو وہ دراصل اس طرح ہے اور دوسری حدیث اس طرح ہے، تیسری، چوتھی حتی کہ دس کی دس بالترتیب تصحیح کے ساتھ ذکر کیں۔ آپ نے ہر متن کو اس کی سند اور ہر متن کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا۔ ایسا ہی دوسرے اشخاص کے ساتھ کیا اور تمام احادیث کے متون ان کی اسانید اور اسانید کو ان کے متون کے ساتھ ملا دیا۔ لوگوں نے آپ کے بلا خیز حافظے کا اقرار کیا اور آپ کے علم وفضل کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

ہر جھوٹے کے لیے پیغام

راوی کہتا ہے کہ: میرے والدِ گرامی کے ایک قریبی دوست اسے یہ عجیب وغریب قصہ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کسی خشک زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور ادھر ادھر نظر گھما رہا تھا، اللہ کی مخلوقات کو دیکھتا اور مالک کی تعجب خیز کاری گری پر حیران ہو رہا تھا۔ میری نظر ایک چیونٹی پر جم گئی، جو میرے ارد گرد ایک جگہ کے چکر لگا رہی تھی میرا خیال نہیں کہ وہ اسے پہچانتی تھی، لیکن تلاش ہی کیے جا رہی تھی، نہ کچھ اٹھاتی اور نہ تھکتی تھی۔ تلاش کے دوران میں اسے ٹڈی کا باقی ماندہ جسم مل گیا، جو ٹڈی کی ٹانگ تھی۔ وہ اسے گھسیٹنے لگی اور اٹھانے کی کوشش کر رہی

تھی کہ چیونٹیوں کے بل میں لے جائے۔

وہ اپنے کام میں بڑی محنتی تھی، اکتائی نہیں، بلکہ لگاتار کوشش جاری رکھی۔ اب جبکہ وہ بوجھ اٹھانے یا اسے گھسیٹنے سے عاجز آ گئی تو چلی گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کہاں؟ وہ چھپ گئی، لیکن وہ جلد ہی واپس پلٹی، اس کے ساتھ بڑی چیونٹیوں کی ایک فوج تھی۔ میں نے جب انھیں دیکھا تو بھانپ گیا کہ اس نے انھیں بوجھ اٹھانے میں مدد کے لیے بلایا ہے کہ جسے وہ اکیلی نہ سہار سکی۔ میں نے ٹڈی کی ٹانگ چھپا دی تو وہ چیونٹی اور اس کے ساتھ والی چیونٹیاں اس ٹانگ کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگیں۔ حتی کہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئیں۔ چند لمحات گزرے تھے کہ وہ چیونٹی اکیلی پھر آ گئی، میں نے وہ ٹانگ پھر اس کے آگے رکھ دی، وہ اس کے گرد گھومنے اور دیکھنے لگی۔ پھر اسے گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے سعی پیہم جاری رکھی لیکن عاجز آ گئی۔ پھر دوبارہ گئی، تا کہ اپنی ساتھی چیونٹیوں کو مدد کے لیے پکارے کہ دوبارہ اسے کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہے۔

اس کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک فوج ظفر موج آ گئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ پہلے والی ہی تھیں۔ میں انھیں دیکھ کر بہت ہنسا، اس ٹانگ کو اٹھایا اور ان سے چھپا دیا۔ انھوں نے ادھر سے ادھر تلاش کیا، پورے خلوص کے ساتھ چھان بین کی، اس چیونٹی نے بھی اپنی پوری ہمت صرف کی، گھومتی رہی، دائیں بائیں دیکھتی رہی، شاید اسے کچھ نظر آ جائے، لیکن میں نے وہ ٹانگ ان کی نظروں سے دور اوجھل کر رکھی تھی، پھر جب تلاش بسیار سے اکتا گئیں تو آپس میں اکٹھی ہوئیں، ان میں وہ چیونٹی بھی تھی، چنانچہ سب نے مل کر اس پر دھاوا بول دیا اور

اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ میں دیکھ رہا تھا اور دہشت زدہ ہو رہا تھا۔ جو کچھ ہوا اس کا رعب مجھ پر طاری تھا، انھوں نے اسے مار دیا۔ اس مسکین چیونٹی کو مار دیا، میرے سامنے اس کے حصے بخرے کر دیے۔ ہاں میرے سامنے مارا اور میری وجہ سے مارا، کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اس نے ہمارے ساتھ جھوٹ بولا ہے!! سبحان اللہ کہ چیونٹیاں بھی جھوٹ کو ایک نقص، بلکہ بڑا جرم سمجھتی ہیں، بلکہ جھوٹے کو موت کی سزا دیتی ہیں!!

مجبور اور بے بس کی فریاد رسی کون کرتا ہے؟

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تھے، جن کی کنیت ابو معلق تھی۔ وہ تاجر تھے۔ اپنے اور دوسروں کے مال سے تجارت کیا کرتے اور اطراف و اکناف میں محوِ گردش رہتے۔ آپ بہت صالح اور متقی تھے۔ ایک بار نکلے تو کسی مسلح چور سے جو سر منہ چھپائے ہوئے تھا، ٹاکرا ہو گیا۔ مال نکالو اور قتل کے لیے تیار ہو جاؤ، چور نے کہا۔ صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے سو کر اور مال کا کیا کرو گے؟ چور نے کہا: مال تو میرا ہے اور منصوبہ صرف تمھارے قتل کا ہے۔ صحابی نے کہا: اگر تم عزمِ مصمم کر چکے ہو تو پھر مجھے چھوڑ دو، چار رکعت ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چور نے کہا: جیسے تم چاہو۔

انھوں نے وضو کیا، پھر چار رکعت ادا کیں اور آخری سجدے میں یہ دعا کی:

”يَا وَدُوْدُ! يَا ذَالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ! يَا فَعَّالٌ لِّمَا تُرِيْدُ! أَسْأَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِي لَا يُرَامُ، وَبِمِلْكِكَ الَّذِي لَا يُضَامُ، وَبِنُوْرِكَ الَّذِي مَلَأَ

أَرْكَانَ عَرْشِكَ أَنْ تَكْفِيَنِي شَرَّ هَذَا اللِّصِّ، يَا مُغِيثُ أَغِثْنِي"

"اے شفقت کرنے والے! اے معزز عرش والے! اے ارادے کو پورا کرنے والے! میں آپ کی عزت کے وسیلے سے مانگتا ہوں جس کا قصد نہیں ہوتا اور آپ کی اس بادشاہت کے توسط سے جس کا کوئی مقابلہ نہیں، سوال کرتا ہوں، جس نے ارکانِ عرش کو بھر رکھا ہے کہ مجھے اس چور کے شر سے کافی ہو جائیے۔ اے فریاد سننے والے! میری فریاد رسی کیجیے۔" (تین بار) یہ کلمات کہے۔

اچانک ایک گھوڑ سوار ہاتھ میں نیزہ پکڑے اور اسے گھوڑے کے دونوں کانوں کے درمیان رکھے ہوئے آ رہا تھا۔ جب چور نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی جانب لپکا، لیکن گھوڑ سوار نے نیزہ گھونپ دیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر گھوڑ سوار اس صالح تاجر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کھڑے ہو جائیے۔ تاجر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کون ہیں؟ آج اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج کر میری مدد فرمائی ہے؟

گھوڑ سوار بولا: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ جب آپ نے پہلی دعا کی تو میں نے آسمان کے دروازوں کی آواز سنی، پھر آپ نے دوسری بار دعا کی تو میں نے آسمان والوں کا شور سنا، پھر آپ نے تیسری بار دعا کی تو مجھے کہا گیا: یہ کسی بے بس اور بے کس کی فریاد ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اس چور کا قتل میرے ذمے لگایا جائے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا پڑھی، اس کی دعا قبول کر لی جائے گی، خواہ وہ پریشان حال ہو یا نہ ہو۔

چغل خوری سے بچ جاؤ

ایک غلام فروخت ہو رہا تھا، جس میں چغل خوری کے علاوہ کوئی دوسرا عیب نہ تھا۔ ایک آدمی نے اس عیب کو معمولی سمجھتے ہوئے غلام خرید لیا۔ غلام اس کے پاس چند دن رہا، پھر اپنے آقا کی بیوی سے کہنے لگا: میرا آقا دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ تجھے پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ وہ آپ پر ہی فدا ہو اور اپنا ارادہ ترک کر دے تو جب وہ سو جائے تو آپ استرہ پکڑیں، اس کی ڈاڑھی کے نیچے سے کچھ بال مونڈیں اور انھیں اپنے پاس رکھ لیں، اس نے دل میں کہا: ہاں ضرور میں ایسا ہی کروں گی۔

پھر جب اس کا آقا آیا تو غلام اس کے کان بھرنے لگا: آپ کی اہلیہ نے ایک آشنا بنا رکھا ہے، جس پر وہ جان نچھاور کرتی ہے اور آپ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے۔ آج رات وہ آپ کو ذبح کرنے کا پلان تیار کر چکی ہے، اگر یقین نہ آئے تو رات کو مشاہدہ کر لینا، آپ کو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دکھائی دے گی۔

آقا نے بھی اس کی بات پر یقین کر لیا۔ جب رات ہوئی تو عورت استرہ لے کر آئی، تاکہ اپنے خاوند کی ڈاڑھی کے نیچے سے بال مونڈ لے۔ آدمی بظاہر سو رہا تھا، لیکن سب دیکھ رہا تھا۔ دل میں کہنے لگا: اللہ کی قسم! غلام نے سچ کہا تھا، چنانچہ جوں ہی بیوی نے استرہ اس کی داڑھی کے قریب کیا، وہ جھٹ سے اٹھا، اس سے استرہ چھینا اور اسے ہی ذبح کر دیا۔ بیوی کے رشتے داروں کو پتا چلا تو انھوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا۔

اس طرح (اس چغل خور غلام کی نحوست کے سبب) دو گروہوں میں لڑائی

کی آگ بھڑک اٹھی۔

نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ)) [1] ”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

((إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، بَلَى إِنَّهُ كَبِيرٌ، أَمَّا أَحَدُهُمَا، فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ)) [2]

”بے شک یہ دونوں قبروں والے عذاب دیے جا رہے ہیں اور وہ کسی مشکل کام کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں، البتہ یقیناً وہ کبیرہ ہے، رہا ان میں سے ایک تو وہ چغل خوری کیا کرتا تھا اور رہا دوسرا تو وہ پیشاب کرتے وقت بچا نہیں کرتا تھا۔“

میرے بھائی! لوگوں میں چغل خوری کرنے سے بچ جاؤ، کیوں کہ یہ عذابِ قبر اور بندے کو جنت میں داخلے سے محروم کرنے کے اسباب ہیں۔

شیطانی حیلہ

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس آیا اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٥٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٢)

عرض گزار ہوا کہ اس نے کسی جگہ اپنا مال دفن کیا تھا، لیکن جگہ یاد نہیں آ رہی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں کہ میں تیرے لیے راستہ تلاش کروں، البتہ تم چلے جاؤ اور صبح ہونے تک مسلسل نماز پڑھتے رہو، ان شاء اللہ تجھے جگہ یاد آ جائے گی۔ آدمی نے ایسا ہی کیا اور جب رات کا ایک چوتھائی حصہ ہی گزرا تو اسے وہ جگہ یاد آ گئی۔ وہ فوراً امام صاحب کے پاس آیا اور اس بات کی خبر دی۔

تو امام صاحب نے فرمایا: مجھے یقین تھا کہ شیطان تجھے نماز جاری رکھنے نہیں دے گا، سو تجھے یاد دلا دی، تو تم نے اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر ساری رات عبادت کرنے میں کیوں نہ گزار دی؟!

جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودے گا، خود ہی اس میں گرے گا

حکایت ہے کہ ایک آدمی فوت ہوا اور سوگواران میں دو بیٹے اور دونوں کے لیے غیر معمولی مال و زر چھوڑ گیا۔ دونوں بیٹوں نے وراثت کو باہم تقسیم کیا اور اپنے اپنے حق میں تصرف اختیار کیا۔ چنانچہ چھوٹا بیٹا تجارت میں مشغول ہو گیا اور اپنے عمل میں خلوصِ الٰہی کو بنیاد بنایا۔ وہ اللہ کے بندوں پر بے دریغ خرچ کیا کرتا تھا، سو اس کی تجارت پھلی پھولی، مال و ثروت بڑھا اور وہ بڑا مرفہ الحال ہو گیا۔ اس کا کوئی دشمن نہ تھا، اسی لیے اس کا مال محفوظ تھا، حسد کا وہاں کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ جب کہ دوسرا بھائی گمراہی کے راستے پر گامزن ہو گیا، حتی کہ اس نے سارا مال شراب نوشی، جوئے اور رنگینیوں کے سپرد کر دیا، پھر وہ مفلس و قلاش ہو گیا، اس کے پاس پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرنے کو چند نوالے بھی

دستیاب نہ تھے، لیکن اس سب کے باوجود اس کا چھوٹا بھائی اس کی بھرپور خبر گیری کرتا اور لباس وخوراک کا اتنا انتظام کر دیتا، جتنا اسے کفایت کر جاتا۔

بڑا بھائی الٹا حسد سے جل گیا اور ایسے حیلے بہانے تلاش کرنے لگا، جن سے اپنے بھائی کے مال کو ضائع کر سکے، حتی کہ وہ بھی فقر وفاقہ میں اس کی سطح پر آ جائے۔ اس طرح وہ لوگوں کی ملامت سے بھی بچ جائے گا اور وہ اس کے بجائے اس کے بھائی کی شہرت کو خراب کرنا شروع کر دیں گے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اپنے گھٹیا مقاصد کے حصول کے لیے سرگرداں پھرنے لگا اور بالآخر شیطانی اشارے سے ایسے آدمی تک راہ پا گیا، جو حسد وحقد میں مشہورِ زمانہ تھا، کوئی کم ہی اس کے حسد سے محفوظ رہا ہو گا۔

حاسد کی نظر کمزور تھی، صرف قریب سے ہی دیکھ سکتا تھا، سو بڑا بھائی حاسد کے پاس چلا گیا اور غرض مند ہوا کہ وہ اپنے بھائی کے مال و اسباب کا ضیاع وفساد چاہتا ہے اور اس پر بڑی رقم کی پیش کش بھی کی۔ وہ حاسد کو ایسی شاہراہ پر لے گیا، جہاں سے اس کے بھائی کے تجارتی سامان گزرتے تھے، بڑے بھائی نے حاسد کو خبردار کیا کہ تیار رہو، میرے بھائی کا مال قریب آ چکا ہے اور صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے، اس پر حاسد شخص نے کہا: تیری نظر اتنی تیز ہے؟ کیا تو اتنی دور سے دیکھ سکتا ہے؟ کاش میں بھی تیری طرح تیز نظر ہوتا! بڑے بھائی کو سر میں شدید درد محسوس ہوئی، اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ فوراً ہی نابینا ہو گیا، جب کہ اس کے چھوٹے بھائی کا سامانِ تجارت صحیح سلامت پاس سے گزر گیا اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچا۔

مکر کرنے والوں کا انجام

حکایت ہے کہ ایک بادشاہ کے خادموں نے راستے میں پھینکا ہوا ایک بچہ اٹھا لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے اہلِ خانہ میں شامل کر لیا جائے، بچے کا نام احمد یتیم رکھا گیا۔ جب وہ جوان ہوا تو اس میں ذہانت و فطانت اور نجابت کے آثار دکھائی دیے۔ بادشاہ نے اس کی تہذیب و تعلیم کا عمدہ اہتمام کیا، اپنا قرب بخشا اور محل کے تمام امور میں اسے پیش پیش رکھا۔ ایک دن بادشاہ نے احمد یتیم کو حکم دیا کہ کمرے سے کوئی چیز لے کر آئے، وہ جوں ہی کمرے میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک لونڈی، جو بادشاہ کی بڑی قریبی تھی، محل کے ایک خادم کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں پائی گئی۔ لونڈی عرض پرداز ہوئی کہ احمد اس کی خبر عیاں نہ کرے اور اسے دعوتِ گناہ دی۔ احمد نے کہا: معاذ اللہ! میں بادشاہ کی خیانت نہیں کر سکتا کہ اس کے مجھ پر ان گنت احسانات ہیں۔ پھر اسے وہیں چھوڑا اور واپس چلا گیا۔

لونڈی دل ہی دل میں ڈری اور خدشہ ظاہر کیا کہ وہ راز افشا نہ کر دے۔ چنانچہ وہ روتی، آنسو بہاتی بادشاہ کے روبرو پیش ہوئی اور بولی: احمد یتیم نے اسے ورغلایا ہے اور جبراً زیادتی کرنی چاہی ہے، اس پر بادشاہ بڑا غضب ناک ہوا اور احمد کے قتل کا ارادہ کر لیا۔

اس نے اپنے خادموں کے رئیس سے کہا: جوں ہی میں کسی کو تیری طرف بھیجوں، تم اسے قتل کر دینا اور احمد یتیم کو طلب کر لیا اور بولا: فلاں شخص کو جا کر ملو اور فلاں چیز لے آؤ۔ احمد نے سر تسلیم خم کیا اور چلا گیا۔ وہ ابھی راستے ہی میں

تھا کہ اسے کچھ خادم ملے، انھوں نے ایک متنازع امر میں احمد کو ثالث بنا لیا۔ احمد نے ضروری کام کا ہزار عذر کیا، لیکن انھوں نے کہا کہ ہم فلاں خادم کو بھیج دیتے ہیں جو آپ کی مطلوبہ چیز لے آئے گا، آپ بس ہمارا فیصلہ فرما دیں، بالآخر احمد کو ان کی بات ماننا پڑی۔

وہ خادم رئیس کے پاس چلا گیا اور اسے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا، رئیس نے بحکمِ شاہی اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر باشاہ کے پاس آ گیا۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا اور چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ کسی اور کا سر تھا۔ بادشاہ نے فوراً احمد یتیم کو بلایا اور مقتول خادم کے متعلق دریافت کیا، اس پر احمد نے وہ سارا واقعہ کہہ سنایا تو بادشاہ نے اس سے کہا: کیا تجھے اس خادم کا کوئی گناہ یاد ہے؟

احمد نے کہا: جی ہاں! اس نے فلاں لونڈی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا اور ان دونوں نے مجھے اللہ کا واسطہ دیا کہ میں ان کی پردہ پوشی کروں۔ جب بادشاہ نے یہ بات سنی تو وہ پرسکون ہو گیا اور لونڈی کو قتل کرنے کا حکم سنا دیا۔ احمد کے متعلق اس کا اعتماد اور وثوق اور بھی بہتر ہو گیا۔

حجاج اور چوبیس عورتوں کی کفالت کرنے والے کا قصہ

عبداللہ بن مروان نے حجاج کو خط لکھا کہ مجھے اسلم بن عبدالکبیر کے متعلق ایک شکایت پہنچی ہے، لہٰذا اسے میرے سامنے حاضر کرو۔ حجاج نے اسے گرفتار کر لیا۔ اسلم بولا: جنابِ امیر! آپ حاضر ہیں اور امیر المومنین غائب ہیں اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾

[الحجرات: ٦]

''اے ایمان والو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔''

جو بات امیر المومنین کو پہنچی ہے، وہ جھوٹی ہے۔ میں چوبیس عورتوں کی کفالت کرتا ہوں۔ میرے علاوہ ان کا کمانے والا کوئی نہیں۔ وہ سب میرے دروازے پر بیٹھی ہیں۔ حجاج نے ان سب کو حاضر کرنے کا حکم جاری کیا، جب وہ ساری آ گئیں تو کوئی کہنے لگی: میں اس کی خالہ ہوں، کوئی بولی: میں اس کی پھوپھی ہوں، میں اس کی بہن ہوں، بیوی ہوں اور کوئی بولی: میں اس کی بیٹی ہوں۔ ایک بچی جس کی عمر آٹھ سال سے اوپر اور دس سال سے کم تھی، آگے بڑھی تو حجاج نے کہا: تو کون ہے؟ وہ بولی: میں اس کی بیٹی ہوں۔ پھر کہنے لگی: اللہ امیر کی خیر کرے! پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور گویا ہوئی:

اے حجاج! تو اس وقت اس کی بیٹیوں اور پھوپھیوں کے پاس نہیں ہوتا، جب وہ رات بھر اس کی بلائیں لیتی ہیں۔ اے حجاج! اسے قتل کر کے تو کتنے افراد کا قتل کرے گا، آٹھ، دس، دو اور چار کا؟ اے حجاج! اس کا قائم مقام کون ہو گا؟ ذرا سوچ اور ہماری بے قراری میں اضافہ نہ کر، اے حجاج! یا تو تُو ہم پر نعمت کی سخاوت کر دے یا پھر ہم سب کو اکٹھے ہی قتل کر دے۔

حجاج نے معصوم زبان سے یہ مژدۂ غمناک سنا تو آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا

اور بولا: اللہ کی قسم! میں تم پر مشقت نہیں ڈالوں گا، نہ ہی تمھارے اضطراب میں اضافے کا باعث بنوں گا۔ پھر عبدالملک کو خط لکھا اور جو کچھ اس آدمی اور اس بچی نے کہا تھا، سب لکھ دیا۔ جوابی خط میں عبدالملک نے لکھا کہ اس آدمی کو رہا کر دیا جائے، حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا جائے اور بطورِ خاص اس بچی کا خیال رکھا جائے اور کسی لمحے اسے فراموش نہ کیا جائے۔

ایک عورت کا شکوہ اور قاضی کی معاملہ فہمی

ایک عورت جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے امیر المومنین! میرا خاوند دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر قیام کرتا ہے۔ میں اس کا شکوہ کرنا ناپسند کرتی ہوں، کیونکہ وہ شب و روز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا خاوند ایک اچھا انسان ہے۔ وہ تکرار سے اپنی بات دہرانے لگی اور امیر المومنین وہی جواب دیتے رہے۔

کعب بن سوار اسدی، جو پاس ہی بیٹھے تھے، گویا ہوئے: اے امیر المومنین! یہ عورت خاوند کے بستر سے الگ رہنے کی شکایت کر رہی ہے، جنابِ عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جس طرح آپ اس کی بات سمجھے ہیں، اسی طرح فیصلہ بھی آپ خود ہی کریں۔

کعب نے کہا: اس کے خاوند کو میرے پاس لایا جائے، وہ لایا گیا تو کعب نے کہا: تیری بیوی تیری شکایت لے کر آئی ہے۔ خاوند نے کہا: کھانے پینے کی شکایت ہے؟ کہا: ان دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں، تو عورت نے یہ اشعار کہے (جن کا ترجمہ درج ذیل ہے):

''اے عقل و رشد والے قاضی! میرے دوست کو بستر سے اس کی سجدہ گاہ نے غافل کر رکھا ہے۔''

''دن کو اس کی عبادت اس کو میرے بستر سے بے رغبت رکھے ہوئے اور رات کو سوتا بھی نہیں ہے۔''

''عورتوں کے معاملے میں میں اسے قابلِ ستائش نہیں گردانتی، سو اے کعب! بلا تردد فیصلہ فرما دیجیے۔''

خاوند بولا:

''مجھے اس کے بستر اور حجلۂ عروسی سے اس چیز نے بے رغبت کر دیا ہے جو کچھ نازل ہوا ہے۔''

''نیز اللہ کی کتاب سے سورۃ النحل اور سات لمبی سورتوں میں بڑی بڑی وعید و تخویف ہے۔''

کعب نے کہا: یقیناً بیوی کا تجھ پر حق ہے، سو اسے وہ حصہ دے اور عذر بہانے چھوڑ دے، مزید فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے چار بیویاں حلال کی ہیں، تیرے لیے تین راتیں اور تین دن ہیں، ان میں اپنے رب کی عبادت کر اور اس میں تیری بیوی کے لیے ایک دن اور رات ہے۔

اس پر جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کعب سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! دو کاموں میں سے کس پر تعجب کروں؟ ان دونوں کے معاملہ کو سمجھنے پر یا تیرے ان کے مابین خوبصورت فیصلہ کرنے پر؟ جاؤ! میں تجھے بصرہ کا گورنر بناتا ہوں۔[1]

[1] الأحكام السلطانية للماوردي (ص: ٩٢)

اونٹنی اور مہمان

ہیثم بن عدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں ایک بھائی کی ملاقات کی غرض سے اپنے علاقے سے نکلا۔ میرے پاس سواری کے لیے اونٹنی تھی، جو اچانک بدک کر بھاگ گئی اور میں سارا دن اسے تلاش کرتا رہا، حتی کہ شام ہوگئی اور بالآخر وہ مجھے مل گئی۔ میں نے گردوپیش دیکھا تو اچانک وہاں کسی گنوار کا خیمہ تھا، میں اس کے پاس چلا گیا۔ خیمہ میں موجود عورت بولی: کون ہے؟ میں نے جواب دیا: مہمان۔ وہ بولی: مہمان یہاں کیا کر رہا ہے؟ جب کہ صحرا بہت وسیع ہے۔

پھر وہ کھڑی ہوئی، گندم کی پسائی کی، آٹا گوندھا اور روٹی بنا کر خود ہی کھانے لگی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس کا خاوند آ گیا، اس کے پاس دودھ تھا، اس نے سلام کہا، پھر بولا: کون آدمی ہے؟ میں نے کہا: مہمان ہوں۔ اس نے کہا: خوش آمدید، اللہ تجھے بقا دے، پھر خیمے میں گیا اور دودھ کا پیالہ بھر لایا، کہا: پی لو میں نے خوشگوار انداز میں پیا۔ وہ بولا: میرا خیال ہے تو نے کچھ نہیں کھایا اور نہ اس (میری بیوی) نے تجھے کچھ کھلایا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا ہی ہے۔

وہ غضب ناک ہو کر خیمے میں گیا اور بیوی سے کہنے لگا: تجھ پر افسوس! تو نے کھایا اور مہمان کو بھوکا رکھا۔ وہ بولی: اور کیا کرتی؟ کیا اسے اپنا کھانا کھلا دیتی؟ اس کے خاوند میں مزید حدت پیدا ہوگئی، وہ درشت کلامی پر اتر آیا، حتی کہ بیوی کا سر پھوڑ دیا، پھر اس نے چھرا پکڑا اور میری اونٹنی کی طرف لپکا، اسے ذبح کر دیا، میں نے کہا: تو نے یہ کیا کیا، اللہ تجھے عافیت دے؟ وہ بولا: اللہ کی قسم! میرا مہمان کبھی بھوکا نہیں سو سکتا۔

پھر اس نے لکڑیاں اکٹھی کیں، آگ جلائی اور کباب بنانے لگا، مجھے کھلائے اور خود بھی کھائے، ساتھ ہی اپنی بیوی کو دے رہا تھا اور اس کو کوس رہا تھا: اللہ تجھے نہ کھلائے، یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں غم زدہ ہو کر بیٹھا تھا۔ جب دن خوب چڑھ آیا، تو وہ دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک اونٹ تھا۔ کہنے لگا: یہ تیری اونٹنی کی جگہ ہے، پھر اس گوشت سے اور جو کچھ اس کے پاس تھا، مجھے زادِ راہ دیا۔ میں اس کے پاس سے نکلا تو ایک اور خیمے کے پاس رات نے آن لیا۔

میں نے سلام کیا: خیمے والی عورت نے سلام کا جواب دیا اور بولی: کون ہے؟ میں نے کہا: مہمان ہوں۔ وہ کہنے لگی: خوش آمدید، اللہ آپ کو بقا سے نوازے اور عافیت عطا کرے۔ میں سواری سے اترا، اس نے گندم کی پسائی کی، آٹا گوندھا اور پھر دودھ اور گھی سے روٹیاں تیار کیں۔ پھر روٹیاں میرے سامنے رکھیں اور کہا: کھا لیجیے۔

تھوڑی دیر بعد ایک گنوار، جو انتہائی بھیانک شکل وصورت کا مالک تھا، آیا اور سلام کہا تو عورت نے جواب دیا، اس نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ میں نے کہا: مہمان ہوں۔ وہ بولا: مہمان کا ہمارے پاس کیا کام؟ پھر خیمے کے اندر گیا اور کہا: میرا کھانا کہاں ہے؟ بیوی نے کہا: وہ میں نے مہمان کو کھلا دیا ہے۔ وہ بولا: کیا تو مہمان کو میرا کھانا کھلاتی ہے؟ سو ان دونوں میں سخت کلامی شروع ہو گئی، دریں اثنا آدمی نے لاٹھی اٹھائی اور بیوی کا سر زخمی کر دیا، میں ہنسنے لگا، وہ باہر نکلا اور پوچھا: ہنستے کیوں ہو؟ میں نے کہا: خیر ہی ہے۔ وہ بولا: اللہ کی قسم! تم ضرور بتلاؤ گے۔

تو میں نے اس عورت اور مرد کا قصہ سنایا، جن کے پاس میں ان سے پہلے مہمان رہ چکا تھا۔ وہ سن کر کہنے لگا: یہ عورت جو میری بیوی ہے، اس آدمی کی بہن ہے، وہ عورت جو اس آدمی کی اہلیہ ہے، وہ میری بہن ہے۔ میں نے بڑی حیرانگی سے رات گزاری اور واپس چلا آیا۔[1]

انسان نما بھیڑیا اور گناہ کی آخری سیڑھی

بیس سال کی درخشاں عمر رکھنے والی ایک دوشیزہ طالبہ تھی۔ بڑی خوبصورت، عمدہ اخلاقیات کی مالک اور غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والی۔ اس کی ایک دوست تھی، جسے وہ بہت پیار کرتی تھی۔ اس کی دوست کا بھائی دین و اخلاق کی کسی بھی رمق اور روشنی سے بے بہرہ تھا۔ وہ اپنے مکر وفریب سے اس دوشیزہ کے دل کو مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ شیرینی گفتار سے خوش طبعی کرتا اور دوشیزہ اس کی باتوں سے پگھلنے لگی۔

وہ جال میں پھنسی ہوئی اور گناہ سے بری دوشیزہ سے تکمیلِ خواہش کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ پوری پلاننگ، ورغلانے اور جھوٹے عہد و پیمان کے بعد درندے کو موقع مل گیا کہ اپنے شکار پر جھپٹ پڑے اور اس سے وہ عزت گراں مایہ چھین لے کہ زندگی میں کوئی بھی نوجوان لڑکی جس کی مالک ہوتی ہے۔

بدکاری سے حاملہ ہونے کے بعد لڑکی اپنے مستقبل، بلکہ اپنے دین کے چلے جانے کا خطرہ محسوس کرنے لگی۔ وہ اس انسان نما بھیڑیے کو فون کرتی، تاکہ شادی کا جو وعدہ اس نے کیا تھا، اسے جلد پورا کرے، لیکن وہ راہِ فرار اختیار

[1] وفيات الأعيان (٦/١٠٨)

کرنے لگا۔ حمل کے عوارض ظاہر ہونے لگے، اس نے محسوس کیا کہ زمین وسیع ہونے کے باوجود تنگ ہوگئی ہے۔ اس کی زندگی اجیرن بن گئی ہے، وہ اس مصیبت میں آخر کرے تو کیا کرے؟

چنانچہ وہ ہر جگہ اس کا تعاقب کرنے لگی، حتی کہ اس کے ساتھ بات کرنے اور شادی کرنے کا مطالبہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ نوجوان نے ایسی سوچ سوچی جو ابلیس کے دل میں بھی نہیں آ سکتی۔ تجھے کیا معلوم وہ سوچ کیا تھی؟

اس نے لڑکی سے کہا: میں تمھارے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم کل چار بجے فلاں جگہ میرے فلیٹ میں آ جاؤ، وہاں میری والدہ سے ملو۔ اگر والدہ نے تجھے دیکھنے کے بعد شادی کے لیے ہاں کر دی تو میں ایسا کرلوں گا۔

اسی وقت اس درندے نے انسان نما بھیڑیوں کے ایک گروپ سے ایک سکیم تیار کی کہ وہ مقررہ وقت کے مطابق اس کے فلیٹ میں چلے جائیں اور لڑکی سے گینگ ریپ کریں، پھر وہ جائے گا اور کہے گا: میں ایسی لڑکی سے قطعاً نکاح نہیں کرسکتا، جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔

لڑکی مقررہ وقت پر اس فلیٹ میں جانے پر آمادہ ہوگئی، اس کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو ہدایت دے دی ہے اور اب اس کی عزت بھی محفوظ رہے گی، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اصل راز کیا ہے؟

اگلے دن جب لڑکی اس کی والدہ سے ملنے کے لیے تیاری کرنے لگی تو اچانک اس کے بھائی کے پیٹ میں درد شروع ہوگیا۔ اب وہ دوراہے پر کھڑی تھی، فلیٹ میں جائے یا بھائی کو ہسپتال لے جائے جو ہے بھی تنہا؟ فوراً اس سے

یہی ہو سکا کہ اپنی دوست کو فون کیا (اس بھیڑیے کی بہن کو) اور کہا: میرا آپ کی والدہ سے ملاقات کا وقت طے ہوا تھا، لیکن میرا بھائی سخت بیمار ہو گیا ہے، جسے میں ہسپتال لے کر جا رہی ہوں، ازراہِ کرم تم فلاں فلیٹ میں جاؤ اور اپنی والدہ کو آگاہ کرو کہ میں ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی، اس کی دوست مان گئی اور اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کا بھائی اس لڑکی کے حوالے سے کیا پلاننگ کر چکا ہے؟

اس بھیڑیے کی بہن اس خیال سے کہ اس کی والدہ وہاں منتظر ہے، فلیٹ کی طرف چل پڑی۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کیوں کہ والدہ اس وقت گھر سے باہر تھی۔ قصہ مختصر، جوں ہی وہ فلیٹ میں داخل ہوئی، بھیڑیے اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی عزت روندھ ڈالی اور اس کا وہ جوہر گراں مایہ چھین لیا، جس کی کوئی بھی دوشیزہ مالک ہوتی ہے۔ وہ بے جان جسم تھا، جو وہاں پھینک دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھیڑیا آیا، تا کہ اس لڑکی کا حشر دیکھ سکے، کیونکہ اس مشاہدے کے بعد وہ اس کے ساتھ شادی سے انکار کرسکتا تھا، لیکن ایک بہت بڑا حادثہ اس کا منتظر تھا!!!

وہ بھیڑیوں کے گروپ کے پاس گیا اور ان سے پوچھتا ہے: تم نے کیا کیا؟ وہ بولے: ہم نے تمھارا مطلوبہ ہدف پورا کر دیا، بلکہ کچھ زیادہ بھی اور وہ وہاں بسمل کی طرح تڑپ رہی ہے۔ وہ اندر گیا اور لڑکی کو دیکھا، وہ اس کی بہن تھی، بری حالت میں پڑی ہوئی، وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، خاموش باہر نکلا، ساتھی بات کر رہے تھے اور وہ کسی کا جواب نہ دے رہا تھا، حتی کہ گاڑی تک آ گیا، دروزاہ کھولا، گاڑی میں بیٹھا۔ ریوالور پکڑا اور اس کا رخ اپنے سینے کی طرف کر لیا اور چشم زدن میں خودکشی کر لی۔

برا مکر، مکر کرنے والوں کو ہی گھیرتا ہے

میں یہ قصہ ہر اس نوجوان کو گفٹ کرتا ہوں، جو کسی بھی دوشیزہ سے ناجائز تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے کہتا ہوں: مسلمان عورتوں کی عزتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یاد رکھو، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جو بیجو گے وہی کاٹو گے۔

دعا کی عدمِ قبولیت کے دس اسباب

جناب ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ بصرہ کے بازار سے گزرے، لوگ اکٹھے ہو گئے اور ان سے عرض پرداز ہوئے: اے ابو اسحاق! کیا وجہ ہے کہ ہم دعائیں کرتے ہیں، لیکن قبول نہیں ہوتیں؟ فرمایا: کیونکہ دس چیزوں کی وجہ سے تمھارے دل مردہ ہو چکے ہیں:

۱ تم نے اللہ کو پہچانا، لیکن اس کا حق ادا نہیں کیا۔

۲ تم نے دعویٰ کیا کہ تم محبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا۔

۳ تم نے قرآن پڑھا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔

۴ تم نے اللہ کی نعمتیں کھائیں، لیکن اس کا شکریہ ادا نہیں کیا۔

۵ تم نے کہا: شیطان تمھارا دشمن ہے، لیکن تم نے اس کی مخالفت نہ کی۔

۶ تم نے کہا: جنت حق ہے، لیکن تم نے اس کے حصول کے لیے کوشش نہیں کی۔

۷ تم نے کہا: جہنم حق ہے، لیکن تم اس سے بھاگے نہیں۔

۸ تم نے کہا: موت برحق ہے، لیکن اس کے لیے تیاری نہ کی۔

۹ تم نیند سے بیدار ہوئے اور لوگوں کے عیوب میں مشغول ہو گئے اور اپنے عیب بھول گئے۔

۱۰ تم نے اپنے مردے دفن کیے اور ان سے عبرت حاصل نہ کی۔

ہم ہر مصیبت میں اللہ کو پکارتے ہیں
پھر مصائب کے خاتمے پر اسے بھول جاتے ہیں
قبولیت دعا کی امید کیسے رکھیں
گناہوں کے سبب اس کا راستہ ہی بند کر چکے ہیں

مظلوم کی بد دعا سے بچو

ایک شکاری رزقِ حلال کی تلاش میں نکلا اور جال پھینکا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ زاری کرنے لگا۔ ادھر اس کے بچے گھر میں بھوک کی وجہ سے چیخ رہے تھے۔ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بڑی مچھلی عطا کر دی۔ وہ خوشی خوشی گھر کی طرف چل پڑا۔ اچانک ایک بادشاہ سیر و تفریح کے لیے نکلا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو دیکھا اور اسے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے پاس مچھلی ہے۔ اسے مچھلی پسند آ گئی اور جبراً اس سے چھین لی۔ بادشاہ مچھلی لے کر اپنے محل کی طرف بڑھ گیا، ملکہ کو خوش کرنے کے لیے مچھلی اس کے سامنے نکالی، مچھلی گھومی اور بادشاہ کی انگلی چبا لی۔ بادشاہ درد سے ساری رات چین پا سکا اور نہ سو سکا۔ اطبا آ گئے اور اس کی انگلی کاٹنے کا مشورہ دیا، لیکن پھر بھی آرام نہ آیا، کیوں کہ زہر بادشاہ کے ہاتھ تک سرایت کر چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، لیکن پھر سکون نہ آیا، وہ چیخنے چلانے

لگا، انھوں نے بازو کاٹ دیا، اب جسمانی درد سے تو راحت پا گیا، لیکن اس کا دل ٹھہرتا نہ تھا، اسے بات سمجھ میں آ گئی۔

طبیبوں نے مشورہ دیا کہ اسے دل کے اطبا یعنی علمائے کرام کے پاس لے جایا جائے۔ وہ اسے ایک عالم کے پاس لے گئے اور بادشاہ نے پچھلی والا واقعہ سنایا۔ عالم نے کہا: تجھے صرف اسی صورت میں سکون آ سکتا ہے کہ وہ شکاری تجھے معاف کر دے، چنانچہ بادشاہ نے اس شکاری کا کھوج لگانا شروع کیا اور بالآخر اسے پالیا اور درخواست گزار ہوا کہ اسے معاف کردے۔ شکاری نے معاف کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا تو نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟ شکاری نے کہا: میں نے صرف ایک کلمہ کہا تھا:

"اے اللہ! اس نے مجھے اپنی طاقت دکھائی ہے تو اسے اپنی قدرت دکھا دے۔"

ہائے بچاؤ! اے معتصم

ایک آدمی خلیفہ معتصم کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور بولا: اے امیر المومنین! میں عموریہ[1] میں تھا۔ ایک لونڈی، جو عورتوں میں سب سے خوب سیرت تھی، ایک عجمی کافر نے اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا تو وہ پکاری: معتصم! مدد کو پہنچنا۔ کافر بولا: معتصم کو اس پر کتنی قدرت ہے؟ کیا وہ ابھی عجمی گھوڑے پر آئے گا اور تیری مدد کرے گا؟ پھر اس نے اسے مزید مارا۔ معتصم نے پوچھا: عموریہ کس جہت میں ہے؟ وہ آدمی بولا اور اس کی سمت کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس طرف

[1] روم کے ایک شہر کا نام۔

ہے۔ معتصم نے اپنا رخ ادھر پھیر لیا اور کہا: اے خاتون میں حاضر ہوں۔ میں پھر حاضر ہوں، یہ معتصم اللہ کی خاطر تمھاری فریاد کا جواب دے گا۔

پھر وہ بارہ ہزار عجمی گھوڑوں کا لشکر ترتیب دے کر اس طرف روانہ ہو گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل ہو گیا تو یہ بات بڑی گراں گزری اور وہ مغموم ہو گیا۔ ایک رات اپنے خاص حاشیہ نشینوں کے ہمراہ جاسوسی کے لیے لشکر میں چلا گیا، تا کہ لوگوں کی باتیں سن سکے، چنانچہ وہ ایک لوہار کے خیمے کے پاس سے گزرا، جو گھوڑوں کی کھریاں لگا رہا تھا، اس کے سامنے ایک بدصورت گنجا غلام تھا، وہ ساہن پر کام کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: معتصم کے سر میں۔ اس کے استاد نے کہا: معتصم کی بات نہ کر، تجھے بھلا اس سے کیا نسبت؟ غلام بولا: اس کے پاس کوئی تدبیر ہی نہیں۔ اتنے عرصے سے شہر کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے۔ طاقت بھی رکھتا ہے، لیکن فتح نہیں کر سکا، اگر وہ مجھے اختیار دے دے تو اگلے دن ہی شہر کے اندر ہو گا۔

معتصم نے جو کچھ سنا، اس پر بڑا متعجب ہوا اور بعض لوگوں کو وہاں مقرر کر کے اپنے خیمے کی طرف چل دیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ اس غلام کو لے آئے۔ معتصم نے پوچھا: جو باتیں مجھے تیری بابت پہنچی ہیں، ان کا سبب کیا ہے؟

اس آدمی نے کہا: جو کچھ آپ کو پہنچا ہے برحق ہے۔ اگر آپ جنگ کی ذمے داری مجھے سونپیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے۔ معتصم نے کہا: میں تجھے سونپتا ہوں اور اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور جنگ میں پیش کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور معتصم شہر میں داخل ہو گیا۔

پھر اس آدمی کو بلایا، جس نے اسے عورت کا قصہ سنایا تھا۔ آدمی بولا: میرے ساتھ اس جگہ چلیے، جہاں میں نے اسے دیکھا تھا، وہ وہاں پہنچا اور

عورت کو تلاش کر لیا۔ معتصم نے کہا: اے خاتون! کیا معتصم نے تیری آواز پر لبیک کہہ دیا؟ پھر جس عجمی کافر نے اسے تھپڑ مارا تھا، اس کو اس عورت کی غلامی میں دے دیا اور اس کے آقا کو بھی جو اس عورت کا مالک تھا اور اس کی ساری جائیداد اس کے نام کر دی۔

گائے کی قیمت

اس نے اپنی وہ گائے تین ہزار میں فروخت کر دی، جس کے علاوہ اس کی کوئی ملکیت نہیں تھی۔ اس نے قیمت وصول کی، تھیلے میں رکھی، پھر تھیلے کے درمیان ٹھونس دی۔ اپنے گھر چلا آیا اور چہرے پر حسرت و ملال کے نشانات تھے۔ بیوی کو بھی گائے فروخت کرنے کا علم ہوا اور وہ تسلی دینے لگی اور امید ظاہر کرنے لگی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا نعم البدل عطا کریں گے۔

رات ہوئی اور سخت سردی کے باعث لوگ اپنے گھروں کی جانب پناہ گزیں ہوئے۔ ابوحسن اور اس کی اہلیہ بھی اپنے شکستہ سے گھر میں بیٹھ گئے، اسی دوران ام حسن بچے کو جھوٹا فیڈ کروانے کا حیلہ کرنے لگی، تاکہ دودھ چھڑانے پر آمادہ کر سکے، اچانک دروازے پر ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ ابوحسن نے دروازہ کھولا تو ایک آدمی سردی اور بارش کی شدت سے کپکپا رہا اور کہہ رہا تھا: مسافر ہوں، سردی نے تمھاری بستی کی جانب آنے پر لاچار کر دیا ہے، یہاں کسی سے شناسائی نہیں اور میری منزل حمص ہے۔

ابوحسن نے کہا: ہم آپ کے لیے کچھ پیش نہیں کر سکتے۔ ہم فقیر کنبہ ہیں، گھر بھی تنگ ہے جو مہمانوں کی آؤ بھگت کا متحمل نہیں۔ مسافر بولا: اس سخت سردی

میں بس رات ٹھہرنے کا خواہاں ہوں میں کسی قسم کا خرچ آپ پر نہیں ڈالنا چاہتا۔

ابو الحسن نے کہا: ہمارے پاس اس کمرے کے سوا کچھ بھی نہیں، جہاں میں، میری اہلیہ اور معصوم بچہ سوتے ہیں، معاف کیجیے جگہ نہیں ہے۔

مسافر: میں اس کونے میں سو جاتا ہوں اور آپ لوگ دوسرے کونے میں۔ آپ درمیان میں پردہ حائل کرلیں۔ اللہ اجر عطا فرمائے!

ام حسن کا دل اس مسافر کے لیے نرم پڑ گیا اور بولی: ابو الحسن! اللہ ہماری مدد کرے گا اور شاید اس مسافر پر نیکی کرنے سے ہماری مصیبتیں ٹل جائیں۔ ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

انھوں نے مہمان کو خوش آمدید کہا، مہمان کو بستر اور لحاف دینے کے بعد تمام اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ ابو الحسن اور اس کی اہلیہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ تکان اور بیداری نے انھیں پریشان کیا ہوا تھا۔ مسافر اپنے پاؤں کی انگلیوں کے بل چلا، بچے کو اس کی جگہ سے تلاش کیا، اسے اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا اور دور گھر کے صحن میں رکھ آیا، دوبارہ بستر پر پہنچا اور نیند کا حیلہ کرنے لگا۔

بچے کو سردی کی شدت محسوس ہوئی اور وہ چلانے لگا۔ ام حسن نے آواز سنی اور اٹھی، بچے کو تلاش کیا، لیکن نہ پایا، اس نے اپنے خاوند کو بیدار کیا اور بولی: بچہ گھر کے صحن تک پہنچ گیا، چلو اسے بستر میں لٹائیں۔ سردی شدید ہے۔ دونوں کھڑے ہوئے اور بچے تک پہنچے، ماں جھک گئی ور بچے کو سینے سے لگا لیا اور کہہ رہی تھی: میرے بچے تیرے صدقے جاؤں، اتنی سخت سردی میں تجھے یہاں کون لے آیا؟

ابوحسن اوراس کی بیوی اپنے بچے کو لے کر ابھی کمرے تک نہیں بڑھے تھے کہ چھت گر گئی اور گھر منہدم ہو گیا۔ وہ دونوں وہیں منجمد ہو گئے، پڑوسیوں نے لکڑیوں کے کڑ کنے اور چھت کے گرنے کی آواز سنی تو فوراً مدد کے لیے پہنچ گئے۔ ابو الحسن نے کہا: لوگو! درونِ خانہ ہمارا ایک مہمان تھا، سب سے پہلے اسے بچائیں گے۔

ابوحسن بعض پڑوسیوں کے ساتھ اندر چلا گیا اور مہمان والی جگہ کو کھولا۔ وہ وہاں نہ ملا، وہ مزید لکڑیاں اور ملبہ اٹھاتے رہے، حتی کہ ابوحسن کی چارپائی تک پہنچ گئے۔ اچانک وہاں مہمان مرا پڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں رقم والی تھیلی تھی، اس نے وہ اس تکیے کے نیچے سے نکالی تھی، جس پر گھر کا مالک سویا کرتا تھا۔

یہ چور بازار میں موجود تھا، اس نے ابوحسن کو دیکھا کہ گائے فروخت کر رہا ہے اور رقم تھیلی میں رکھ رہا ہے، تو اس نے رقم چرانے کا پروگرام بنا لیا اور اس کے لیے یہ اسکیم تیار کی، گھر کے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا رہا حتی کہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ لیا۔ جب انھوں نے اسے رات گزارنے کی اجازت دے دی تو وہ رات کو بچے کو اٹھا کر گھر سے باہر چلا گیا اور روتے ہوئے چھوڑ دیا، تا کہ گھر والے بچے کی طرف نکلیں، تب اس کے لیے موقع ہو گا کہ گائے کی قیمت والی تھیلی چرا لے۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ ابوحسن نے اسے تکیے کے نیچے رکھا ہوا ہے۔

یہ چور پلان بنا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس کی گھات میں تھا، وہ اپنا منصوبہ پورا نہ کر پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ناسپاس اور فریبی و شریر شخص کو عذاب میں مبتلا کر

دیا اور گھر والوں کو برے حالات سے بچا لیا۔ اگر انسان غافل ہو تو اللہ کا ہاتھ غافل نہیں ہوتا، لوگ واپس جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: گھناؤنے جرم کی جلد سزا ہے۔[1] سچ ہے کہ اس میں عبرت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہے۔

اللہ اپنے بندوں کے بارے میں خوب خبر رکھنے والا ہے

مجلّہ ''شباب'' میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے، میں اسے قدرے ترتیب و اختصار کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔ اس نے یہ عجیب قصہ بیان کیا، کہتا ہے:

میں اور میرا چھوٹا بھائی دوستوں کے ایک گروپ کے ساتھ شکار کی غرض سے ایسے وسیع صحرا کی جانب نکل گئے جو چار سو کلو میٹر ریت کے وسط میں واقع تھا، وہاں متعدد ایام گزارنے کے بعد میں نے اور میرے بھائی نے واپسی کا پروگرام بنایا اور مشرق کی طرف ایک غلط راستے پر چل نکلے۔ ایک عرصے کے بعد ہم نے ایک گاڑی والے کو دیکھا، اس سے کچھ پٹرول حاصل کیا اور شمال کی جانب روانہ ہو گئے۔

راستے میں گاڑی خراب ہو گئی اور تیس کی رفتار سے زیادہ نہیں چل رہی تھی، پہیہ اوپر والے کور سے ٹکرا رہا تھا، حالاں کہ ہم رسیوں اور تاروں سے اسے باندھ چکے تھے۔ جمعہ کی صبح سے چلے ہوئے تھے اور شام ہمیں ایسے علاقے میں ہوئی، جو چھوٹے چھوٹے درختوں سے، جو ریت سے اَٹے پڑے تھے، بھرا پڑا تھا۔ وہاں پرانی طرز کی شکستہ گاڑی پر نظر پڑی تو دل میں خیال آیا، وہاں دیکھتے ہیں شاید ہماری گاڑی کی ٹیوننگ کا کچھ سامان فراہم ہو جائے، لیکن وہاں گاڑی والے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ لگتا تھا کہ صحرا کی وحشت اس کی جان لے چکی تھی۔

---

[1] أنیس الصالحین (ص: ۲۳، ۲٤)

خوف ہمارے دلوں میں سرایت کرنے لگا کہ چند گھڑیوں میں ہمارا حشر بھی یہی ہونے والا ہے۔ اوپر سے گاڑی بھی بند ہو چکی تھی۔ میں نے اسٹارٹ کرنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، حالاں کہ بظاہر گاڑی درست نظر آ رہی تھی۔ بار بار اسٹارٹ بھی نہیں کر رہا تھا کہ بیٹری کی کرنٹ ختم نہ ہو جائے۔ خوف بڑھنے لگا، گھنے بادل منڈلانے لگے اور ماحول بارشیلا اور خنک ہو گیا۔ ادھر وہ مردہ جسم اور ہڈیاں ہمارے قریب پڑی تھیں۔ سو ہم اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو گئے اور آہ وزاری کرنے لگے کہ وہ مشکل کشا اور فریاد رس ہے۔

پھر دوبارہ گاڑی کی طرف بڑھا، تاکہ اسٹارٹ کروں اور ایک ہاتھ دل پہ تھا، چابی گھمائی، لیکن ناکامی ہوئی۔ میں نے پھر دوبارہ کوشش کی تو اچانک گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔ میں فوراً سجدہ ریز ہو گیا، پھر جلدی سے گاڑی میں سوار ہوئے اور اس جگہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ کئی گھنٹوں کے بعد ایک گاڑی کی لائٹ دیکھی، اس کی جانب لپکے، پوچھا کہ باقی مسافت کتنی ہے؟ اس نے کہا: ۲۵۰ کلومیٹر، ہم نے قریب ترین راستے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ۵۰ کلومیٹر کی دوری پر ہے، ہم اس کی جانب بڑھے اور گاڑی کے اندر سو گئے، کیونکہ بارش تیز تھی، جب فجر کا وقت ہوا تو نماز ادا کی اور سوئے منزل روانہ ہو گئے، حتی کہ منزل پر گامزن ہوئے۔ وللہ الحمد [1]

بھسم کر دینے والی ساعت اور پروانۂ نجات

میں جس مسجد کے پڑوس میں رہائش پذیر ہوں، وہاں ایک بھائی نے قسم

[1] ''مجلّہ شباب'' (العدد ہ ۳۵۔ شوال ۱۴۲۲ ھ)

اٹھاتے ہوئے یہ قصہ بیان کیا کہ میں نے صاحبِ واقعہ سے اِسے سنا ہے۔

تائب ہونے والا وہ نوجوان کہتا ہے:

ہم تین دوست تھے۔ ہم نے اللہ کی نافرمانی کا پروگرام بنایا۔ میرے دونوں دوست ہر سال کسی ملک کا رخ کرتے، شراب و کباب، زنا کاری، جوئے اور دیگر فواحش سے اللہ سے اعلانِ جنگ کیا کرتے۔ اس سال انھوں نے مجھے بھی ساتھ لے جانے پر آمادہ کر لیا اور نقل و حرکت کی آسانی کے لیے گاڑی پر سفر اختیار کرنا طے پایا۔

اسی دوران میں کہ ہم محوِ سفر تھے اور ابھی زیادہ مسافت طے نہیں کی تھی، میں پچھلی سیٹ پر تھا اور میرے دونوں دوست اگلی سیٹ پر، اچانک میری نظر سڑک کے کنارے پر لگی ہوئی تختی پر پڑی، جو مسافت کے میل بتاتی ہے، اس پر لکھی ہوئی عبارت مجھے ورطۂ حیرت میں گم کر گئی کہ ۱۵۰ کلو میٹر جہنم تک، یا اللہ! میں اپنی سیٹ پر بھڑک اٹھا۔ ساتھیو! تم نے دیکھا نہیں وہ سنگِ میل پر کیا لکھا تھا؟ وہ بولے: کیا تھا؟ میں نے کہا: اس پر لکھا تھا ۱۵۰ کلو میٹر جہنم تک۔ وہ بولے: تمھیں نیند آ رہی ہے، ایسی کوئی بات نہیں، یہ محض خیالات ہیں۔ میں خاموش ہو گیا۔ ۵۰ کلو میٹر طے کرنے کے بعد وہ تختی دوبارہ آئی، تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ذریعے بچا لے۔ ۱۰۰ کلو میٹر جہنم تک۔ اس پر میں اپنے دوستوں کو اللہ کی طرف تائب ہونے کا کہنے لگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دھمکی اور ڈراوا ہے، باز آ جاؤ! واپس پلٹ جاؤ! لیکن وہ نہ مانے۔

اس پر میں نے گاڑی سے اترنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور واپس جانا چاہا،

انھوں نے مجھے اتار دیا اور آگے بڑھ گئے۔ یہ رات کے تین بجے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹا سواری کا انتظار کرتا رہا۔ اچانک ایک ٹرک آتے ہوئے دیکھا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، ڈرائیور نے ٹرک روکا اور میں سوار ہو گیا، اس نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی، لیکن بار بار پڑھ رہا تھا: إنا للّٰه و إنا إليه راجعون.

میں نے پوچھا: تجھے کیا ہے؟ وہ بولا: سامنے والی سڑک پر گاڑی کا ایک ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ جل گئی، سواریاں بھی جھلس گئیں، میں نے ان کی مدد کی کوشش کی، لیکن آگ اسے اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ میں نے پوچھا: اس گاڑی کا رنگ کیا تھا تو معلوم ہوا کہ وہ میرے دوستوں ہی کی گاڑی تھی! تب میں رونے لگا اور اللہ ذوالجلال کا شکریہ ادا کرنے لگا جس نے مجھے بچا لیا۔ نوجوانوں سے بھی یہی کہتا ہوں:

اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ اور باری تعالیٰ سے توبہ کرو۔ اَللّٰھم ارحمنا وأحسن خاتمتنا، آمين.

ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے

یزید بن ہارون رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ میں محدث اصبغ بن یزید الوراق رحمہ اللہ کی خدمت میں حدیث سننے کے لیے صبح صبح حاضر ہوا تو میں نے انھیں شدتِ غم کی کیفیت میں پایا۔

میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے! وجہ ٔ غم کیا ہے؟ فرمایا: اگر حدیث لکھنا چاہتے ہو تو لکھو، ورنہ چلے جاؤ۔ میں نے حدیث لکھی اور واپس ہو گیا۔ جب اگلا دن ہوا تو میں پھر علی الصبح چلا گیا اور اب ان کا غم پہلے سے دوگنا تھا۔ میں نے سبب

دریافت کرنا چاہا تو فرمایا: لکھنا ہے تو لکھو، ورنہ چلے جاؤ۔ میں نے لکھا اور چلا آیا۔

جب تیسرے دن گیا تو وہ بڑے خوش روئی اور تپاک سے ملے۔ خوشی و فرحت ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔ میں نے کہا: آج الحمد للہ! آپ بڑے شاداں و فرحاں نظر آ رہے ہیں؟ جب کہ گزشتہ روز بڑے مغموم تھے، اصل بات کیا ہے؟

فرمایا: اگر سابقہ دنوں میں تو نے پوچھا نہ ہوتا تو تجھے نہ بتلاتا، لیکن اب تجھے بتاتا ہوں کہ میں اور میرے گھر والوں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آج ایسے ہوا کہ میری چھوٹی بچی آئی اور بھوک کی شکایت کی۔ میں نے اسے چھوڑا اور وضو کے برتن کے پاس آیا۔ وضو کر کے دو رکعت نفل نماز ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں دعا کا وہ خوبصورت انداز بھلا چکا تھا۔ میں نے کہا: الٰہی! اگر تو نے مجھے رزق سے بھوکا رکھنا ہے، رکھ لے، دعا سے تو محروم نہ رکھ، سو مجھے دعا الہام کر دی گئی۔ میں نے کہا: الٰہی! میرے لیے رزق کا ایسا بندوبست فرما، جس میں کسی کا مجھ پر بوجھ نہ ہو اور نہ قیامت کے دن تیرا جواب دہ ہوں، برحمتك یا أرحم الراحمین۔ پھر میں گھر کی جانب چلا گیا، اچانک میری بڑی بیٹی دیکھ کر کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: ابا جان! ابھی کوئی چچا جان آئے تھے اور درہموں کی تھیلی دے گئے ہیں، ساتھ ایک سواری جس پر آٹا اور دوسری پر بازار کی ہر چیز تھی، دے گئے ہیں اور کہہ رہے تھے: میرے بھائی کو سلام کہنا۔

اصبغ بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا کوئی بھائی تھا نہ میں اس کو پہچانتا ہوں، لیکن اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

---

[1] انظر: المستغیثون باللہ تعالیٰ لا بن بشکوال، (ص: ٦٤، ٦٥)

اے مشکل کشا

ایک عورت نے یہ واقعہ بیان کیا کہ میرے خاوند نے ایک شخص سے چوبیس ہزار ریال ادھار لیے۔ کئی سال بیت گئے مگر میرے میاں کے پاس مال جمع نہ ہوسکا۔ قرض اس کے کندھوں کو بوجھل کر چکا تھا، وہ دائمی غم زدہ اور فکرمند رہتا تھا۔ خاوند کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر میرے لیے دنیا تنگ ہوگئی۔ رمضان کی ایک رات میں کھڑی ہوئی، نماز پڑھی اور بڑے الحاح سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگی۔ میں شدت سے رو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے شوہر کا قرض ادا کر دے۔ اگلے دن افطار سے کچھ پہلے میں نے دیکھا کہ وہ فون پر کسی سے بات کر رہے ہیں، آواز بلند تھی، میں نے سوچا کوئی برا معاملہ ہے۔ جلدی گئی، لیکن رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ میں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ وہ بولے اور مارے خوشی کے بات نہ کر سکتے تھے، مسرت کے آنسو ٹپک رہے تھے، فون والا قرض خواہ ہی تھا، بتا رہا تھا کہ مال اس نے ہبہ کر دیا ہے اور رہی میں تو بس چپ سی کر گئی اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں؟ گویا کوئی پہاڑ تھا، جو میرے سر سے ہٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر وردِ زبان ہوگیا اور قرض خواہ کا بھی شکریہ ادا کیا۔

سحری کی دعا

ایک آدمی تھا، اس کی ملازمت جاتی رہی، جس کی وجہ سے وہ بڑی اذیت، غم اور کرب کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ کسی ایسے شخص کی جستجو میں تھا، جو ملازمت کے حوالے سے اس کی کہیں سفارش کر دے۔ وہ ایک دن کسی شیخ سے ملا اور نوکری کے

متعلق باہمی گفت وشنید ہونے لگی، دریں اثنا اس شخص نے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے فلاں شخص کو دیکھا ہے؟ شیخ نے کہا: میں نے اسے نہیں دیکھا، لیکن کیا تمھاری ضرورت پوری ہو چکی ہے؟ وہ بولا: میں ہنوز کسی سفارشی کی تلاش میں ہوں۔

شیخ نے کہا: ایک ہے جو تیرے مطالب کو پورا اور غم کو دور کر سکتا ہے۔ آدمی بولا: کیا ڈائریکٹر پر کوئی موثر ہو سکتا ہے؟ کہا: ہاں، وہ بولا: کون ہے؟ کہا: وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ آدمی تردد میں پڑ گیا اور شیخ کہنے لگا: اللہ سے ڈریں، اگر میں آپ سے کہتا کہ فلاں بندہ ہے تو آپ کہتے: مجھے اس کے پاس لے چلو۔ شیخ نے کہا: کیا تم نے سحری کی دعا کا تجربہ نہیں کیا؟ پھر وہ دونوں جدا ہو گئے اور ایک مدت کے بعد ملے، اس آدمی نے خندہ روئی سے شیخ کو مخاطب کیا: میں اس دن سے کسی کے پاس نہیں گیا اور سحری کے وقت کھڑا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے کوئی مجھے بیدار کر رہا ہو۔ میں نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے صدق و اخلاص کے ساتھ دعا مانگی۔ صبح میں نے ارادہ کیا کہ نوکری والی جگہ پر جاؤں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ میں راستہ تبدیل کر لیتا ہوں اور سرکاری عدالتوں کے قریب سے گزرتا ہوں۔ دل میں سوچا کیوں نہ اندر جاؤں اور کوئی بات چیت کروں؟ جب ڈائریکٹر کے پاس گیا تو وہ میری خاطر کھڑا ہو گیا اور خوش آمدید کہا۔ میں نے بتایا کہ نوکری کی تلاش میں نکلا ہوں۔ وہ بولا: ہمارے پاس دو ملازمتیں ہیں، تم جو چاہو پسند کر لو اور فلاں دن سے اپنی سروس شروع کر دو۔

دعا کشادگی کی چابی ہے

ان کے گھر میں کھانے نام کی کوئی چیز نہ تھی، کیونکہ خاوند کی تنخواہ نئے گھر

کی اقساط ادا کرنے ہی میں ختم ہو گئی تھی۔ بیوی کے پاس بھی کوئی چارہ نہیں تھا، جس سے ضرورت کا اناج حاصل کر سکے۔ بچوں کے خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ رات کے پچھلے پہر رحمتوں کے نزول اور دعاؤں کی قبولیت کے لمحات میں اٹھی، دوپٹا اوڑھا، محراب میں کھڑی ہوئی اور جو نصیب تھا، نماز ادا کی۔ دعا کرتے ہوئے فجر کی اذان ہو گئی، نمازِ فجر ادا کی اور اسی جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگی، دعا و مناجات کرتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ چاشت کے وقت بیدار ہوئی۔ چاشت کی نماز پڑھی اور پھر دعا میں مشغول ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا چھوٹا بچہ باغیچے سے آیا، گھنٹی بجی، بچے کو دروازہ کھولنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ اہلِ خیر میں سے ایک اچھا انسان تھا، اس کے ہاتھ میں اناج اور بعض گھریلو سامان تھا، جسے وہ دروازے کے اندر رکھ دیتا ہے۔ ماں دیکھنے گئی کہ یہ کون ہے؟ اپنے بیٹے کی آواز سنی، وہ اس آدمی سے کہہ رہا تھا: آپ کون؟ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور بچے کو اندر کر کے دروازہ بند کر کے چل دیا۔ خاتونِ خانہ نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

دعا کا دامن مت چھوڑو، وہ شفا کے انتہائی قریب ہے

اس کے کان میں شدید درد تھا، وہ ہسپتال چلی گئی۔ معاینے کے بعد ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ آپریشن کیا جائے گا۔ وہ دل میں سوچنے لگی اور چہرہ بے حجاب کرنے سے بچنے کے لیے انکار کر دیا۔ تب ڈاکٹر کو ایک عورت یاد آ گئی، جس نے ایسے ہی انکار کیا تھا اور ساتھ ہی مسکرا پڑا اور بولا: اگر تم آپریشن نہیں چاہتی تو اس بڑھیا کی طرح ہو جاؤ، جو میرے پاس آئی تھی اور اتفاق سے اس کا علاج

بھی آپریشن ہی تھا، لیکن یہ سن کر وہ رو پڑی اور کہنے لگی: ڈاکٹر صاحب! واللہ! میں غیر محرم کے آگے بے حجاب نہیں ہوسکتی۔ میں نے واضح کیا کہ آپ کا علاج اس کے علاوہ ممکن نہیں ہے، آپ کی کیفیت کا تقاضا یہی ہے، لیکن وہ مسلسل انکار پر اصرار کرتی رہی، بالآخر میں نے اسے مزید وقت دے دیا کہ شاید وہ کچھ سوچ کر آپریشن کے لیے تیار ہو جائے۔

جب دوسرا وقت آیا اور وہ آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہی ہے اور دعا مانگ رہی ہے۔

جب میں کرسی پر بیٹھا اور معاینہ کیا تو جس حقیقت حال نے مجھے حیران کر دیا اور میرے ایمان میں اضافہ کر دیا، وہ یہ کہ کان بالکل سو فی صد ٹھیک تھا۔ میں نے حیرانگی سے پوچھا: ماجرا کیا ہے؟

وہ کہنے لگی: جب سے میں آپ کے پاس سے گئی تھی، لگاتار شفا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی، کیونکہ میں غیر محرم کے سامنے منہ کھول کر آنے پر موت کو ترجیح دیتی ہوں۔ میں نے کہا: یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر وہ اس عورت سے کہنے لگا: اگر تمھیں بھی آپریشن سے گریز ہو، تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، گریہ زاری سے کام لو کہ تم کو بھی شفا عطا فرما دے۔ وہ عورت کہنے لگی: اس بڑھیا کی مثل کون ہوسکتا ہے، شاید وہ بڑی عابد و زاہد ہو گی، لیکن میں بھی اپنے رب کو پکاروں گی، پھر وہاں سے چلی گئی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا و مناجات کا سلسلہ جاری کر دیا، اس طرح دن گزر گئے اور وہ دوبارہ ہسپتال میں آئی۔ ڈاکٹر کے پاس گئی، جو ایک اور حادثے کا منتظر تھا، اس نے معاینہ شروع کیا (گویا میں اس کے پاس ہوں اس کا دل لرزاں تھا کہ اس خاتون نے کمال

مناجات کیں) معاینے کے بعد اس کو شرح صدر حاصل ہو چکی تھی اور خوش ہو کر اور اللہ تعالیٰ کا نام وردِ زبان بنا کر کہنے لگا: کان بالکل صحیح ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ عورت خوش ہو گئی اور اس کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

لك الحمد يا رب فأنت على كل شيء قدير. پھر ڈاکٹر سے کہنے لگی: میں نے دعا کا دامن نہ چھوڑا اور مجھے اسی ذات نے شفا دے دی، جو علیم، خبیر، قریب اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

مشکلات کو ٹال دینے والی دعا کو لازمی اختیار کرو

ابو بکر رازی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

میں اصبہان میں ابو نعیم رحمہ اللہ کے پاس حدیث لکھا کرتا تھا۔ وہاں ابو بکر نامی ایک صاحبِ فتویٰ شیخ تھے۔ ان کے متعلق حکمرانِ وقت کو اکسایا گیا، جس کے نتیجے میں وہ قید کر دیے گئے۔ میں نے خواب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب جنابِ جبریل علیہ السلام تھے، جو لگاتار تسبیح کیے جا رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا: ''ابو بکر بن علی سے کہو، مصائب کو ٹالنے والی وہ دعا پڑھے، جو صحیح بخاری میں ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نجات دے دیں۔'' کہتے ہیں: صبح ہوئی تو میں نے امام ابو بکر کو یہ بات بتا دی، جب انھوں نے دعا کی تو تھوڑے دنوں کے بعد ہی اسے رہائی مل گئی۔[1]

لیجیے وہ دعا یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

[1] فيض القدير لعبد الرؤف المناوي (٥/ ٢٣١)

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ))[1]

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو کہ عظیم اور حلیم ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو کہ بڑے عرش کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو کہ آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے اور عزت والے عرش کا رب ہے۔''

اگر اللہ کو صدقِ دل سے پکارو گے تو وہ تمھاری مراد بھر لائے گا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن سمیط حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''میں سوڈان میں کام کے سلسلہ میں مصروف تھا کہ پتا چلا ایک اللہ کی طرف دعوت دینے والا چالیس سال قبل ''جبال النوبہ'' علاقے میں آ گیا۔ یہ علاقہ بت پرستی میں مشہور تھا اور ہر ایک بستی میں جادوگر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ داعی اسلام کی کھول کر وضاحت کیا کرتا، جس پر جادوگروں نے اکٹھے ہو کر لوگوں کو اکسایا اور وہ مل کر شیخ کے پاس چلے گئے اور یوں گویا ہوئے:

''ہم بڑی قحط سالی میں ہیں، اگر تیرا رب ہی صحیح سچا رب ہے تو دعا کرو کہ وہ بارش برسائے۔''

شیخ بلا تردد کہنے لگے: آج کون سا دن ہے؟ وہ بولے: پیر، شیخ نے کہا: میں بدھ والے دن دعا کروں گا، چنانچہ اسی وقت بیٹھے اور نماز اور دعا و مناجات

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٣٠)

میں مشغول ہو گئے۔ کسی بھی رات ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں سوئے، بدھ والے دن لوگوں کو جمع کیا اور دعا شروع کر دی۔ مجھے پہلے مسلمان بتاتے ہیں کہ بارش اتنی وافر مقدار میں اتری کہ علاقہ بھر میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی، گھر منہدم ہو گئے اور ساری کی ساری بستی صاف ہو کر رہ گئی۔[1]

جنگلی جانور اللہ کے لشکر کے لیے راستہ کشادہ کر دیتے ہیں

وہ عقبہ بن نافع رحمہ اللہ تھے، سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار کا لشکر جرار دے کر بھیجا تھا، انھوں نے افریقہ فتح کیا اور لشکر کا بڑا حصہ ہانک لائے، اس جگہ بڑا گھنا جنگل تھا، درندوں اور سانپوں کے خوف سے کوئی ادھر ٹپکتا نہ تھا۔ انھوں نے دعا کی تو جنگل میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ جانور بھاگ گئے، حتی کہ وہ اپنے بچوں کو منہ میں اٹھائے ہوئے تھے۔

موسی بن علی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے آواز لگائی! ہم یہاں پڑاؤ ڈال رہے ہیں، تم کوچ کر جاؤ، تو سانپ وغیرہ اپنے بلوں سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

محمد بن عمرو نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ جب عقبہ نے افریقہ کو فتح کیا تو کہا: اے وادی والو! ہم ان شاء اللہ یہاں اترنے والے ہیں، تم کوچ کر جاؤ۔ تین بار دہرایا، پس ہم نے جو پتھر اور درخت دیکھا، اس کے نیچے سے جانور نکل رہے تھے، حتی کہ دامنِ وادی میں پہنچ گئے، پھر عقبہ نے کہا: ''لوگو! اللہ کے نام سے پڑاؤ ڈال لو۔''[2]

---

[1] مشاهداتي في أفريقياد. عبد الرحمٰن السميط

[2] السير (۵۳۳/۳)

طواف کے دوران خاتون کی بینائی لوٹ آئی

ایک عورت زمین پر گری جس کی وجہ سے اس کی بینائی جاتی رہی۔ وہ بے حد متاثر ہوئی اور اپنے گھر والوں کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لیے چلی گئی۔ جب وہاں پہنچی، رخِ ارضی کے سب سے پاکیزہ حصے پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگی کہ اس کی بینائی لوٹ آئے، اسی دوران میں وہ طواف کر رہی تھی کہ اس کا سر چکرانے لگا اور بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر ایک وقت افاقہ ہوا، اچانک اس کی بینائی واپس آ چکی تھی، اس نے بہت زیادہ شکرِ الٰہی بجا لایا اور تادیر حرم میں حمدِ الٰہی میں مصروف رہی۔

بارش اتری اور سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن سمیط کہتے ہیں: دس یا گیارہ سال قبل ہمیں ایک بت پرست قبیلے کے متعلق انکشاف ہوا تو ہم معلومات اکٹھی کرنے کے لیے وہاں پہنچ گئے، تاکہ دعوتی پروگرام مرتب کیا جا سکے۔ جب میں وہاں پہنچا تو انھیں معلوم ہوا کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ کہنے لگے: ہم نصرانیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور تم ہمیں اسلام کی دعوت دے رہے ہو، لیکن ہمارے اعلانِ اسلام سے قبل ہم چاہتے ہیں کہ تم بارش کی دعا کرو، کیونکہ تین سال سے ایک قطرہ بھی نہیں اترا۔ میں نے انھیں معذور جانا، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما لی تو یہ دینِ اسلام حق ہے اور اگر قبول نہ کی تو حق نہیں ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے اور زبان سے زیادہ آنسوؤں سے دعا کی اور کہا:

یا رب! مسئلہ میری ذات سے متعلق نہیں، بلکہ میرے دین سے متعلق ہے، اس دین کو ان خطاؤں کے باعث ذلیل نہ کرنا جن کا میں نے ارتکاب کیا۔ میں لگاتار روتا رہا، دعا کرتا رہا، پھر دعا ختم کی، وہ کہنے لگے: ہم تین گھنٹوں کے بعد تمھارے پاس آئیں گے۔ ہم جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، ظہر کا وقت تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس دن کچھ نہ کھایا تھا اور نہ اس سے گزشتہ روز، عصر کا وقت ہوا تو وہ ہماری جانب آ رہے تھے، اچانک آسمان سے بارش برسنے لگی، ہم نے اللہ کا شکر بجا لایا، کیونکہ سارا قبیلہ ہی مسلمان ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں آسمان سے پلا دیا

عجمی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ایک لشکر لے کر آیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہو گیا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھا تو ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ بادشاہ کہنے لگا: ان کے لیے اس سے بڑی اور سخت سزا کوئی نہیں کہ ہم ان کا گھیراؤ کر لیں، پھر انھیں نیچے اس جگہ اتاریں، حتی کہ پیاس سے مر جائیں۔ چنانچہ انھوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ انھیں سخت پیاس اور گرمی نے تپا دیا، وہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنے لگے، ایک بادل آیا اور ہر آدمی اپنی ٹوپی میں قطرات لینے لگا، حتیٰ کہ وہ بھر جاتیں، پھر وہ پیتے اور سیراب ہو جاتے، وہ بادشاہ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا: چلو، اللہ کی قسم! میں ایسی قوم کو قتل نہیں کر سکتا، جنھیں میری آنکھوں کے سامنے اللہ آسمان سے پلا رہا ہے۔[1]

---

[1] الدعوات لابن أبي الدنيا (ص: ٦٤)

رات کے حصے

شیخ انس بن سعید حفظہ اللہ نے ماں کے نافرمان ایک شخص کا قصہ بیان کیا، کہتے ہیں:

وہ اپنی ماں کے ساتھ درشت رویہ اختیار کرتا، بلکہ اسے گالیاں دیتا اور کوستا رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جسمانی قوت سے نوازا ہوا تھا، لیکن وہ اسے ظلم واستبداد میں صرف کر رہا تھا۔ بوڑھی عورت اکثر کہا کرتی تھی کہ وہ اپنی ناشائستگی کو کم کرے، گردو پیش کے تمام لوگ اس سے متنفر ہو گئے، حتی کہ بیوی بھی طلاق لے کر چلی گئی۔ وہ بوڑھی ماں سے خدمت لیتا، وہ اس کے سارے کام کاج کرتی، حالانکہ وہ خود خدمت کی محتاج تھی۔ کس قدر آنسو اس کے رخساروں پر ٹپکتے رہتے اور دعا کرتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے جگر کے ٹکڑے کی اصلاح کر دے، اس کے دل کو ہدایت دے دے، ایسے کیوں نہ کہتی؟ وہی اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔

ایک دن ماں کے پاس آیا تو شر اس کی آنکھوں سے ہویدا تھا، وہ چلانے لگا: کھانا تیار کیوں نہیں کیا۔ بڑھیا کمزور جسم اور کپکپاتے ہاتھوں سے اٹھی، لمبی عمر، امراض اور غموں نے اسے بوجھل کر دیا تھا، وہ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کھانا تیار کرنے لگی۔

جب کھانا بیٹے کے سامنے آیا تو اسے من نہ بھایا اور اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ماں پر سیخ پا ہونے لگا۔ میں ایک سیاہ بالوں والی بڑھیا کے پلے پڑ گیا ہوں، نہ جانے کب نجات پاؤں گا، اس پر ماں رونے لگی اور کہنے لگی، دریں حالیکہ آنسو اس کے رخساروں پر تھے: اے بیٹے اللہ سے ڈر! آگ سے

خوف نہیں آتا کیا؟ اللہ کی ناراضی اور غضب سے نہیں ڈرتے؟ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی حرام قرار دی ہے۔ کیا اس بات سے نہیں ڈرتے کہ میں بد دعا کروں گی؟ اس بات کو سن کر وہ بگولۂ آتش اور جنونی ہو گیا۔ ماں کو کپڑوں سے پکڑ کر شدت سے جھنجھوڑنے لگا:

سن! میں نصیحتوں کا ارادہ نہیں رکھتا، میں ایسا نہیں جسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر۔ پھر اس نے ماں کو اٹھا کر دور پھینکا، اس کا رونا اس کی زہریلی ہنسی سے مختلط ہو گیا اور کہنے لگا: ابھی تو میرے لیے بد دعا کرے گی۔ تو سمجھتی ہے کہ اللہ تیری بد دعا قبول کرلے گا۔ پھر وہ چلا گیا اور ماں کا استہزاو مذاق اڑا رہا تھا۔

ماں کئی دن اور راتیں گرم آنسو بہاتی رہی، وہ اپنے عالمِ شباب کو بھی روتی رہی، جو بیٹے کی پرورش میں گزرا تھا، لیکن بیٹا گھر سے نکلا تو گاڑی میں سوار ہوا اور اونچی آواز میں ٹیپ لگا لی، تاکہ گانوں سے دل کو بہلا سکے اور جو کچھ ماں کے ساتھ کیا اسے بھلا سکے، وہ غم واندوہ کا ڈھیر ہو چکی تھی، الم اس کے دل کو نچوڑ رہا تھا اور افسوس کلیجے کو چاک کر رہا تھا، ان الفاظ کے ساتھ ماں اپنا شکوہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتی ہے: حسبي الله ونعم الوكيل! بیٹا ساتھ والی بستی کی طرف جا رہا تھا۔ وہ جنونی رفتار سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑا اونٹ (جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر مسلط کر دیا تھا) سڑک کے درمیان آ گیا، گاڑی آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی اور وہ اسے قابو میں نہ رکھ سکا۔ اونٹ سے ٹکرائی اور لوہے کا ایک ٹکڑا اس کی پسلیوں میں پیوست ہو گیا، اس کا سارا جسم بے حس و جان ہو گیا، صرف سر ہلا سکتا تھا۔ وہ اسی حالت میں رہا، تاکہ نشانِ عبرت بن سکے، پھر موت کے گھاٹ چڑھ گیا۔

والدین کی دعا ے برکت

ابو بکر طرطوشی کا بیان ہے:

ایک عورت جناب بقی بن مخلد رحمہ اللہ کے پاس آئی (وہ علماے اندلس میں سے وسیع علم و درایت رکھنے والے مشائخ میں سے تھے) اور کہنے لگی:

میرے بیٹے کو رومیوں نے قیدی بنا لیا ہے، میرے پاس چھوٹے سے گھر کے علاوہ کچھ نہیں، اسے میں فروخت نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کسی کو کہہ دیں کہ کچھ فدیہ دے دے کہ میں ہر وقت پریشان ہوں، میرے لیے لیل ہے نہ نہار، نوم ہے نہ قرار! وہ بولے: ہاں! مجھے مہلت دو، تاکہ میں اس کے معاملے میں غور و خوض کر سکوں، إن شاء اللّٰہ۔ پھر شیخ گردن جھکا کر سوچ میں پڑ گئے اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دی، وہ عورت ایک عرصے کے بعد آئی اور اس کے ہمراہ اس کا بیٹا بھی تھا۔ اس نے دعائیں دینی شروع کر دیں اور کہنے لگی: اپنا قصہ بیان کرو! وہ بولا:

میں بعض رومی بادشاہوں کا قیدی تھا، اس کا ایک آدمی ہم سے خدمت لیا کرتا اور تکلیف دیتا تھا، جبکہ ہم بیڑیوں میں تھے۔ ہم ایک رات کام سے آئے تو بیڑی میرے پاؤں سے اتر کر زمین پر گر گئی اور اس دن کا ذکر کیا، جس دن اور جس وقت شیخ محترم نے دعا کی تھی، کہا: جو آدمی ہم سے خدمت لیا کرتا تھا، چلایا اور کہا: تو نے بیڑی توڑ دی؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن خود ہی پاؤں سے گر گئی ہے، انھوں نے لوہار کو بلایا اور پھر بیڑی پہنا دی، جب میں چند قدم چلا تو بیڑی پھر پاؤں سے گر گئی۔ وہ حیران و ششدر رہ گئے اور اپنے راہبوں کو بلا لائے، وہ کہنے لگے: کیا تیری ماں ہے؟ میں نے کہا: ہاں، وہ کہنے لگے: اس کی دعا قبول

ہوگئی ہے، جسے اللہ نے آزاد کر دیا ہے اسے ہم قید نہیں رکھ سکتے، چنانچہ انھوں نے مجھے زادِ راہ دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں چھوڑ گئے۔[1]

وہ اپنے باپ کی دعا سے کامیاب ہوا اور مرتبہ عظیمہ کو پہنچ گیا

ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی بڑی تنگی اور کسمپرسی کے عالم میں تھا۔ ذریعۂ معاش کے لیے سرگرداں رہتا، تاکہ اپنے والدین کی مدد کر سکے۔ جب دن کی مزدوری لاتا تو اس شرم سے کہ باپ اس کے ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا، اسے میز پر رکھ دیتا اور وہ جب بھی رکھتا اس کا والد یہ دعا دیتا:

''الٰہی! میرے بیٹے کو قرآن عطا فرما اور قرآن والوں میں شامل فرما۔''

بیٹا بیس برس کا ہو گیا اور حصولِ رزق کے لیے دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ ایک دن جب اپنے کام سے واپس آ رہا تھا تو ایک عالم سے ملا جو اپنے علاقے کے مفتی تھے۔ عالم نے نوجوان سے کہا: کیا مصروفیات ہیں؟ وہ بولا: رزق کی تلاش میں ہوں۔ عالم نے کہا: کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ ہفتے بھر سے ایک دن میرے لیے مختص کرے۔ وہ بولا: جی ہاں اور میری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہوں گی۔

وہ لگاتار عالم کے پاس چکر لگاتا رہا، حتی کہ صاحبِ علم ہو گیا اور بتدریج ترقی کی منازل طے کرتا رہا، حتی کہ وہ دن بھی آ گیا، جب اس کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ بعنوان ''تفسیر القرآن الکریم'' کا مناقشہ تھا، جب اسے مناقشہ کے لیے دعوت دی گئی تو وہ بیٹھ گیا۔ اچانک اس کے شیخ اور استادِ گرامی وہاں موجود تھے، وہ ان کی ہیبت و احترام میں کھڑے ہو گئے، پھر گویا ہوئے: جنابِ والا تشریف

[1] الدعاء المأثور وآدابه للحافظ أبي بكر الطرطوسي (ص: ٤٢)

لائیں اور تمام حاضرین کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بولے: اس نوجوان میں جو کتاب اللہ کی معرفت وعلم ہے، اس کے باعث میں خوفزدہ ہو گیا اور اس کی تعظیم و شان کو بجا لایا۔ نوجوان کی ہچکی بندھ گئی، شیخ بولے: ہم تمھاری عزت افزائی کر رہے ہیں اور تم رو رہے ہو؟ وہ بولا: مجھے اپنے والد کی دعا یاد آ گئی: ''الٰہی میرے بیٹے کو قرآن عطا فرما اور قرآن والوں میں شامل فرما۔'' اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اسے قرآن مجید کے علم اور تفسیر کے اس مرتبہ عظمی پر پہنچا دیا اور اس پر اپنی نعمتوں کو نچھاور کر دیا۔

ماں کی دعا کے باعث اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرما لیتے ہیں

اس نوجوان کی گاڑی ایک بڑے ٹرک کے نیچے جا گھسی اور آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور کار کو نکالنے کی کوششیں کرنے لگے۔ ہر کوئی متجسس تھا کہ ڈرائیور کا انجام کیا ہوا؟ بچا کہ نہیں؟ جب انھوں نے کار کو نکالا تو ڈرائیور کو گزند تک نہ پہنچی تھی۔ صرف اس کے اوپر کار کے شیشے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ ورطہء حیرت میں گم لوگوں کی تکبیر و تہلیل کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔ ایک آدمی نے نوجوان سے پوچھا: کیا تجھے کچھ معلوم ہے کہ کس عمل کے باعث اللہ تعالیٰ نے تجھے موت کے منہ سے زندہ نکال لیا؟

وہ بولا: میں جدہ میں کام کرتا ہوں، جب تنخواہ ملتی ہے تو اپنی والدہ کے پاس چلا جاتا ہوں، جو میرا فرض بنتا ہے۔ تنخواہ اسے دے دیتا ہوں، وہ خوش ہو کر دعا دیتی ہے:

''اللہ تیری حفاظت کرے اور برکت عطا فرمائے۔''

بیٹے کی دعا کے باعث باپ کو ہدایت مل گئی

ایک صالح نوجوان تھا، جو نیک لوگوں کی مجالس کو اختیار کرتا تھا، جب کہ اس کا والد اہلِ خیر سے نفرت کرتا اور بسا اوقات بیٹے کے جذبات و احساسات کا خیال نہ رکھتے ہوئے اسے گھر سے بھگا دیا کرتا۔ بیٹا باپ کی ہدایت کے لیے مسلسل دعائیں اور التجائیں کرتا رہتا۔

ایک رات میں کھڑا ہوا، نماز پڑھی اور آخری رکعت میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیے اور آنسوؤں کی لڑیاں بن گئیں۔ وہ اپنے باپ کے لیے دعا کرنے لگا، انھیں لمحات میں جب کہ وہ صدقِ دل سے محوِ دعا تھا، باپ باہر آیا، اس کے کانوں میں رونے کی آواز پڑی، کوئی بڑے درد والم سے رو رہا تھا، وہ آواز کی سمت میں گیا تو اس تک پہنچ گیا، وہ اس کا بیٹا تھا جو بڑی زاری سے باپ کی ہدایت کے لیے التجا کر رہا تھا۔ باپ یہ دیکھ کر بڑا متاثر ہوا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ کمرے کا دروازہ تھا، وہیں روئے جا رہا تھا اور اپنے آپ سے مخاطب تھا: میرا بیٹا میرے لیے دعائیں کرتا ہے اور میں اس کے لیے تنگی پیدا کر رہا ہوں۔ میرا بیٹا میرے لیے التجائیں کرتا ہے اور میں اس سے لڑائی کرتا ہوں۔

جب بیٹے نے نماز ختم کی اور دروازہ کھولا تو اچانک اس کا باپ بیٹھا رو رہا تھا، اس نے جب بیٹے کو دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں اور اُسے گلے لگا لیا۔ اللہ کی قسم! آج کے بعد کبھی تجھے تنگ نہیں کروں گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دے دی۔ عجیب بات یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں دونوں اکٹھے قیام کر رہے ہوتے تھے۔

اولاد کو بد دعا نہ دو

① ایک نوجوان اپنے باپ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن والدِ محترم سے کہنے لگا کہ اسے اجازت دیں، تا کہ کسی جگہ نوکری کے لیے درخواست دے سکے۔ باپ نے انکار کر دیا، بیٹے نے بار بار کوشش کی، لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ بالآخر اس نے عزم کیا کہ والد کی مرضی کے بغیر ہی چلا جائے گا۔ باپ کہنے لگا: میرے پاس تجھے روکنے کی قوت و طاقت تو نہیں، لیکن دعا ہے جو سحری کے وقت میں بارگاہِ الٰہی میں کروں گا۔ بیٹا چلا گیا اور بکریاں ایک اور آدمی کے سپرد کیں اور اپنی ایک قریبی خاتون سے زادِ سفر حاصل کر لیا۔ باپ کو بھی علم ہو گیا اور وہ ایک نیک متقی آدمی تھا، اس نے دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھا دیے کہ اسے بیٹے کے بارے میں ایسی چیز دکھا جو ناپسند و مکروہ ہو۔

چنانچہ بیٹا راستے ہی میں نابینا ہو گیا، اسے اس کے قبیلے کے کچھ افراد ملے اور پوچھنے لگے: کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولا: میں نوکری کے لیے جا رہا تھا، لیکن اب تو اندھا ہو چکا ہوں۔ مجھ جیسا آدمی قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا، وہ اسے ساتھ لے کر اس کے باپ کی طرف چلے آئے۔ رات آدھی ہو چکی تھی، باپ کی بینائی بھی کمزور تھی، کہنے لگا: کیا تو فلاں ہے؟ بیٹا بولا: جی ہاں۔ کہا: تو نے حصہ پا لیا، وہ بولا: ہاں۔ لوگوں نے بتلایا کہ اس کا بیٹا اندھا ہو چکا ہے۔ باپ بڑا غمزدہ اور غمناک ہوا، بڑا اثر لیا، ساری رات روتا رہا، آہیں بھرتا، رکوع و سجود کرتا اور دعائیں کرتا رہا، اپنے بیٹے کی آنکھوں کو زبان سے چومتا اور روتا رہا، واللہ سمیع قریب مجیب! سو وہ نمازِ فجر کے لیے نہیں اٹھا تھا کہ اس کے بیٹے کی

بینائی لوٹ چکی تھی۔

۲ ایک دن اس نے اپنی ماں کے بچے کو تکلیف دی اور ماں کو بے حد پریشان کیا۔ وہ بولی: اللہ تجھے موت دے! وہ گھر سے نکل گیا اور ماں کو علم نہ تھا کہ اس کی بددعا قبول ہو چکی ہے۔ وہ بھاگتا ہوا نکلا اور روڈ کے درمیان آ گیا، ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا گیا، ماں نے ایک عجیب آواز سنی، جس سے اس کا دل پسیج کر رہ گیا۔ گھبرا کر باہر نکلی، اس کا دل کانپ رہا تھا اور وجود پر رعشہ طاری تھا اور یہ خوف چھایا ہوا تھا کہ کہیں اس کے جگر کا ٹکڑا چل نہ بسا ہو۔ جب اس کی بیٹے پر نگاہ پڑی تو سانسوں کی ڈوری ٹوٹ چکی تھی، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی، ہسپتال پہنچائی گئی اور متعدد امراض کا شکار ہو گئی۔ بار بار یہی کہا کرتی: ’’میں ہی ہوں جس نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے۔‘‘

اس نے بددعا کی تو اس کے ہاتھ ٹیڑھے ہو گئے

ابوعبدالرحمٰن طائی کا بیان ہے کہ بنو فہد کا ایک آدمی تھا، جو بڑا بوڑھا اور ناتواں تھا، اس کی کنیت ابو منازل تھی۔ منازل نامی اس کا ایک بیٹا تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، اسے جونہی کوئی چیز حاصل ہوتی وہ ان کو دے دیتا، لیکن منازل اپنے باپ کا عطیہ قبضہ میں لے لیا کرتا۔ وہ ایک ضعیف و نزار آدمی تھا، اس کی دو چھوٹی چھوٹی بیٹیاں بھی تھیں، جب عطیہ نکالا جاتا تو منازل ساتھ ہی نکل آتا اور کہتا: مجھے دو، بوڑھے کو نہ دو۔ باپ بھی کھڑا ہو جاتا اور کہتا: میرا عطیہ میرے ہاتھ میں تھما دو، لوگ ایسے ہی کرتے، بوڑھا اپنا عطیہ اٹھا لیتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور منازل کے سہارے چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ منازل

بولا: لاؤ بوجھ میں اٹھا لوں، باپ بولا: چھوڑ دے۔ جب خالی راستہ آیا، منازل نے باپ کے ہاتھ سے عطیہ جھپٹا اور رفو چکر ہو گیا۔

بوڑھا گھر میں واپس آیا تو ہاتھ خالی تھے، بیوی نے پوچھا کیا کر کے آئے ہیں؟ اس نے کہا: منازل میرا عطیہ لے گیا ہے اور پھر بدنام کرنے لگا کہ میں نے اس کی پرورش کی ہے، اس کی خاطر رنج و محن میں مبتلا کیا گیا ہوں، آج وہ مجھے جب کہ میں انتہائی معمر ہو چکا ہوں، کیا بدلہ دے رہا ہے؟ جس طرح اس نے میرے ہاتھ کو مروڑا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو ٹیڑھا کر دے، چنانچہ صبح ہوئی تو منازل کے ہاتھ واقعتاً ٹیڑھے ہو چکے تھے۔[1]

ماں کی بددعا کے سبب اس کا سر دھڑ سے جدا ہو گیا

ایک بیس سالہ نوجوان تھا۔ اس کی گاڑی بدترین حادثے میں ایک ٹرک کے نیچے آ گئی۔ لوگ اسے بچانے کے لیے جمع ہو گئے، دیکھا تو اس کا سر جسم سے جدا ہو چکا تھا۔ آفیسر نے اس کا فون نمبر تلاش کیا اور گھر فون کیا۔ ایک عورت نے کال ریسیو کی، وہ بولا: یہ فلاں (نوجوان کے باپ) کا گھر ہے؟ وہ بولی: ہاں، اس نے کہا: وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ گھر میں نہیں ہے اور گھر میں کوئی بھی نہیں، اس نے پوچھا: فلاں سے آپ کی رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا: میں اسی کی ماں ہوں۔ وہ ایک تمہید اور اسلوب سے گفتگو کرنے کے بعد بولا: آپ کے بیٹے کا خطرناک حادثہ ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ورثا میں سے کوئی یہاں آئے، تاکہ ضروری قانونی کارروائی کی جا سکے۔

---

[1] مجابي الدعوة لابن أبي الدنيا (ص: ٦١۔٦٢)

جب ماں نے اپنے بیٹے کا نام سنا کہ اس کا کوئی حادثہ ہوا ہے تو ہلاکت و موت کی بد دعا دینے لگی۔ آفیسر ماں کے اس ردِ عمل پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا، پھر اس نے قصہ سنا دیا کہ تمھارے بیٹے کا کیا حشر ہوا ہے اور ساتھ ہی اس کی بد دعا کی وجہ بھی دریافت کی، وہ کہنے لگی: وہ جب گھر سے گیا تھا تو مجھے مار کر گالیاں دے کر گیا تھا، لگاتار مجھے دھتکارتا رہتا تھا، حتی کہ میں اس سے تنگ آ گئی اور بد دعا کر دی کہ اللہ اسے ہلاک کر دے اور مجھے اس سے راحت دے دے۔

قبر میں سٹیمپ

ایک بڑا صاحبِ ثروت آدمی تھا، اس پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی کہ جس سے کوئی بچ نہ سکا، حتی کہ رسول اللہ ﷺ بھی، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس کی اولاد اکٹھی ہو کر سرہانے کھڑی ہوگئی، وہ آدمی انھیں نصیحتیں کرنے لگا کہ آپ تمام بھائی باہم پیار و محبت سے رہنا، آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔ ان سب نے یقین دہانی کروائی کہ ہم آپس میں مل جل کر رہیں گے اور اس وصیت پر عمل کریں گے۔ ملک الموت نے اس کی جان لے لی۔

بیٹے باپ کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے، نمازِ جنازہ پڑھی اور قبرستان کی طرف چل پڑے۔ دفن کرنے اور قبرستان سے نکل آنے کے بعد ایک بیٹا اپنے بھائیوں سے کہنے لگا کہ وہ باپ کی قبر میں دوبارہ داخل ہونا چاہتا ہے، تاکہ اطمینان کر سکے کہ تدفین صحیح ہوئی ہے یا نہیں، نیز وہ قبلہ رخ لٹایا گیا ہے کہ نہیں؟ انھوں نے اجازت دے دی اور یہ مالدار نوجوان باپ کی قبر میں اتر

گیا۔ یہ بیٹا پندرہ منٹ سے زیادہ دیر تک قبر سے نہ نکلا تھا۔ بھائیوں کو پریشانی لگ گئی، ان میں سے ایک قبر میں اترا تا کہ دیکھے وہ وہاں کیا کر رہا ہے، اچانک اس کا بھائی باپ کے پہلو میں مرا پڑا تھا، (یہ معاملہ اتنا عجیب نہیں، لیکن بڑی تعجب خیز بات وہ ہے جسے آپ معلوم کرنے جا رہے ہیں) وہ اس حالت میں پایا گیا تھا کہ اس نے باپ کا کفن اتار کر اس کا ہاتھ باہر نکالا ہوا تھا اور وہ باپ کی مملوکہ ایک عمارت کے کاغذات پر اس کا انگوٹھا لگا رہا تھا۔

جب وہ اس مقصد کے لیے قبر میں اترا تو اس کی ایک جیب میں دوات اور دوسری میں معاہدہ فروخت کے کاغذات تھے۔ اتر کر کفن کھولا، باپ کی انگلی کو پکڑا، اسے سٹیمپ میں رکھا اور پھر اس معاہدے پر انگلی رکھی، تا کہ باپ کی طرف سے رضا مندی کا (جھوٹا) پروانہ حاصل کر سکے۔ اس سے پہلے کہ وہ قبر سے باہر نکلتا اور اس عمارت سے فوائد حاصل کرتا، ملک الموت قبر میں اتر آیا اور اسے باپ کے پہلو میں ہی مار پھینکا، ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم.

قبر میں سٹیمپ! بڑا عجیب عنوان ہے، لیکن قصہ عجیب تر ہے اور جیسا کہ میں نے کہا: کتنے ہی عجائبات ہیں جنھیں ہم سنتے ہیں بلکہ روزانہ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، بلکہ ہر لحظہ۔ وقت ایسا آ گیا ہے کہ ضمیر پرانے، دل مردہ اور لوگ اللہ جل جلالہ کی اطاعت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اکثر دل دنیا سے چمٹ کر آسمانوں اور زمینوں سے بڑی جنت کو بھول گئے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے:

((أَعْدَدتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ فِيْ الْجَنَّةِ، مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا

أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلىٰ قَلْبِ بَشَرٍ)) [1]

''میں نے جنت میں اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں خیال ہی گزرا ہے۔''

ایک نوجوان اور اس کے خاندان کا خاتمہ

یہ اس نوجوان کا قصہ ہے جو بڑی مشقت، تھکن اور تکان کے بعد یونیورسٹی کے مرحلے تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہونے میں صرف ایک سال باقی تھا، اس نے پروگرام بنایا کہ گھر والوں کو بتائے بغیر بیرونِ ملک سفر کرے، لیکن ساتھ ساتھ یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ والدین اجازت نہیں دیں گے، جیسا کہ آج کل بری عادات کے پیشِ نظر والدین کو رکاوٹ سمجھا جاتا ہے، وہ عذر بہانے تلاش کرنے لگا کہ کیسے اپنے مقصد کو حاصل کرے، اس کے اندر ہی اندر ایک جنگ لگی ہوئی تھی، بالآخر ایک خیال سے دل کو قدرے اطمینان حاصل ہوا اور امید کی کرن پھوٹتی نظر آنے لگی، وہ یہ کہ والدین سے اندرون ملک کسی شہر کی سیر و سیاحت کا بہانہ کر کے چلا جائے، تاکہ سال بھر کی تعلیمی تھکن کو اتار کر ذہن کو ترو تازہ کر سکے۔

بے چارہ باپ اس کی چالوں میں آ گیا اور اجازت دے دی۔ باپ کی ہاں سے پہلے ہی یہ دل ہی دل میں سفر کی تیاریاں کرنے لگا اور فوراً بیرونِ ملک کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگا، بالآخر یہ معما تمام ہوا، جبکہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٢٤)

گھر والوں کو کچھ علم نہیں تھا۔

جس دن سفر کا ارادہ تھا، اپنے والد سے رقم کا مطالبہ کرنے لگا، تا کہ اپنے ایامِ نزہت کو بے فکر ہو کر گزار سکے، جو دو ہفتوں سے زیادہ نہ تھے، باپ نے موافقت کرتے ہوئے بیٹے کو خطیر رقم دے دی۔ نوجوان نے گھر والوں کو الوداع کہا اور ایک دوست کو ہمراہ لے کر ائیر پورٹ کی طرف چل دیا۔ راستے میں کہنے لگا کہ میں وہاں نہیں جا رہا جہاں تم سمجھتے ہو، بلکہ میں بیرون ملک جا رہا ہوں، اس کو صیغۂ راز میں رکھنا، باقی تبادلہ خیالات فون پر ہوتا رہے گا۔

دوست نے کوئی تکرار نہ کی اور ائیر پورٹ پہنچ کر فلائٹ کا انتظار کرنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد اعلان ہو گیا، نوجوان نے دوست کو الوداع کہا اور بتمام فرحت و سرور اڑان بھر دی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے مطلوبہ شہر میں پہنچ گیا اور آرام حاصل کرنے کے لیے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل کا انتخاب کیا۔ ہوٹل داخل ہوتے ہی اس نے سنگل بیڈ والا کمرہ لیا اور ساتھ ہی شراب کا آرڈر دیا، تا کہ بے فکر ہو کر بھرپور آرام کر سکے۔

اس نے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک نوجوان عریاں لباس چھریرہ بدن لڑکی اس کی مطلوبہ چیزیں ہاتھوں میں لیے کھڑی ہے، اس نے یہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں کو ملتا ہی رہ گیا، نہ سچ کہہ سکتا تھا نہ جھوٹ، بالآخر جام پکڑا اور انگریزی میں بولا: شکریہ۔

اس کی آنکھوں سے اس لڑکی کا تصور گم نہ ہوتا تھا، ایسا سامانِ فتنہ، پر فریب اور زہد شکن منظر، دل میں چنگاریاں سلگا رہا تھا۔ وہ تھکن بھول گیا، نشہ آوار ڈرنک پیا اور ہوا میں اڑنے لگا۔ وہ اٹھا اور رقص و سرود کی محفل میں چلا گیا،

خوف و دہشت بھی تھی کہ اس ماحول اور ایسے لوگوں سے شناسا نہ تھا۔ آدابِ مستی سے بیگانہ، عریاں و جوان بدن تھر تھرا رہے اور دائیں بائیں جھول رہے تھے، چاہتا تھا کہ ان کا ہم نغمہ ہو جائے، لیکن خوف ذہن پر چھایا ہوا تھا۔

چند ساعتیں گزری تھی کہ اس کے میز پر ایک نوجوان لڑکی آ کر بیٹھ گئی، جو اس لڑکی جیسی تھی، لیکن لباس مختلف تھا۔ لڑکی نے اپنے لیے چند مشروبات منگوائے اور ان کی آپس میں گفتگو شروع ہو گئی، اس دوران بات کھلی کہ یہ وہی لڑکی ہے جو کمرے میں آئی تھی۔ نوجوان نے پوچھا کہ تمھارا لباس کیوں تبدیل ہوا ہے؟

وہ بولی: مجھے کئی سال ہو گئے یہاں ملازمت کرتے ہوئے، جب ڈیوٹی ٹائم ختم ہو جاتا ہے تو میں نئے مہمانوں کو ہوٹل کے متعلق بڑی معلومات دیتی ہوں۔ تمھیں نیا دیکھ کر چلی آئی، تا کہ کچھ تعارف ہو جائے۔ تین چار گھنٹے کی نشست کے بعد اٹھنے لگے تو نوجوان میں حرکت کرنے کی سکت نہ تھی، لڑکی نے اس کی مدد کی اور کمرے تک اسے چھوڑ آئی، اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنے آپ کو بیڈ پر پھینک دیا اور خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگا۔

صبح آنکھ کھلی تو وہ ہکا بکا رہ گیا، وہ لڑکی اس کے پہلو میں تھی۔ وہ بولا: کیا ہوا ہے؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمھیں یہاں آنے اور رات گزارنے کی اجازت کس نے دی؟ وہ کہنے لگی: پرسکون ہو جاؤ، تم نے ہی یہ کیا اور مجھے یہاں آنے کی اجازت دی اور آپ کے ساتھ ویسے بھی میرا رات گزارنا ہوٹل والوں کے علم میں ہے۔ تمھیں کچھ نہیں ہو گا، پریشان مت ہو، پھر بڑے ناز سے کھڑی ہوئی اور ادائیں بھرتی چل دی، یہ اس کے فریب کا شکار ہو کر پھر نیند کے لیے گر گیا۔

جب نوجوان نیند سے بیدار ہوا تو لڑکی سامنے کھڑی تھی، اس کے ہاتھ میں کچھ کھانے کی چیزیں اور مشروبات تھے۔ ساتھ ہی گفتگو کرنے اور کھانے پینے کے لیے مناسب فضا اور خوشگور ماحول بھی بنا لیا۔ نوجوان اٹھا تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے غسل کر کے اپنے آپ کو تازہ دم کیا، واپس آ کر بیٹھ گیا، دونوں نے کھانا تناول کیا، بعد ازاں اندرونِ شہر گھومنے نکل گئے۔ یہ کام بھی لڑکی کے واجبات میں سے تھا تا کہ نئے مہمان کا دل جیت لے اور واپسی پر ہوٹل کے مطلوبہ فوائد اسے حاصل ہوسکیں۔

خوشگوار اور خوبصورت اوقات گزارنے کے بعد واپس ہوٹل میں چلے آئے۔ رات بھر جام کے دور چلتے رہے، حمیت و غیرت کی حدود پار کی جاتی رہیں اور انھی مستیوں میں دو ہفتے گزر گئے۔ ایک دن پہلے نوجوان بازار گیا اور گھر والوں اور دوستوں کے لیے چند تحائف خرید لایا۔

صبح کے وقت روانگی سے ایک گھنٹا پہلے نوجوان نے اپنی محبوبہ کو پرتپاک الوداع کہا اور دوبارہ فرصت ملنے پر آنے کا وعدہ کیا، ایڈریس اور فون نمبرز کا تبادلہ ہوا، ساتھ ہی وہ تصویریں بھی لے گیا جو دونوں نے ساتھ اکٹھی بنوائی تھیں۔

نوجوان اپنے وطن واپس آ گیا، وہ بظاہر بڑی خوشی اور فرحت میں تھا، لیکن اندر سے اندوہ گیں اور افسردہ۔ اسے اپنی محبوبہ یاد آ رہی تھی، ائیر پورٹ پر اسے ریسیو کرنے کے لیے اس کا وہی دوست موجود تھا، جو اسے سی آف کرنے آیا تھا۔ نوجوان راستے میں اسے اپنی تمام رام کہانیاں سنانے لگا اور جو دن وہاں گزارے تھے ان کا تذکرہ کرنے لگا اور آیندہ اپنے دوست کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دینے لگا۔

نوجوان خوشی خوشی اپنے گھر پہنچا، بیگ میں نادر اور خوبصورت تحائف تھے، جن کے بارے میں کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ کہاں سے آئے ہیں، وطن سے یا باہر سے وہ اپنے والد اور بہن بھائیوں کے سامنے بیٹھا اور چند منٹ باتیں کرتا رہا، پھر تکان اور نیند کا بہانہ کر کے کمرے میں چلا گیا۔ بیڈ پر لیٹا تو رنگین ایام کی فلم آنکھوں کے سامنے چلنے لگی، جو اس نوجوان حسینہ کے ساتھ گزارے تھے اور آخری ملاقات میں جو پھر ملنے کے عہد و پیمان ہوئے تھے۔

دوسرے دن نوجوان اپنے والدین کے سامنے بیٹھا اور سفر کے بارے میں تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ وہ ان کے سوالوں کے جھوٹے جواب دے رہا تھا، تاکہ باپ بھانپ نہ سکے کہ وہ کہاں گیا تھا۔ ایک سال بعد وہ یونیورسٹی سے فارغ ہوگیا اور ایک کمپنی میں اچھی ملازمت حاصل کر لی، اس کے منصبِ عالی اور ڈیوٹی کی اچھی شہرت ہوگئی۔

ان سالوں میں وہ دوبارہ اس حسینہ کے بارے میں سوچنے لگا، لیکن اس نے پروگرام بنایا کہ اپنے رشتے داروں میں سے کسی لڑکی سے شادی کر لے، تاکہ اسے پکا پکا بھلا سکے، چنانچہ اپنے والد سے شادی کے بارے میں بات چیت کی، باپ مان گیا اور رغبت ظاہر کی کہ اس کی بھتیجی ہی بہو بنے۔

اس کے بعد شادی کے امور طے پائے اور اس نے ایک مہینا اپنے کام سے چھٹی لی۔ شادی کا پہلا مہینہ اس نے اپنے گھر والوں اور رشتے داروں میں گزارا۔ شادی کے دو یا تین ماہ کے بعد اس کی بیوی امید سے ہوگئی۔ جب اسے پتا چلا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دنیا میں اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، وہ ہر لمحے یہی انتظار کرتا کہ کیا وہ موقع آئے گا جب اسے ہزار ہا مبارک باد دی

جائیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اولاد سے نوازا ہے۔

اس بچے کے پیدا ہونے سے کوئی ایک مہینا پہلے اس نوجوان کو اچانک دردِ سر کا مرض لاحق ہو گیا۔ کھوپڑی میں شدید درد ہونے لگا اور ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ دو ہفتوں کے بعد اس کی طبیعت میں بحالی محسوس ہونے لگی۔ ایک ماہ بعد اس کی بیوی ہسپتال منتقل کر دی گئی، کیونکہ پیدائش کی عوارضات و علامات کا آغاز ہو رہا تھا، اس نے بیٹے کو تولد کیا اور جب خبر اس نوجوان کو ہوئی تو وہ بھی فرحت و شادمانی میں پھولا نہ سما رہا تھا، کیونکہ وہ باپ بن چکا تھا، اب اس کی قسمت اور بھی اچھی ہو گئی۔

ایک روز اچانک اس نوجوان کی طبیعت خراب ہو گئی، بلڈ پریشر ہائی، کھانسی، گردن میں اور بغلوں کے نیچے غدود کا پھولنا، اسہال، وزن میں کمی وغیرہ۔ ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم نے مکمل چیک اپ کیا اور ساری تفتیش کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ''ایڈز'' کی علامات ہیں۔ گھر والوں کو کچھ نہ بتایا گیا، بس اسے علاحدہ کمرے میں منتقل کر دیا گیا، جہاں کوئی اس سے ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گھر والے پریشان ہو گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

ڈاکٹر نے لڑکے کے باپ کو بلایا اور ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ باپ اور گھر والوں کے لیے یہ ایک بڑا صدمہ تھا، باپ نے کہا: یہ بیماری کیسے لگی؟ کب لگی؟ کیا سبب ہے؟ اس کے ذہن میں سو سو سوالات گردش کرنے لگے، بالآخر باپ نے طے کیا کہ اپنے بیٹے سے بات کرے گا، اس بارے میں ڈاکٹر سے بات کی تو وہ مان گیا۔ باپ بیٹے کے پاس گیا تو آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی تھی، وہ کہنے لگا:

اے بیٹے! مجھ سے صحیح بات کرنا جو بھی سوال کروں گا۔ بیٹا کہنے لگا: اے والدِ گرامی! میں سچ بولوں گا، آپ پوچھیں۔ باپ نے پوچھا: تم نے جو سفر کیا تھا، وہ کس شہر کا تھا اور کس کے ساتھ گیا تھا؟ وہ بولا: میں نے اندرونِ ملک فلاں شہر کا سفر کیا تھا، جیسا کہ اس نے پہلے بتایا تھا۔ باپ کہنے لگا: نہیں یہ جھوٹ ہے، بلکہ تم نے بیرونِ ملک سفر اختیار کیا تھا کہ جہاں حرام کو حلال کر لیا جاتا ہے، شراب نوشی ہوتی ہے، کیا ایسے نہیں؟ بیٹا بولا: جی ہاں، باپ نے کہا: إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون، ابھی اس کا یہ جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ اسے فالج کا اٹیک ہو گیا۔

نوجوان کو پتا چل چکا تھا کہ باپ کے ساتھ جو کچھ ہوا، میری وجہ سے ہوا لیکن ابھی تک اسے یہ علم نہ تھا کہ اسے ایڈز ہے۔

اس کی بیوی سمیت گھر والوں کو علم ہوا تو بیوی نے نوجوان سے ملنا چاہا، وہ روتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی: یقیناً تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور اپنے دودھ پیتے بچے پر بھی کہ جسے تم نے ابھی دیکھا نہیں، نہ کبھی دیکھ پاؤ گے۔ وہ بولا: میں نے کیسے تجھ پر اور اپنے بیٹے پر ظلم کیا ہے اور یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وہ کہنے لگی: کیا تجھے معلوم ہے کہ تمھاری بیماری کیا ہے اور کس وجہ سے میرے چچا کو فالج ہوا ہے؟ وہ خوفزدہ ہو کر بولا: اس وجہ سے کہ مجھے اچانک دردِ سر ہوئی ہے اور حالت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔

وہ بولی: کاش ایسا ہی ہوتا؟ وہ کہنے لگا: تو پھر بتاؤ میری بیماری کیا ہے؟ وہ زار و قطار روتے ہوئی بولی: تم ایڈز کے مریض ہو۔ وہ کہنے لگا: کیا؟؟؟ ایڈز .... اسے سخت ذہنی دھچکا لگا، جو فوراً جان لیوا ثابت ہوا۔ بیوی سامنے کھڑی تھی، اس خیال سے کہ وہ خوفناک خبر سن کر بے ہوش ہو گیا ہے، ڈاکٹرز کو بلایا، تفتیش

کے بعد پتا چلا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

دیگر گھر والے اس کی بیوی کی چیخ و پکار سن کر کمرے میں آئے، اس کی بیوی کی طرف دیکھ رہے تھے جو صدمے کی عجیب کیفیت میں مبتلا تھی، اسے فوراً ایک اور وارڈ میں منتقل کر دیا گیا اور ہسپتال کا عملہ فوت شدہ نوجوان کی تجہیز و تکفین کرنے لگا اور دیگر ضروری کاغذات مکمل کرنے لگا۔ اگلے دن اسے سپردِ خاک کر دیا گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹرز نے بتلایا کہ اس بیوی اور اس کے بچے کو ایڈز کا مرض لاحق ہے۔ بیوی کو جب علم ہوا کہ اس کو اور اس کے نونہال کو بھی ایڈز ہے تو وہ ٹوٹ پھوٹ گئی، اسے ہسٹریا کا حملہ ہو گیا اور نفسیاتی صحت کے ہسپتال میں داخل کر دی گئی، وہاں اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی، حتی کہ وہ جنون اور پاگل پن میں مبتلا ہو گئی، حتی کہ دیگر مریضوں سے علاحدہ کر دی گئی، تاکہ انھیں نقصان نہ پہنچائے اور اس سے ملاقات بھی روک دی گئی۔

ایک دن اس بیوی کے باپ نے ڈاکٹر سے اجازت لی کہ وہ اپنی بیٹی کو گھر لے جانا چاہتا ہے، تاکہ وہ اپنے بیٹے اور ماں سے ملاقات کر سکے۔ ڈاکٹر نے اس شرط پر اجازت دی کہ اگر کوئی نقصان ہو گیا تو اس کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔

گھر میں جب بیوی نے اپنے بچے کو دیکھا تو مضبوطی سے گود میں لے لیا، کبھی روتی اور کبھی ہنستی تھی۔ بچے کا چہرہ اس کے سینے پر تھا۔ بچے کا سانس رک گیا اور اس کی جھولی میں فوت ہو گیا اور وہ ابھی اسے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔

بیوی کے باپ نے بڑی کوشش کی کہ بچہ اس سے لے لے، لیکن وہ چھوڑ نہیں رہی تھی۔ کوشش بسیار کے بعد اس نے بچہ لے لیا، لیکن تب تک اس کے دم

رخصت ہو چکے تھے۔ جب بیوی نے اپنے بچے کو دیکھا کہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تو وہ روتی، ہنستی اور ساتھ رقص کرتی ہوئی کہہ رہی تھی: مر گیا، مر گیا؟!!

وہ فوراً باورچی خانہ میں گئی اور چھری پکڑ کر اپنے باپ اور ماں کو دھمکانے لگی۔ ساتھ ہی اوپر والی منزل میں جا کر کمرہ بند کر لیا اور پنکھے کے ساتھ رسہ باندھ کر گردن کے ساتھ باندھ لیا۔ باپ فوراً پولیس والوں کو فون کرنے لگا، وہ بہت بوڑھا اور نحیف و نزار تھا، چند لمحوں میں پولیس والے پہنچ گئے، انھیں بتلایا گیا کہ وہ اوپر والی منزل کے کمرے میں ہے۔

پولیس والے فوراً اوپر گئے، دروازہ توڑا تو دیکھا کہ لڑکی رسے سے لٹکی ہے، جو کہ پنکھے سے بندھا ہوا ہے۔ وہ مر چکی تھی، اس طرح اس نوجوان اور اس کے خاندان کا خاتمہ ہوا، لیکن ماں اور بچے کا کیا گناہ تھا؟!!

اے نوجوان! کیا کوئی توبہ ہے؟!!

اے باپو! کیا کوئی نگرانی ہے؟!!

وہ تیری کھیتی اور یہ تیرا حاصل ہے

خالد قرآن کریم کی حفظ کلاس میں داخل ہوا۔ وہ بڑا شرمیلا اور طویل خاموشی والا تھا، لیکن حفظ میں بڑا تیز اور سبق جلد سنا دینے والا تھا۔ وہ سب سے پیار کرتا تھا اور سب اس سے پیار کرتے تھے، اس کے استاد محترم کہتے: ہمیں اس کی طرف سے کوئی شکایت نہیں، سوائے اس کی لمبی سوچوں، گہرے تفکرات اور عزلت نشینی کے!

میں اسے ایک سفر میں ساحل سمندر پر لے گیا، تاکہ جب اس کی بڑی خاموشی بڑے سمندر سے ٹکرائے گی تو یہ غم باہر نکل نکال پھینکے گا اور اس کے

اندر کا درد ظاہر ہو جائے گا۔ میں اس خاموش سمندر کے سامنے اس ساکت نوجوان کے مدِ مقابل کھڑا تھا، سارا منظر خاموشی.... خاموشی تھا۔ اچانک یہ خاموشی ٹوٹ گئی.... پر جوش رونے کی آواز.... بلند کڑوی آواز.... خالد کی آواز تھی، جو رو رہا تھا، میں نے چاہا کہ رونے کی لذت اور آنسوؤں کی مٹھاس کو بند کروں، لیکن میں نے اسے رونے دیا، شاید دل کو سکون آ جائے اور اس کا غم غلط ہو جائے، چند لمحوں کے بعد وہ بولا:

میں تم سے محبت کرتا ہوں، قرآن سے محبت کرتا ہوں، قرآن والے نفیس لوگوں سے، صالحین سے، لیکن میرا باپ ہمیشہ دھمکاتا رہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ چلوں، وہ تم سے خائف ہے، تمھیں ناپسند کرتا ہے۔ میرے اندر تمھارے متعلق بغض و عناد کے بیج بوتا رہتا ہے، اس کے لیے کئی قصوں، حکایتوں اور کہانیوں کو بطور دلیل پیش کرتا ہے، لیکن جب میں آپ لوگوں کو حلقۂ قرآن میں تلاوت کرتے دیکھتا ہوں تو نور آپ کے چہروں سے ٹپکتا اور گفتگو سے چھلکتا نظر آتا ہے۔ میں جب حلقۂ قرآن میں بیٹھتا ہوں تو سعادت مندی محسوس کرتا ہوں اور قرآن مجید کے حفظ کے لیے محنت کرتا ہوں۔ میں رات، دن قرآن ہی میں ڈوبا رہتا ہوں۔ میری ذات کا یہ انقلاب میرے باپ سے پوشیدہ نہ رہ سکا، اسے کسی نہ کسی طرح معلوم ہو گیا کہ میں حفظ القرآن کی کلاس میں داخل ہو چکا ہوں۔

وہ بڑی سیاہ رات تھی، ہم اس کے قہوہ خانہ سے واپسی کا انتظار کر رہے تھے، جیسا کہ اس کی یومیہ روٹین تھی، ہم رات کے کھانے پر اس کے منتظر تھے، سو وہ

تاریک چہرے اور غضبناک سلوٹوں کے ساتھ داخل ہوا اور ہم کھانے کے دسترخوان پر بیٹھ گئے، پھر اس نے بھیانک اور بلند آواز کے ساتھ ماحول کی خاموشی کو توڑا:

مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے قاری کے ساتھ مدرسے جانا شروع کر دیا ہے؟

میری زبان گنگ ہوگئی، قوتِ گویائی جواب دے گئی، اس نے چائے کی پیالی میرے چہرے پر دے ماری، دنیا میرے سر میں چکرانے لگی۔ میں زمین پر گر گیا۔ مجھے میری ماں نے اٹھایا۔ میں اس کے گرم ہاتھوں میں نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ اچانک وہ بلند آواز سے بول پڑا: اسے چھوڑ دے، ورنہ تیرا حشر بھی وہی ہوگا جو اس کا ہوا ہے۔ میں نے اپنے جسم کو سہارا دے کر اٹھنے کی کوشش کی، تاکہ اپنے کمرے تک جا سکوں۔ وہ مجھے برابر گالی دے رہا اور برے برے القابات سے نواز رہا تھا۔ ہر دن کی ابتدا میری مار پیٹ سے ہوتی اور انتہا ذلت و اہانت پر، جو چیز بھی اس کے سامنے آتی، وہ بے دریغ میری طرف پھینک دیتا، حتی کہ میرا جسم ایک تختہ مشق ستم بن گیا اور میری کمر پر کئی رنگ موجزن ہو گئے اور کئی دھبے سج گئے۔

میں اس سے بغض رکھنے لگا۔ میرا سینہ اس کے لیے کینہ وحقد سے بھر گیا۔

ایک دن ہم کھانے کے دسترخوان پر تھے کہ وہ بولا: کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر نہ کھاؤ۔ میرے کھڑے ہونے سے قبل وہ کھڑا ہوا اور میری کمر پر ایک بوجھل سبزی کا گٹھا رکھ دیا۔ میں اس کا بوجھ نہ سہار سکا اور کھانے کے اوپر ہی گر گیا۔ میں تخیلات کی دنیا میں اس کے سامنے چلا رہا تھا، عن قریب تجھ سے انتقام لوں گا، تجھے مار دوں گا، جیسے تم مجھے مارتے ہو، عن قریب میں بڑا اور طاقتور ہو جاؤں گا اور تم ضعیف و ناتواں ہو جاؤ گے۔ پھر میں بھی تیرے ساتھ ویسا ہی کروں گا، جیسا تم میرے ساتھ کرتے ہو۔

پھر میں بھاگا اور گھر سے نکل گیا، بغیر ہدایت و ہدف کے بھاگتا اور بھاگتا رہا، یہاں تک کہ میرے پاؤں نے مجھے دریا تک پہنچا دیا۔ میں نے قرآن پکڑا اور پڑھنے لگا، حتی کہ زار و قطار رونے کے سبب تلاوت کا تسلسل برقرار نہ رکھ سکا۔

اب میں نے خالد کے آنسو پونچھے۔ میں کوئی لفظ نہ بول سکا۔ حیرانی میری زبان سے مرتبط ہوگئی، میں اس وحشی باپ پر تعجب کرتا، جس کا دل رحمت سے خالی ہو گیا تھا یا اس صابر بیٹے پر جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے کا ارادہ فرما لیا اور ثابت قدمی الہام کر دی یا دونوں پر تعجب کرتا کہ جن کے مابین باپ بیٹے کا رشتہ محال ہو چکا تھا، جیسے لومڑ کا بھیڑیے سے اور شیر کا چیتے سے، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے اور صبر کی تلقین کی، اس کے لیے دعا کی، باپ سے نیکی کی اور تکلیفوں پر صبر کی نصیحت کی، نیز اس سے وعدہ کیا کہ میں تمھارے والد سے ملوں گا، اس سے بات کروں گا اور نرمی پیدا کرنے کی سعی کروں گا اور ہم چلے گئے۔

دن گزرتے رہے، میں کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈ رہا تھا، جس کے ذریعے خالد کے باپ کو قائل کر سکوں، بلکہ پہلے اپنے بارے اس کو تعارف کیسے پیش کروں۔ بالآخر میں نے اپنے قویٰ کو مضبوط کیا اور دروازے پر دستک دی۔ میرا ہاتھ کپکپا رہا تھا، پھر دروازہ کھلا، اچانک وہی تیوری چڑھا چہرہ اور غضب ناک سلوٹیں تھی، میں نے زرد اور پھیکی مسکراہٹ سے اس کی نظروں کی سیاہی کو ختم کرنا چاہا، اس سے قبل کہ میں بات کرتا، اس نے میرا گریبان پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور بولا: کیا تو وہ قاری ہے جو خالد کو مسجد میں پڑھاتا ہے؟ میں نے

کہا: ہاں۔ وہ بولا: اگر آیندہ میں نے تجھے اس کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھ لیا تو تمھاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ خالد آج کے بعد تمھارے پاس نہیں آئے گا، پھر اس نے اپنے منہ کا تھوک جمع کیا اور اس فقیر کے چہرے پر پھینک دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ میں نے اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے وہ تھوک صاف کیا جس کے ساتھ اس نے میری تکریم کی تھی۔

میں واپس آیا تو اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی بار ایسا کیا گیا، قوم نے گالیاں دیں، تکذیب کی، پتھراؤ کیا، پاؤں زخمی کر دیے، گندگیاں آپ ﷺ کے اوپر پھینکیں، آپ ﷺ کو دھتکارا اور مکہ سے نکال دیا۔

کئی دن بیت گئے، ہم نے خالد کو نہ دیکھا، اس کا باپ اسے منع کرتا تھا، حتی کہ نماز کے لیے نکلنے سے بھی۔ ہم زندگی کی مصروفیات میں کھو کر اسے بھول گئے۔ کئی سال گزر گئے۔ ایک رات نمازِ عشا کے بعد اچانک ایک سخت ہاتھ نے میرے کندھے کو پکڑ لیا۔ آہ! یہ وہی ہاتھ تھا جس نے چند سال قبل مجھے گریبان سے پکڑا تھا۔ یہ وہی چہرہ تھا، وہی سلوٹیں تھیں، وہی منہ تھا، جس نے اس چیز سے میری تکریم کی تھی جس کا میں مستحق نہ تھا، لیکن وہاں بڑی تبدیلی تھی، تیوری چڑھا چہرہ منکسر ہو چکا تھا، غموم و ہموم نے بدن کو جیسے بجھا دیا تھا، میں نے کہا: چچا جان: خوش آمدید۔ وہ زار و قطار رونے لگا، سبحان اللہ! میں نہ سمجھتا تھا کہ یہ پہاڑ بھی کبھی نرم ہو گا۔ میں نے کہا: چچا جان بات کریں، آپ کے دل میں جو ہے باہر نکالیں، خالد کا کیا حال ہے؟

اس کا سر جھک کر سینے سے جا لگا اور بولا: بیٹا خالد اب نہیں رہا، جسے تم

پہنچانتے ہو، خالد اب اچھا نفیس اور عمدہ شریف النفس خالد نہیں ہے۔ جب سے تمھارے پاس سے نکلا ہے، شر و فساد کا سرغنہ بن چکا ہے، لہو و لعب میں مصروف رہتا ہے، سگریٹ نوشی شروع کر دی، اوباش لوگوں سے تعلق بنا لیا، میں اسے برا بھلا کہتا، مارتا لیکن بے سود، اس کا جسم مار کا عادی ہو چکا تھا اور اس کے کان گالیوں کے رسیا۔ وہ بہت جلد بڑا ہو گیا، رات بھر ان کے ساتھ گھومتا اور فجر کے پھوٹتے گھر لوٹتا۔ اسکول سے بھگا دیا گیا، رات کو تیز زبان اور مرتعش ہاتھوں کے ساتھ آتا، اس کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں آگ کی مانند سرخ ہو گئی ہیں، اس کا تر و تازہ و جوان بدن کمزور اور کھردرا ہو چکا ہے۔ دل چٹان یا اس سے بھی سخت ہو گیا۔ ہر روز مجھے گالیاں دیتا، کوستا یا سبزی والا گٹھا میری کمر پر لاد دیتا ہے۔ بیٹا! تصور کرو، میں اس کا باپ ہوں اور وہ مجھے مارتا ہے۔

پھر گرم آنسو ٹپکنے لگے، پھر اس نے آنسو پونچھے، بیٹا! میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ خالد کو باہر جا کر ملو، اپنے ساتھ لے آؤ، میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں، بلکہ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ وہ تمھارے مکانوں میں رہے، تمھارے ساتھ سوئے، میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور پاؤں پڑتا ہوں، لجاجت اور منت سماجت کرتا ہوں، بس خالد ویسا ہو جائے جیسا کہ تھا، پھر اس کی سسکیاں بندھ گئیں۔ حسرت و افسوس چھا گیا، میں نے کہا: چچا جان! وہ آپ کی کھیتی اور یہ آپ کا حاصل ہے، لیکن اس تمام کے باوجود میں کوشش کروں گا۔

راہِ ہدایت و استقامت کی طرف لوٹانے کے لیے میں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی، تاکہ خالد ظالم باپ کے بہیمانہ سلوک اور برے دوستوں کی رفاقت

کی وجہ سے جن راہوں پر چل نکلا تھا، ان سے تائب ہو جائے۔ وہ مسلسل مجھ سے گریز پا رہا، کئی خطوط اور پیغامات بھیجے، لیکن بے سود، میں نے اس کے گھر کئی چکر لگائے، گھنٹوں دروازے پر جا کر انتظار کرتا رہا، لیکن ملاقات میسر نہ آ سکی۔ قہوہ خانوں، محفلوں اور دیگر مقامات پر سے تلاش کرتا رہا، مگر سب بے حاصل۔ ایک مرتبہ میں ان راہوں میں چل رہا تھا۔ بڑا تیز روڈ تھا، اچانک خالد میرے آگے جا رہا تھا، میں نے اسے فوراً پہچان لیا، حالانکہ اس کا چہرہ کافی بدل چکا تھا اور اس نے بھی فوراً مجھے پہچان لیا اور مجھ سے بھاگنے کی کوشش کی، چھپنا چاہا، لیکن میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا، اپنے سینے سے لگا لیا، دل سے چپکا لیا، وہ انداز بڑا الم ناک اور پر اثر تھا، خالد اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں بھی اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور میری سسکیاں آہوں میں بدل گئیں۔

چند منٹ اسی کیفیت میں گزرے۔ پھر میں اسے اپنے گھر میں لے گیا۔ کافی دیر مجلس ہوئی۔ خالد نے قرآن کلاس سے جانے کے بعد جو کچھ ہوا کہہ سنایا۔ میں نے خالد کو بتایا تمھارے باپ ہی نے مجھے تمھارے پاس بھیجا ہے، تاکہ میں تجھے دوبارہ قرآن کلاس میں لے جاؤں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ اب تمھارا والد نیک اور متشرع لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ میں نے اسے خالص توبہ کرنے کی دعوت دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو و درگزر اور رحمت کے دروازے کھلنے کی امید و رجا بھی قائم ہے اور اسے ترغیب دی ہے کہ مسجد، قرآن اور نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرے۔

میں نے پورے تضرع و زاری سے خالد کو نیک راستہ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو وہ پھوٹ کر رونے لگا، کہنے لگا: میرے استادِ گرامی (سلمان) نے سچ کہا۔ میں بھی یہی آرزو رکھتا ہوں کہ مسجد کی طرف واپس لوٹ آؤں، راہِ ہدایت و استقامت کو اپنا لوں، لیکن میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، بالکل بھی نہیں۔ میرے باپ نے اپنے ظلم و جبر، سرکشی وبغاوت اور نیک لوگوں سے نفرت و کدورت کے ایسے بیج بوئے ہیں کہ ہر خوبصورت وقیمتی چیز میری نظر میں بدنما اور رذیل ہو کر رہ گئی ہے۔ میں اب یہ زندگی بغیر کسی اعلیٰ ہدف کے گزار رہا ہوں، میرے عزائم قابلِ ستائش نہیں رہے ہیں، فلموں، عورتوں، راتوں کو جاگنے اور کوچہ و بازار میں چکر لگانے سے رک نہیں سکتا۔

استاد صاحب! وقت ضائع ہو چکا ہے، ہر چیز ختم ہو گئی ہے، میں اس اندھیرے راستے کی انتہا تک پہنچ چکا ہوں، اللہ جانے انجام کیا ہو گا؟ جدا ہونے سے قبل خالد نے میری طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا: استادِ گرامی! دعا کیجیے گا، اللہ میرے گناہ معاف فرمائے اور میرے ظالم باپ کے لیے بددعا کرنا، جس نے مجھے اس گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیا، پھر خالد چل دیا، آنسو اس کے رخساروں کو تر کر رہے تھے اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا: یہ سب میرے باپ کے گناہ ہیں، میرے نہیں!!

اس واقعے کے بعد مجھے خالد کے متعلق مطلق بے خبری رہی، اس کے باپ سے معلوم ہوا کہ اب وہ پہلے سے زیادہ شوریدہ سری پر اتر آیا ہے، اس کی ژولیدگیاں تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہیں، شرور وفتن کی آگ اور بھی مچل گئی ہے، میں اس کی ہدایت و خیر کی دعائیں کرنے لگا، ایک سخت سیاہ اور گھپ

اندھیرے والی رات، فجر سے تھوڑا پہلے میں اپنے بچے کی دوائی لینے کے لیے قریبی ڈسپنسری پر گیا، راستے میں خالد کا مکان تھا۔ میں نے اس طرف نظر دوڑائی تو وہاں پولیس کی گاڑی دکھائی دی۔ میں جلدی سے گاڑی سے اترا اور قصہ معلوم کرنے کے لیے گھر کی طرف چلا، وہاں خالد کا بھائی تھا، آنسو آنکھوں سے ٹپک رہے تھے، میرے استفسار پر اس نے روتے ہوئے بتایا:

خالد فجر سے پہلے گھر آیا، نشے سے مخمور، ہذیان بکتے ہوئے، درشتی سے دروازے پر دستک دی، ماں نے دروازہ کھولنا چاہا، لیکن والد نے منع کر دیا، لیکن خالد لگاتار زور سے دستک دے رہا تھا، اس کا باپ گیا، تاکہ اسے بھگا آئے، دونوں کا باہم جھگڑا ہوا اور سب وشتم ہونے لگی۔ خالد نے اپنے والد کو برا بھلا کہا اور دست درازی کی کوشش کی، اسے کچھ ہوش نہ تھا، باپ نے اپنا دفاع کرنا چاہا، ایک موٹا ڈنڈا پکڑا اور خالد کے سر میں دے مارا، تب خالد کا جنون آخری حدود میں داخل ہو گیا، اس نے جیب سے چھرا نکالا اور باپ کے بوڑھے وجود پر پل پڑا، لگا تار کئی ضربیں لگا دیں، باپ خون سے لت پت زمین پر جا گرا اور خالد نے بھاگنے کا راستہ لیا، ایمبولینس آئی اور اس کے باپ کو جو موت و حیات کی کشمکش میں تھا، ہسپتال لے گئی۔

استاد سلمان نے کہا: صبح ہوئی تو خبر آئی کہ باپ کی آخری سانسیں ہسپتال میں رخصت ہو گئی ہیں اور خالد کو پکڑ لیا گیا ہے۔ اب وہ جیل میں تھا۔ اسے سزائے موت سنانے کے لیے محکمہ شرعیہ کے حوالے کر دیا گیا، تاکہ رپورٹ تیار کی جا سکے۔

خالد کے باپ کا جنازہ پڑھا جا چکا تھا۔ لوگ واپس چلے آئے اور میں اس کی قبر پر کھڑا ہو گیا، اس کی ثابت قدمی کی دعا کی، پھر بولا: اے خالد کے

باپ! وہ تیری کھیتی اور یہ تیرا حاصل ہے، اپنے ہاتھوں کی کمائی کا مزہ چکھو!

اس فصل کی کٹائی کتنی پر خطر ہے؟ یہ خاتمہ کتنا بھیانک اور پر آشوب ہے؟

سو کیا باپوں اور ماؤں نے اس سبق کو وقت نکل جانے سے پہلے سمجھ لیا ہے؟!!!

جیسا کرو گے، ویسا کرو گے

ڈاکٹر میسرہ طاہر حفظہ اللہ نے ایک آدمی کا واقعہ بیان کیا، جو پڑھائی میں ان کا رفیق رہ چکا تھا۔ دورانِ گفتگو کہنے لگے: میں نے اسے ایک روز دیکھا، ڈنڈا اٹھائے اپنے باپ کے پیچھے بھاگ رہا تھا، اس کا باپ ننگے پاؤں اور سونے والے لباس میں تھا، بیٹا کہہ رہا تھا، ٹھہر! (کتے) میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا اور اپنے والدِ گرامی رحمہ اللہ کو بتلایا اور میں بڑی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ وہ فرمانے لگے: بیٹا اسے عجیب نہ جانو، میں اس باپ کو جانتا ہوں، جب وہ چھوٹا تھا، اس کا باپ اسے کہا کرتا تھا: جاؤ اے فلاں! اللہ تیری نسل سے ایسا پیدا کرے گا جو تجھ سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمالی ہے۔

کسی مسلمان کو خوفزدہ مت کرو

جب سے اس نے اسے تعلیم کے لیے دوسرے ملک بھیجا تھا، وہ اس کے بارے میں سوچنے اور اپنی ہم جھولیوں سے بات کرنے سے رکتی نہ تھی، وہ اس کا اکلوتا اور لختِ جگر تھا۔ وہ کس قدر مشتاق تھی۔ سر کو جھکائے امِ احمد بیٹھی ہے اور اپنے بیٹے کے بلادِ غرب کے آخری ایام کو گن رہی ہے۔

اللہ کا شکر کہ واپسی کے دن لوٹ آئے۔ بیٹا میں کس قدر مضطرب ہوں؟ وہ تخیلات کی دنیا میں دیکھتی ہے کہ وہ بیگ لٹکائے، اس کی طرف بھاگا آ رہا ہے تا کہ ماں کے ہاتھوں کو بوسہ دے اور ماں کی دعائیں لے۔ وہ ماضی کے دھاروں میں دیکھتی اور یاد کیا کرتی کہ وہ کیسے سارے گھر کو فرحت و سرور کا گہوارہ بنا دیا کرتا تھا اور وہ کتنی تھک گئی تھی اس کی تربیت و پرورش کی خاطر، حتی کہ اب وہ مردوں کی صف میں شامل ہو چکا تھا اور اس کی طرف انگلیوں کے ساتھ اشارے کیے جاتے، کیونکہ وہ بڑا ذہین و فطین اور عمدہ صلاحیتوں کا مالک تھا، وہ سوچتی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنی مشقت کا ثمر چنے گی اور بیٹے کو ماہر ڈاکٹر کی حیثیت سے دیکھے گی، جس کی معاشرے میں بڑی قدر و منزلت ہو گی۔

فون کی گھنٹی سے وہ تڑپ اٹھی، بستر سے اتری اور ریسیور کی طرف یہ سمجھتے ہوئے لپکی کہ اس کا بیٹا بات کرے گا، احمد عنقریب بتلائے گا کہ کب آ رہا ہے اور ریسیور اٹھاتی ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھیں: کون بات کر رہا ہے؟

جلا دینے والے کلمات اسے چونکا کر رکھ دیتے ہیں، جو حادثہ کی خبر دے رہے تھے: تیرا بیٹا اے امِ احمد! اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ مارا گیا ہے، اس کی سلوٹیں بدل گئیں، زبان بل کھا گئی اور ذہول کا شکار ہو گئی، ریسیور ہاتھ سے گر گیا۔ وہ لڑکھڑائی اور زمین پر جا گری۔

اللہ کی قدرت کہ عین اس وقت ایک قریبی رشتے دار معلومات کے لیے آیا اور دروازے پر دستک دینے لگا، کوئی جواب نہ دے رہا تھا، اس نے دروازے کی دستی کو حرکت دی تو دروازہ کھل گیا، اندر جاتے ہی اس نے عجیب منظر دیکھا، احمد کی ماں زمین پر بے سدھ پڑی تھی۔ یادداشت گم تھی۔ وہ جلدی

سے اسے ہسپتال لے گیا۔

احمد اپنے شہر میں پہنچ گیا، بڑی جلدی اور لگن سے گھر کی طرف آ رہا تھا، تا کہ اپنی ماں کو دیکھے، جس کے ساتھ اسے بے تحاشا پیار تھا۔ گھر میں داخل ہوا، اس کا خیال تھا کہ اپنی والدہ کو کامیابی کی عظیم خوشخبری سنائے گا، لیکن وہ گھبرا گیا، کیونکہ گھر میں کوئی نہ تھا۔ ماں کے بارے میں پوچھا، پتا چلا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ وہ اکیلا گاڑی میں بیٹھا اور تیز ڈرائیو کرنے لگا، تا کہ ماں کو اطمینان دے سکے۔ وہ بہت جلد پہنچنا چاہتا تھا، راستے کے خطرات سے بے نیاز ہوا سے باتیں کرتا جا رہا تھا، اس کی گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا، گاڑی کی کی قلع بازیاں لگیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، لوگ بھاگے آئے، اسے سنبھالا دیا، جسم خون میں لت پت تھا۔ جلدی سے اسے ہسپتال پہنچایا گیا، اس کی سانسیں اجنبی ہو چکی تھیں، ماں کو پتا چلا تو زور سے چلانے لگی، شدتِ غم کو سہار نہ سکی، لا حول ولا قوة إلا بالله .....اور وہ مرگئی۔

اللہ تعالیٰ کو ظالموں کی کرتوتوں سے بے خبر نہ سمجھو

ایک عورت نے ایک آدمی سے نکاح کیا، اس نے عورت کو عزت دی اور معاملہ بڑا عمدہ نبھایا۔ خاوند کے گھر والوں نے حالات کو یکسر پلٹ کر رکھ دیا اور شر کو بھڑکایا، وہ آدمی کو طلاق دینے پر ابھارتے رہے، حتی کہ کامیاب ہو گئے۔ وہ تب امید سے تھی، اس کا کوئی گناہ نہ تھا، وہ روتی رہتی اور کہتی:

”حسبي الله ونعم الوكيل اللهم اخلفني خيرا منه“

”اللہ ہی مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ الٰہی! مجھے نعم البدل عطا فرما۔“

اس نے بچہ پیدا کیا، پھر ایک دین و اخلاق والے آدمی سے نکاح کیا، جس نے اس کے بچے کی پرورش کی، حتی کہ بڑا ہو گیا اور اس کی شادی کر دی۔ رہے پہلے خاوند کے گھر والے، ان کے حالات مت پوچھو، اس کی تین بہنوں کو طلاق دے دی گئی اور اس کی ماں کو شادی کے چالیس سال بعد طلاق ہو گئی۔

وما ربك بغافل عما يعمل الظلمون!

دن بدلتے رہتے ہیں

یہ ہمارے انھی دنوں کا حقیقی واقعہ ہے، جو ایک عورت نے جریدہ "الأهرام" میں ارسال کیا اور "بريد الجمعة" کے عنوان سے لکھنے والے کالم نگار عبدالوھاب مطاوع نے اسے "الضوء الأخير" کے نام سے شاملِ اشاعت کیا تھا۔

وہ عورت کہتی ہے کہ یہ قصہ ارسال کرنے کا موجب یہ بنا کہ آپ نے کسی خط کا جواب لکھتے وقت مندرجہ ذیل دو اشعار کہے تھے:

"دنیا صرف تحائف کا نام ہے۔ یہ عاریتاً لی ہوئی چیز ہے، جس کی واپسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، سختی ہے خوشحالی کے بعد اور خوشحالی ہے سختی کے بعد۔"

تو میں نے چاہا کہ اپنا سچا ایک واقعہ آپ کے سامنے بیان کردوں، تا کہ دوسروں کے لیے عبرت بن سکے۔ میں بیوی ہوں اور کالج کے آخری سال میں پڑھنے والی طالبہ کی ماں ہوں۔ میرا ایک بیٹا ہے جو شادی شدہ ہے اور اس کے دو بچے ہیں۔ میرا خاوند ایک فوجی افسر ہے۔ ہم قاہرہ کے ایک دیہات میں رہتے ہیں۔ جب سے میں نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا، ہم بڑی پرسکون

زندگی گزار رہے تھے۔ میں نے اتنے طویل عرصے میں بچوں کی پرورش کے لیے کئی ایک خادماؤں سے تعاون لیا ہے، ان کی کثرت کے باعث مجھے ان کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں، کیونکہ کوئی بھی دو ماہ سے زیادہ نہیں ٹھہرتی تھی، وہ میرے خاوند کی طبعی سختی کی وجہ سے چلی جاتی تھیں، مجھے نہیں معلوم کہ اس نے یہ درشتی زندگی کے ماہ وسال کے تجربات سے حاصل کی تھی یا اس کے اندر موروثی تھی، وہ ان خادماؤں کی تعذیب کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کرتا اور بلاشبہہ کئی ایک کو پریشان کرنے میں میں بھی شریکِ جرم رہی۔

آج سے پندرہ برس پہلے جب کہ میری بیٹی سات سال کی اور بیٹا اعدادی مرحلے میں تھا، ہمارے پاس ایک کسان آیا، جو میرے خاوند کی جان پہچان والے لوگوں اور اس کے شہر کا رہنے والا تھا، اس کی نو سالہ بیٹی بھی تھی۔ میرا خاوند بڑے نخوت وتکبر سے اس کے سامنے آیا، بیچارے کسان نے عرض کی کہ وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر آیا ہے، تاکہ ہمارے ہاں کام کرے اور اسے ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے۔ ہم نے اس بات پر موافقت کی اور وہ اپنی بیٹی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بچی زار وقطار رونے لگی اور اپنے باپ کے دامن سے چمٹنے لگی، اس سے قسمیں لینے لگی کہ مجھے ملنے میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لینا اور والدہ اور بہن بھائیوں کو سلام کہنا بھی مت بھولنا۔ آدمی آنسو بہاتے واپس چلا گیا اور بیٹی سے اس کے مطالبات کے مطابق عہد وپیمان کرلیا۔ بچی نے ہمارے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ وہ صبح سویرے میرے دونوں بچوں کے اٹھنے سے پہلے بیدار ہو جاتی، تاکہ ناشتہ تیار کرنے میں میری مدد کر سکے، پھر اسکول کے بیگ اٹھاتی اور روڈ کی طرف اتر جاتی۔ میری بیٹی اور بیٹے کے ساتھ وہاں کھڑی رہتی،

حتی کہ اسکول وین میں بٹھا کر آتی۔ آ کر ناشتہ کرتی جو عموماً بغیر تیل کے چنے ہوتے اور روٹی جو خراب و متعفن ہونے کے قریب ہوتی اور کبھی کبھار ہم سخاوت کرتے ہوئے تھوڑا سیاہ شہد یا پنیر بھی دے دیتے، پھر وہ گھر کے کام کاج، صفائی ستھرائی، سبزی لانے، جی ہاں! جی ہاں! کام کرنے میں آدھی رات تک مشغول رہتی، پھر وہ زمین پر ایسے گرتی جیسے مرگئی ہو اور نیند میں مستغرق ہو جاتی، کسی بھی بھول چوک یا کام میں تاخیر کی وجہ سے میرا خاوند اسے سخت مار مارتا اور وہ بڑے صبر و تحمل سے برداشت کرتی، وہ روتی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ بڑی امانت دار، صفائی پسند اور مالکوں کی خیر خواہ تھی، خوش رہتی اور کبھی برتن دھوتے دھوتے غم زدہ گیت گاتی رہتی، جس سے اپنے علاقے اور ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ فرطِ شوق کے جذبات کا اظہار کیا کرتی۔

اگرچہ مجھے اعتراف ہے کہ میں بھی اپنے خاوند کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد میں شریک تھی، حتی کہ وہ خادماؤں کو مارنے کے خود ساختہ اسباب پیدا کر لیا کرتا، لیکن اس بچی کے متعلق کبھی میں نرم دل ہو جایا کرتی، کیونکہ یہ بڑی مخلص، اطاعت گزار اور نیک تھی۔ میں اپنے خاوند کو واسطے دیتی اور کہتی: یہ بڑی ہو گئی ہے اور ہماری عادات کی عادی بھی، اس نے ہمارا بہت سا بوجھ اٹھا لیا ہے، اسے لگاتار مارنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ قہقہہ لگا کر کہتا: اگر وہ اسے نہیں مارے گا تو وہ خود مطالبہ کرے گی کہ اسے مارا جائے، کیونکہ وہ عادی ہو گئی ہے، اس قسم کے لوگوں سے عمدہ معاملہ سزاوار نہیں ہوتا۔

میں اس لڑکی کو یاد رکھتی ہوں جو عمر میں میرے بچوں کی طرح تھی، لیکن ضرب و شتم اور سزاؤں پر ہمیشہ صبر کیا کرتی تھی۔ گھریلو کاموں سے فارغ ہو کر

اپنا پرانا لباس زیبِ تن کر لیتی، لیکن وہ صاف و شفاف ہوتا، کیوں کہ وہ صفائی کی عادی تھی، رہا اس کا باپ تو وہ اتنے عرصے میں چند بار ہی اسے دیکھنے آیا۔ کچھ مہینوں کے بعد اس نے آنا بند کر دیا، اس کا کوئی رشتہ دار آتا اور ماہانہ تنخواہ وصول کر کے چلا جاتا، اس لڑکی نے اپنی ماں اور بہنوں بھائیوں کو محض تین بار دیکھا۔

پہلی بار جب اس کا سگا بھائی اردن سے واپسی پر ایک حادثے میں مارا گیا، اسے بڑا صدمہ ہوا، کیونکہ یہی اس کا آخری سہارا تھا، جو اس کو اس دائمی سزا سے نجات دلا سکتا تھا۔ وہ بلک بلک کر رویا کرتی، لیکن میرے خاوند سے چھپ کر، کہیں وہ عذاب سے دوچار نہ ہو جائے۔ دوسری مرتبہ ہماری اس پر کوئی شفقت نہ تھی، بلکہ اسے کوئی متعدی بیماری لگ گئی اور ہم نے اپنے بچوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے گھر بھیج دیا کہ اپنے گھر والوں کو مل لینا۔ تیسری مرتبہ جب اس کا باپ وفات پا گیا اور وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی، حزن و ملال اور غم کے بادل اس کے دل پر چھا گئے۔

محترم! میں امید کرتی ہوں کہ آپ مجھے سچا سمجھتے ہوں گے، کیونکہ سچ کے علاوہ کچھ کہنے کی مجھے ضرورت نہیں اور یہ سب میں اپنی مرضی سے لکھ رہی ہوں، اس لیے کہ میں اپنے ہر جبر پر جو اس کی کسی بھی غلطی پر روا رکھا گیا، یاد کرتی اور روتی ہوں، غلطی اس سے ضرور ہو جاتی، جیسا کہ ہر بچی اور ہر انسان غلطی کرتا ہے، لیکن میرا خاوند اسے برقی تار سے مارتا۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ہم نے اسے رات کے کھانے سے محروم رکھا۔ سردیوں کی لمبی راتوں میں وہ ٹاٹ پر بھوکی پڑی رہتی۔ مجھے یاد نہیں کہ ان طویل سالوں میں وہ بغیر روئے کبھی سوئی ہو۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال گردش کرتا ہو گا کہ وہ بھاگ کیوں نہ گئی اور ہماری جہنم سے نجات کیوں نہ پا گئی؟ میں جواب دیتی ہوں۔لڑکی جب جوانی کی عمر کو پہنچی، ایک دن سبزی لینے گئی اور واپس نہ آئی۔ میرے خاوند نے گیٹ کیپر سے پوچھا، اس نے بتلایا کہ اسی روڈ پر قصاب کے پاس کام کرنے والے نوجوان سے بڑی دیر تک بات چیت کیا کرتی تھی۔ ممکن ہے وہ اس لڑکے سے نکاح کر کے اس عذاب سے پناہ حاصل کرنا چاہتی ہو۔ ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ میرا خاوند اسے ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم نے آتے ہی اس کا بھرپور ''استقبال'' مختلف سزاؤں سے کیا۔ میرا خاوند برقی تار لے کر کھڑا ہو گیا۔ میرا بیٹا ایک بڑا گٹھا اٹھا لایا، اسی دوران میری بیٹی رو پڑی اور کہنے لگی: نہیں حرام ہے، بابا حرام ہے، اس کا اپنے آپ پر کنٹرول نہ رہا، اس کی طرف گھوم گیا اور اسے بھی مارا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اس کے باپ نے اسے مارا تھا۔

لڑکی نے دوبارہ اپنی بدبختی والی زندگی کا آغاز شروع کر دیا۔ وہ اسی راستے پر چلنے کی رسیا ہو گئی، غلطی کرتی یا تاخیر، میرا خاوند اسے زبردست مار مارتا۔ ہم چھٹیوں میں اہرامِ مصر کی سیر کو نکل جاتے، گوشت وغیرہ کھاتے اور اس کے لیے پورے ہفتے کا کھانا رکھ جاتے، پھر ہم نے آہستہ آہستہ مشاہدہ کیا۔ کپ اور پلیٹیں اس کے ہاتھ سے گرنے لگیں اور اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہونے لگی۔ ہم نے ڈاکٹر کو چیک اپ کروایا تو اس نے بتلایا کہ اس کی نظر بہت کمزور ہو گئی ہے۔ پھر بتدریج مزید کم ہو گئی، حالت یہ ہوتی کہ وہ اپنے پاؤں تلے نہیں دیکھ سکتی تھی، یہاں تک کہ نابینا کی طرح ہو گئی، اس کے برعکس ہم نے اس پر رحم نہ کیا۔ وہ گھر کے کام کاج کرتی رہتی، گھر کی صفائی، باہر سے سبزی لانا، بلکہ اکثر

ایسا ہوتا جو سبزی لے کر آتی وہ تازہ نہ ہوتی، یہ نظر کی خرابی کے باعث تھا۔ گارڈ کی بیوی اس پر شفقت کرتی، اسے اندر بٹھاتی اور خود سبزی لینے چلی جاتی، تاکہ وہ اہانت وضرب سے بچ سکے، بڑا عرصہ یہ کیفیت رہی، پھر لڑکی گھر سے نکلی جبکہ نابینا ہو چکی تھی اور دوبارہ کبھی نہ لوٹی، اس دفعہ ہم نے اسے تلاش کرنے کی فکر نہیں کی۔

کئی سال بیت گئے۔ میرا خاوند ملازمت سے ریٹائرڈ ہو گیا۔ منصب وعہدہ اختتام پذیر ہوا اور وہ گھر کا سامان بن کے رہ گیا، اس کا جوش، انتقام اور غیظ وغضب بھی ماند پڑ گیا، اس کی لغزشیں برداشت کی حد سے باہر ہو گئیں، لیکن لمبی رفاقت کے باعث میں نے سب برداشت کیا۔

میرا بیٹا یونیورسٹی سے فارغ ہو گیا اور کام کرنے لگا، پھر اس نے اپنی ایک دوست سے نکاح کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہم نے اس کے لیے رشتہ طلب کیا، وہ بڑی خوبصورت تھی، ان کا نکاح ہو گیا اور تب ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی، جب ہمیں پتا چلا کہ اب وہ امید سے بھی ہو گئی ہے، پھر وہ وقتِ مسرت بھی آیا جب اس نے بچہ جنم دیا۔ یہ جان کر ہم پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کہ وہ بچہ نابینا ہے۔ فرحت وشادمانی حزن وملال کے کثیف بادلوں میں بدل گئی۔ ڈاکٹروں کی طرف لمبے چکر لگائے، لیکن بے سود، میرے بیٹے اور اس کی بیوی کی آرزوئیں کٹ کر رہ گئیں۔ ہم نے اپنے بچے کو ''ادارہ پرورش برائے نابینا افراد'' میں داخل کروا دیا۔ میری بہو نے ارادہ کیا کہ آیندہ امید سے نہیں ہو گی، تاکہ ایسا بھیانک حادثہ پھر واقع نہ ہو جائے، لیکن ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا کہ ایسا مشکل ہے، اس کے لیے اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان قرابت نہیں ہے جو موروثی عوامل کو مؤکد کر سکے۔ انھوں نے ہمت دلائی کہ زندگی میں فرحت وانبساط

لانے کے لیے آیندہ کے حالات سے خوفزدہ نہ ہو۔ ہم بھی یہی چاہتے تھے اور اس بارے میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔

وہ دوبارہ حاملہ ہوگئی اور نتیجتاً خوبصورت بچی کو جنم دیا۔ سکن سپیشلسٹ نے بتلایا کہ بچی کی نظر بھی درست ہے۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کتنے کھلونے، تحفے اور لباس اکٹھے ہو گئے۔ سات ماہ کے بعد ہم نے دیکھا کہ بچی کی نظریں ایک سمت ہی مرتکز اور جمی رہتی ہیں، ادھر سے ادھر نہیں ہوتی۔ آئی سپیشلسٹ کو دکھایا تو اس نے رپورٹ دی کہ بچی صرف روشنی کی کرن دیکھ سکتی ہے اور یہ نابینا پن کا مظہر ہے۔ یہ جلد اندھی ہو جائے گی۔ لا حول ولا قوة إلا بالله.

میرے خاوند نے دیکھا تو وہ نفسیاتی مریض ہوگیا اور اس کی باقی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی۔ ہر چیز کو ناپسند کرنے لگا، پھر اس کی حالت غیر ہوگئی۔ ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اسے نفسیاتی علاج گاہ میں داخل کروا دیا جائے۔ میں اکتا گئی۔ دل سکڑ گیا۔ دنیا کے ہموم وغموم سینے پر نشتر بن کر چلتے، انھی پریشانیوں اور رنج وفکر میں اچانک مجھے وہ لٹی ہوئی لڑکی یاد آئی، جو دس سال ہماری جہنم میں سزا پا کر نابینا ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی، اسی دوران اسے رنج ومحن میں مبتلا کیا گیا، ضرب وشتم کی گئی، برقی تاروں سے مارا گیا اور ذلیل ورسوا کیا گیا، محروم وبدنصیب کیا گیا، میں نے گھبراہٹ میں اپنے دل سے پوچھا: کہیں یہ ہمارے کیے کا عقابِ الٰہی تو نہیں؟

اس یتیم لڑکی کی صورت جس کے علاج معالجے میں ہم نے غفلت برتی جو اس کے نابینا ہونے کا سبب ہے۔ وہ تنہائی میں میرے سامنے آنے لگی۔ میں نے غفورِ ربی کی امید اس طرح لگا لی کہ گناہ کی معافی اس لڑکی کو دوبارہ پانے میں ہے، تاکہ اپنے کیے کا کفارہ دیا جا سکے، میں چل نکلی، ہر عام وخاص سے اور

کس و ناکس سے دریافت کیا، حتی کہ کسی نے اس کے گھر کا پتا بتا دیا اور ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ کسی مسجد کی خادمہ ہے۔ میں اس کے پاس گئی اور درخواست کی کہ وہ باقی زندگی ہمارے ہاں، ہمارے گھر میں گزارے، تمام کڑوی اور دل خراش یادوں کے باوجود اس نے میرے چل کر آنے کی لاج رکھی اور میرے ساتھ آنے پر رضا مند ہوگئی، اس نے وہ عشرت و زمانۂ رفاقت یاد رکھا، جو ہم نہ رکھ پائے، راستے کو ٹٹولتے ہوئے چل رہی تھی اور میں نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ بڑی نوجوان بیٹی کی آواز کو سن کر بہت خوش ہوئی، جس کے ساتھ وہ سدا پیار کیا کرتی تھی اور ایسے ہی میرے بیٹے سے مل کر کہ غم جس کے دل میں راہ پا چکا تھا، لڑکی ہمارے ساتھ رہنے لگی، میں اس کا خیال رکھنے لگی، بلکہ میرا نابینا پوتا پوتی اس کی خدمت کیا کرتے، میری امید اور دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہو چکا معاف فرما دے اور اس کے بارے کہ رحمت جس کے دل سے نکل چکی ہے یہی کہوں گی:

بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے، قائم ہے، سوتا نہیں، کسی پر سختی نہ کرو، عنقریب ایسا دن آنے والا ہے، جس دن تم اس ارحم الراحمین سے رحمت طلب کرو گے۔ اپنی قوت و جرأت سے جو کچھ کیا تھا اس پر شرمسار و نادم ہو گے۔

حدیث پاک ہے:

((لا تنزع الرحمة إلا من شقي))[1]

”رحمت نہیں چھینی جاتی مگر بد بخت سے۔“

جنابِ والا! یہ میرا قصہ ہے جسے آپ کے جوابی دو اشعار نے بیان کرنے کا حوصلہ دیا۔ امید کرتی ہوں کہ تمام لوگ اسے پڑھیں گے اور

---

[1] صحیح الجامع (٧٤٦٧)

عبرت حاصل کریں گے۔ [1]

کیا ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا؟

سید عبدالرحمٰن نے الحاج ابراہیم سے کچھ مال بطور قرض لیا کہ آیندہ سال کے اخیر تک واپس کر دوں گا اور مبلغ حساب کتاب والے رجسٹر میں لکھ لیا، سید نے اصرار کیا کہ اس کا اشٹام لکھ لیں، تشکر و امتنان کا اظہار بھی کیا، لیکن الحاج ابراہیم نیک آدمی تھا، کہنے لگا: شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو میرا فرض بنتا تھا، اللہ تعالیٰ بہترین کارساز اور گواہ ہے۔ تقریباً ایک سال کے بعد الحاج ابراہیم حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پا گیا۔ سوگواران میں ایک بیوی اور چار بیٹے چھوڑے جن میں بڑا تیرہ سال کا تھا۔ اس کی بیوی نے خاوند کے تجارتی ریکارڈز دیکھنے شروع کیے، وہاں سے اسے علم ہوا کہ اس کے خاوند کے کئی لوگوں پر قرضے بھی ہیں، چنانچہ اس نے سید کی طرف پیغام بھیجا اور قرض کا مطالبہ کیا، لیکن سید نے انکار کر دیا کہ اس کے خاوند کا اس کے ذمہ کوئی قرض نہیں ہے، نیز اس نے قرض جو تھا ادا کر دیا تھا، یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ ابراہیم کے ورثا حق بجانب ہیں، وہ نیک آدمی تھا اور لوگوں کو بغیر اشٹام اور دستاویز کے قرض دے دیا کرتا تھا۔ دوسرا گروہ سید کا حامی تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ الحاج ابراہیم بغیر اشٹام و استناد کے کوئی رقم سید کے حوالے کرے؟

الحاج ابراہیم کی اہلیہ نے کئی اہلِ حل وعقد سے درخواست کی کہ وہ سید کو آمادہ کریں کہ وہ قرض واپس کر دے، لیکن سید ڈٹ گیا۔ اتنا سرکش اور سخت ہو

---

[1] جريدة الأهرام، بريد الجمعة، (ص: ١٦ بتاريخ ١٠-١-١٩٩١)

گیا جیسے کوئی چٹان۔ ابراہیم کی بیوی نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا، پیشی والا دن آ گیا۔ فریقِ ثانی کٹہرے میں آن کھڑا ہو۔ جج نے کہا: مجھے تسلیم ہے کہ سید نے ابراہیم سے اتنا قرض لیا تھا، لیکن اس کا کوئی پروف نہیں ہے ما سوائے اس خود نوشتہ تحریر کے جو اس کے بعض ریکارڈز میں ملی ہے اور اثباتِ تہمت کے لیے یہ دلیل تنہا ناکافی ہے اور سید نے اقرار کیا ہے کہ اس نے ایک سال بعد رقم واپس کر دی تھی اور کسی آدمی نے گواہی دی ہے کہ اس نے سید کو الحاج ابراہیم کی تعریف کرتے ہوئے سنا ہے، نیز یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لیے مجھے دے کر فقر و فاقہ اور افلاس سے نجات دلائی تھی۔

جج کہہ رہا تھا: کیس سارے کا سارا ہوا کے رخ پر پرکاہ کی طرح تھا، میں نے ملزم کو اعترافِ قرض کی جانب لے جانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن وہ گریز رہا۔ عدالتیں ایسے مواقع پر اس اساس و بنیاد پر فیصلہ صادر کرتی ہیں کہ دلیل و شہادت مدعی کے ذمہ اور فریق ثانی دلیل کی عدم موجودگی میں قسم دے دیتا ہے، سو میں ملزم سے کہتا ہوں: کیا تو قرآن کریم کی قسم اٹھاتا ہے کہ تو نے الحاج ابراہیم وغیرہ کا کوئی قرض نہیں دینا اور جو قرض تھا وہ تم واپس کر چکے ہو؟ ملزم نے کہا: میں قسم دیتا ہوں! میں قسم دیتا ہوں! اس کے ساتھ ہی عدالت نے اسے بری کر دیا۔

ملزم سر بلند کیے ہوئے کمرہ عدالت سے نکلا۔ وہ مضبوط جوڑوں، صحیح بدن، سلیم اعضا، صحت مند اور عین عنفوانِ شباب میں تھا۔ اس نے عدالت چھوڑی ہی تھی کہ ایک شور بلند ہوا۔ میں بھی حال دریافت کرنے کے لیے باہر نکلی، اس کے ارد گرد لوگ چلا رہے تھے: کیونکہ وہ محکمہ عدالت کی دہلیز پر لڑکھڑا کر مر گیا تھا۔

راوی کا کہنا ہے کہ میں ابراہیم کی بیوی کے گھر کے پاس ہی تھا، شوق ظاہر ہوا کہ اسی سے حقیقت حال معلوم کروں، اس نے جو کہا وہ یہ تھا: ''الحاج ابراہیم مرحوم اپنے پڑوسیوں کے بالخصوص اور عامۃ الناس سے بالعموم نیکی کا برتاؤ کیا کرتے تھے، ضرورت مندوں کو قرض دیا کرتے اور اسے اپنے خاص رجسٹر پر لکھ لیا کرتے، کوئی اسٹام وثیقہ نہ لکھواتے اور میں اس پر اعتراض کیا کرتی۔ وہ کہتے: مال اللہ ہی کا ہے، میں ایک فقیر و قلاش آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ثروت کر دیا، میں عدالت کے فیصلۂ براءت اور سید کی تفتیش کے موقع پر موجود تھی، جب اس نے قرآن کی جھوٹی قسم اٹھائی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، مجھے یقین تھا کہ وہ جھوٹا ہے اور کتاب اللہ پر جرأت کر رہا ہے۔ میں اللہ کے حضور دستِ بد دعا ہو گئی: الٰہی! تو پوشیدہ راز کو جانتا ہے، علام الغیوب ہے، اگر سید اپنی قسم میں جھوٹا ہے تو اسے تمام لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دے، یا قوی یا جبار۔''

ملزم کمرہ عدالت سے نکلا تو میں اسے دیکھ رہا تھا، وہ دہلیز پر ڈھیر ہو گیا۔ سید زمین کے فیصلے سے نجات پا گیا لیکن حاکمِ ارض و سما سے نجات نہ پا سکا۔ سردیوں کی ایک رات جبکہ لوگ اپنے بستروں پر جگہ پکڑ چکے تھے اور رات کافی گزر چکی تھی، الحاج ابراہیم کے گھر کی گھنٹی بجی۔ دروازے پر عزت و حشمت والی ایک خاتون پردہ اوڑھے کھڑی تھی، ساتھ میں چھے سال کا بچہ تھا، الحاج ابراہیم کی بیوی نے دروازہ کھولا کہ رات کو اس وقت کون آیا؟ وہاں سید کی اہلیہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ تھی۔

سید کی بیوی نے الحاج ابراہیم کی اہلیہ سے کہا: میرے خاوند نے انکار کیا تھا کہ وہ الحاج کا قرض دار ہے، لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ جھوٹا تھا اور امید

رکھتی تھی کہ وہ قرض واپس کر دے۔ میں نے بڑا اصرار بھی کیا، لیکن وہ اپنی گمراہی پر ڈٹا رہا، میرے خاوند کو جھوٹ کی گراں قیمت ادا کرنا پڑی اور یہ ہے وہ مبلغ مال جس کا وہ تیرے خاوند کے سامنے قرض دار تھا، اس کی طرف وہ قیمت پھینکی اور واپس چلی گئی۔

ظالموں کا انجام

شیخ انس بن سعید بن مسفر حفظہ اللہ نے کہا: یہ قصہ جسے میں بیان کرنے جا رہا ہوں، اس نے بیان کیا ہے جس نے دیکھا اور سنا ہے اور وہ قابلِ اعتماد ہے۔ کہتا ہے:

ایک بڑا سوداگر تھا، اس کے پاس ایک مزدور کام کیا کرتا تھا، لیکن سوداگر اس کی تنخواہ نہیں دیتا تھا۔ آٹھ ماہ ایسے ہی گزر گئے، تنخواہ تقریباً چھے ہزار ریال اکٹھی ہو گئی۔ مسکین مزدور نے مطالبہ کیا کہ اس کی مزدوری دی جائے۔ یہ بھی کہا کہ وہ غریب الدیار ہے، بیوی اور معصوم بچے ہیں اور میں کچھ کمانے کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔ سوداگر الٹا ناراض ہو گیا اور ویزوں کے دفتر چلا گیا، مزدور کی واپسی کا پروانہ حاصل کیا اور زبردستی ہوائی جہاز پر بٹھا کر وطن واپس بھیج دیا اور اس کی مزدوری نہیں دی۔

مزدور بے چارہ اپنے وطن چلا آیا۔ سوداگر مکہ کا رہنے والا تھا۔ کئی سال بعد وہ مظلوم مکہ میں عمرہ کرنے آیا، وہ اس محل کو تلاش کرنے لگا، جہاں کام کیا کرتا تھا، اسے محل مل گیا، اس کا چوکیدار دوست وہیں تھا، وہ باتیں کرنے لگے، اسی دوران محل کا مالک نکلا، جب اس کی نظر مزدور پر پڑی تو غضبناک ہو گیا اور دھمکیاں دینے لگا کہ میں تجھے قید کروا دوں گا۔ مزدور بولا: میں مال کے لیے نہیں

آیا، میں تو اللہ کے حرم میں تیرے لیے بد دعا کرنے کے لیے آیا ہوں۔ یہ سن کر سوداگر کے قہقہے بلند ہو گئے، ایسی ہنسی جس میں تحقیر و استہزا اور رعونت کی آمیزش تھی، لیکن اللہ تعالیٰ تو گھات میں ہے۔ چند دن گزرے تھے کہ محل میں آگ لگ گئی، اس نے ساری عمارت کو آن کی آن میں لپیٹ میں لے لیا، چند ساعتوں کے بعد وہ سوداگر بھاگتا ہوا آیا، اس کی وہاں نقدی پڑی تھی، جو تقریباً تیس ہزار ریال تھے، اس نے دیکھا کہ آگ ابھی وہاں نہیں پہنچی، چنانچہ اس نے سوچا کہ داخل ہوتا ہوں اور اپنا مال بحفاظت واپس لے آتا ہوں، جب اندر جانے لگا تو فائر بریگیڈ والوں نے روکا، وہ عذر کرتے ہوئے کہ آگ ابھی دور ہے، اندر کود گیا، اچانک وہ ہوا جس کا اسے اندازہ نہیں تھا، عمارت منہدم ہو گئی، وہ چھت تلے دب گیا اور آگ نے اسے جھلسا کر کوئلہ بنا دیا، مال اس کے پہلو میں پڑا تھا، جلا نہیں تھا، لوگوں نے تعجب کیا اور چوکیدار سے پوچھا کہ اس مسکین مزدور نے کیا دعا کی تھی؟ اس نے کہا: جب یہ آدمی ہنسا اور قہقہہ لگایا تو مزدور نے محل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا: ''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ شخص محل سے خوش ہو سکے اور نہ اندر ہی داخل ہو سکے۔''

یہ کسی بشر کا نہیں بلکہ رب البشر کا انصاف ہے

اس نوجوان نے انتہائی غریب گھرانے میں پرورش پائی، جسے بڑی مشقتوں سے یومیہ خوراک میسر آتی تھی۔ بغداد میں ''رصافہ'' کے قبائل میں سے ایک قبیلے سے اس کا تعلق تھا۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے دریا عبور کرنے والی کشتیوں میں سے ایک چھوٹی کشتی میں مزدوری شروع کر دی، جو دریائے دجلہ

میں بغداد کے دو کناروں ''رصافہ'' اور ''کرخ'' کے درمیان آتی جاتی تھی۔

اسے اپنے اس معمول کے کام پر چھے برس گزر گئے، جو بسا اوقات دن رات جاری رہتا تھا۔ وہ نیند کا ذائقہ تب ہی پہنچانتا، جب تھوڑی دیر ستانے کے لیے اپنے بستر پر دراز ہوتا۔ وہ جو کچھ روزانہ اکٹھا کرتا، وہ اس کے بڑے گھرانے کے سانس باقی رکھنے کے لیے بھی ناکافی ہوتا، جو دو بوڑھے ماں باپ، پانچ بھائیوں اور چھے بہنوں پر مشتمل تھا، جب کہ وہی اپنے والدین کا بڑا بیٹا تھا۔

گرمیوں کے دنوں میں ایک صبح وہ دجلہ کی دائیں جانب تھا، جو بغداد کے کرخ والی سمت بنتی ہے، اس کے پاس ایک دوشیزہ اپنی ماں کے ساتھ آئی، اس کی عمر سولہ سال تھی، حسن و جمال اس پر ختم تھا۔

اس نے ماں اور اس کی بیٹی کو رصافہ کی طرف منتقل کیا۔ پہلی نظر میں اس کا دل دوشیزہ کے لیے دھڑکنے لگا، بلکہ اس کی زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا۔ کیوں کہ فقر وفاقہ اور والدین اور سگے بہن بھائیوں کی پرورش نے اس کے دل کی دھڑکن بند کر دی ہوئی تھی، وہ سمجھتا تھا کہ اس کا دل دائمی طور پر مرجھا گیا ہے، جذبات اسے اتنی حرکت نہیں دیتے، جتنی روٹی حرکت دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کے دل کی دھڑکنوں نے غیر ارادی طور پر دوشیزہ کے دل کو بھی دھڑکا دیا اور اس نے بھی متعدد نظروں کا تبادلہ کیا۔ جب وہ دجلہ کی بائیں جانب پہنچی تو نوجوان کو ایک روشن مسکراہٹ کے ساتھ الوادع کہا، جس سے اس کا دل محبت اور فریفتگی سے گرگرجاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے جان لیا کہ وہ ہر ہفتے جمعرات کے دن کرخ سے رصافہ کی طرف اپنی

ماں کے ساتھ اپنی خالہ کو ملنے جاتی ہے، چنانچہ وہ انتظار کرنے لگا کہ وہ کب آئے اور وہ اسے دوسری جانب منتقل کرے اور پھر واپسی کے لیے منتظر رہتا، تاکہ کرخ کی جانب لوٹا آئے۔

نوجوان بڑے قد و قامت، مضبوط، شیریں التفات اور میٹھی مسکراہٹوں والا تھا، اس سے نخوت و وقار ٹپکتا تھا، جیسے شیر کچھار میں اور چیتا اپنے مسکن میں ہو۔

ہر دفعہ آتے جاتے وہ دوشیزہ اور اس کی ماں کو سوار کرتا۔ وہ معمولی اُجرت لینے سے انکار کرتا، لیکن دوشیزہ کی ماں اسے مکمل اُجرت ضرور دیتی۔ مزدوری کم کرنا، نہ لینا اور چھوٹے چھوٹے کلمات سے جانبین کا تعارف اس کے لیے مسرور کن ہوتا، جیسا کہ سلام کہنا اور صحت و عافیت کے متعلق دریافت کرنا۔

دوشیزہ کی ماں کو پہلے کشتی سے خشکی پر اتارنے کے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس دوشیزہ کے کانوں میں آہستہ سے کہا کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا: میرے والد کے دروازے پر دستک دو، تم جواب سن لو گے اور دوشیزہ اور اس کی ماں اپنے راستے پر چل پڑیں۔ نوجوان کھڑا سوچنے لگا کہ کس طرح اپنے والدین سے دوشیزہ سے نکاح کی بات کرے اور انھیں اس کام کے لیے آمادہ کرے۔

کئی ہفتے گزر گئے، وہ اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک پاؤں آگے بڑھاتا اور دوسرا پیچھے ہٹاتا، اپنی دوشیزہ کو ہر جمعرات آتے جاتے ملتا، وہ اسے غصیلی نظروں سے ملتی اور آنکھوں کا عتاب ہونٹوں کے عتاب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

ضرورت کیا ہے انھیں تلوار و تیر کی
ادا کافی ہے اک ترچھی نظر کی

وہ کبھی خجالت سے نظر پست کر لیتا اور کبھی اس کی نظروں کا مسکراہٹ سے سامنا کرتا۔

ایک صبح دوشیزہ نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا: میرے والد کے دروازے کو کسی اور نے کھٹکھٹا دیا ہے، پھر پشیمانی، ہچکچاہٹ اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگی، گویا اس نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔ نوجوان شام کو اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور اپنی ماں کو اپنا اور دوشیزہ کا قصہ کہہ سنایا، ماں نے اسے جلد جواب دینے کا وعدہ کر لیا۔

اس کی ماں نے باپ سے آنسوؤں سے گفتگو کی، کیونکہ اس کے گھر میں چادر تھی نہ غذا، اگر وطن سے محبت نہ ہوتی تو وہ وطن چھوڑ چکے ہوتے، اس لیے کہ ان کے پاس کوئی کھانے کی چیز نہ تھی، نہ ہی ان کے پاس کوئی درہم و دینار تھا اور گھر میں صرف ایک ہی کمرہ تھا، جس پر مجازاً کمرے کا نام بولا جاتا تھا، کیونکہ وہ سردی کی بارش سے بچاتا تھا اور نہ گرمی کی دھوپ ہی سے۔ ہوا کئی جگہوں اور مختلف سوراخوں سے اس میں بغیر اجازت داخل ہوتی۔

ماں اور باپ کا دل اپنے بیٹے کے ساتھ تھا، لیکن ان کی عقلیں اس سے بہت دور تھیں، کیونکہ والدین کے ہاں ایسے متعدد اسباب تھے، جو ان کی اولاد اور شادی کے درمیان حائل تھے، شاید ان اسباب میں سے فقر و فاقہ، مال کا فقدان اور گھر کی تنگی تھی، جب کہ دلہن کے لیے مخصوص کمرے کا ہونا ضروری ہے، جس میں میاں بیوی تنہا رہ سکیں۔

ماں اپنے بیٹے کے ساتھ علاحدگی میں ہوئی اور اس سے رو کر باتیں کرنے لگی، زبان گنگ تھی، نوجوان آنسوؤں کا پس منظر سمجھ گیا، بغیر جھگڑے اور عذر بہانے کے اپنی راہ چل دیا۔

اگلی جمعرات کا دن آ گیا، دوشیزہ کی نظروں نے کڑوی سرزنش کی۔ جب وہ مغرب سے تھوڑی دیر پہلے اپنی خالہ کو مل کر لوٹی تو وہ اسے کرخ کی طرف لے آیا، پھر وہ چھپ کر اس کے گھر تک تعاقب کرتے ہوئے آیا، اسے جب موقع ملتا، وہ اس کی طرف جھانکتی، اس کے التفات میں حوصلہ افزا مسکراہٹ ہوتی۔

وہ اپنے باپ کے گھر تک پہنچ گئی، داخل ہوئی اور پیچھے سے دروازہ بند کر دیا اور چھپنے سے پہلے اسے سلام کہا، وہ توقع کرنے لگی کہ نوجوان اپنے گھر والوں کے ساتھ اس کے باپ کو ملے گا، اس کا انتظارِ ملاقات طویل تر ہو گیا، چہ جائے کہ وہ وہ کام کرتا جس کی دوشیزہ کو توقع تھی۔

دوشیزہ کو جان لیوا مایوسی نے گھیر لیا، جس طرح کہ اس نے نوجوان کو لپیٹا تھا، دوشیزہ نوجوان کے شادی کے پیغام والے اقدام سے نا امید ہو گئی، اس کا انتظار بہت طویل ہو گیا۔ وہ انتظار کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی؟

نوجوان اس دوشیزہ کے ساتھ نکاح سے مایوس ہو گیا تھا کہ جسے وہ نہاں خانۂ دل سے چاہتا تھا، اسے شدید احساس تھا کہ اس دوشیزہ کے گھر والے مال و ثروت کی بلندی پر ہیں، جب کہ وہ مفلس و قلاش تھا۔ دوشیزہ کے دروازے پر دستک دینے والے نے دستک دی، جسے اس کے گھر والوں نے قبول کیا اور اس کی شادی کر دی گئی۔ شادی کے بعد دوشیزہ کا دل تسلی پا گیا اور وہ بھول گئی، لیکن نوجوان کے دل نے تسلی نہ پائی اور نہ اسے بھولا۔

دوشیزہ کے دل سے اس کی مایوسی آہستہ آہستہ ختم ہوگئی، لیکن نوجوان کی ناامیدی اس کے جی میں رہ گئی اور رفتہ رفتہ کینہ بن گئی۔ نوجوان کو دوشیزہ کے نکاح کا پتا چل گیا، چنانچہ اب وہ ہر جمعرات کو اپنی والدہ کے ہمراہ اپنی خالہ کو رصافہ ملنے بھی نہیں آتی تھی۔

نوجوان بھی اب ہر ہفتے جمعرات کے دن نہیں آتا تھا، تاکہ انھیں صبح وشام ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف سوار کر کے لے جائے۔

دو سال گزر گئے، جنھیں نوجوان نے دو صدیاں سمجھا۔ وہ غم زدہ اور پریشان رہتا، اپنی دوشیزہ کے متعلق سوچتا رہتا کہ اپنی اقتصادی و معاشی مجبوریوں کے باعث جس سے نکاح نہ کر سکا۔ ایک دن اس نے اپنی چھوٹی کشتی میں ایک نوجوان لڑکی اور بچے کو سوار کیا، کہر زبردست تھا اور فضا گھٹا ٹوپ۔ وہ اپنے چپوؤں کو حرکت دینے لگا اور اپنی کشتی کو رصافہ کی جانب سے دور لے کر چلا گیا کہ حتی کہ دریا کے درمیان پہنچ گیا۔

اس نے اچانک اپنی دوشیزہ کو دیکھا جو اپنے شیر خوار بچے کو اٹھائے ہوئے تھی جو اس کے خاوند سے تھا کہ دو سال قبل جس کی طرف رخصتی ہوئی تھی، اس نے دیر تک گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا، حتی کہ اسے وثوق ہوگیا کہ یہ اس کی وہی دوشیزہ ہے۔

وہ اپنے بچے ہی میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس نے اسے آواز دی اور یاد دلائی، وہ بھولی ہوئی نہیں تھی، بولی: میں آج تیری نہیں ہوں، بلکہ ایک خاوند کی منکوحہ ہوں اور یہ میرا بچہ ہے۔

لیکن وہ اپنی گم راہی میں شوریدہ سر ہو گیا، شیطان نے اسے توڑ پھوڑ دیا، انسان کا برائی پر آمادہ کرنے والا دل جو سرکشی اختیار کرتا ہے اس میں اضافہ ہو گیا۔

اس نے دوشیزہ کو پھسلانا چاہا، لیکن وہ بچ گئی، اس نے بچے کو دریا میں غرق آب کر دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ پست نہ ہوئی، اس نے اپنی دھمکی کو حقیقت کا روپ دے دیا اور بچے کو دریا بُرد کر دیا، حتی کہ دریا نے اسے نگل لیا، وہ پھر بھی نرم نہ ہوئی، اس نے خنجر کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا تو وہ شیرنی بن گئی، اس نے کئی ضربیں لگائیں، وہ کمزور نہ ہوئی، اس نے اسے کھینچا، تا کہ اسے اپنے سینے سے لگا لے، لیکن وہ ڈٹ گئی، ناک اور منہ سے حد درجہ خون بہہ چکا تھا، لیکن وہ نہ مانی۔

اس نے اپنے آخری سانس لیے، وہ اپنے شرف کا دفاع کرتی رہی، مجرم نے اس کے جثّے کو اٹھایا اور چلتے ہوئے پانی میں پھینک دیا۔

وہ دجلہ سے دور ایک گوشے کی طرف اتر گیا، اپنی کشتی سے خون دھویا اور بڑی آسانی اور غور وفکر کے ساتھ جرم کے نشانات سے نجات حاصل کر لی۔

جرم مٹ گیا اور لکھ دیا گیا کہ مجرم کوئی نامعلوم شخص ہے، لیکن مجرم کو بطور ملاح اپنی کشتی میں کام کرنے پر صبر نہ آیا۔ دریا کے درمیان جب وہ اس جگہ سے گزرتا، جہاں اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اسے خیال آتا کہ جس بچے کو اس نے دریا میں غرق کیا تھا، وہ رو رہا ہے اور مدد کے لیے پکار رہا ہے، وہ اس کی آواز سنتا، جو روتے ہوئے اس کے منہ سے نکلی کہ جب اس نے بچے کو دریا میں پھینکنے سے پہلے اس کی ماں کی گود سے جھپٹ لیا تھا۔ وہ اس کی ماں کی آواز سنتا جو اسے ڈراتی دھمکاتی اور شور مچاتی تھی، گویا وہ اللہ کے جوارِ رحمت میں اس کی کشتی پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ ایسا حملہ جس میں کوئی نرمی نہ ہو۔ بچے کے رونے

کے باعث موج بلند ہوتی ہے، جو اس بچے کی فریاد رسی کرتی ہے، اس کی ماں کی دھمکی اور ڈانٹ بھی ابھرتی ہے۔

جب رات آتی تو مجرم ملاح کے لیے دریا عبور کرنا محال ہو جاتا، بچے اور اس کی ماں کی پرچھائیاں اندھیروں میں اس کے سامنے آتیں، ان کے ساتھ مزید اتنی پرچھائیاں ہوتیں کہ جن کی کوئی گنتی اور جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

ملاح نے کشتی چھوڑ دی اور قصاب بن گیا۔ وہ بطور قصاب کام کرنے لگا اور اپنی عادت کے مطابق رات کے پہلے تہائی حصے میں ذبح خانے کی طرف چل پڑا، اس نے ذبح خانے میں فجر سے پہلے اپنی بکریاں ذبح کیں اور اسے دکان کی طرف بکریاں منتقل کرنے کا حکم دیا، جہاں وہ اپنے شراکت دار کے ساتھ ذبح شدہ بکریاں فروخت کیا کرتا۔

فجر کے ساتھ ہی اپنے گھر کی طرف لوٹ آتا، جو ایک ٹیڑھے اور تنگ راستے کی ایک جانب واقع تھا اور ان تمام راستوں سے بند تھا جو چالیس سال قبل بغداد میں مصروف تھے۔

ذبح خانے سے اپنے گھر کی طرف لوٹتے ہوئے چند میٹر کے فاصلے پر، اس ٹیڑھے اور بند راستے میں، اس نے ایک مدد کے لیے پکارنے والی چیخ سنی، وہ فریاد کرنے والے کی آواز کی طرف جلدی سے لپکا۔

نوجوان کو جب کہ وہ بھاگ رہا تھا ایک مقتول کے جثّے سے ٹھوکر لگی، جو کہ اپنے آخری سانس پورے کر رہا تھا، وہ اس کی ناک اور منہ سے بہنے والے خون کے تالاب میں تیرنے لگا، اس کے ہاتھ اور کپڑے خون سے لت پت ہو گئے اور چھری مقتول کے سینے پر جا گری، وہ دوسری بار خون سے لتھڑ گئی۔

وہ بڑے سخت صدمے میں مبتلا ہو گیا، لیکن وہ اس صدمے کی ہولناکی سے چلانے والا نہ تھا، ہاں ایک اور صدمہ آن پہنچا۔ جو ہولناکی میں پہلے صدمے سے کہیں سخت تھا، اسے رات کو پہرا دینے والوں کے ایک گروپ نے گھیر لیا، جو لاٹھیوں، بندوقوں اور پستولوں سے مسلح تھے، انھوں نے اسے اٹھنے اور ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم دیا، وہ مقتول کے جثّے سے اٹھا اور ہاتھ بلند کر لیے، وہ بڑی گھبراہٹ میں اور خوف زدہ تھا، ایک پہرے دار نے قصاب کی خون سے لتھڑی ہوئی چھری جو مقتول کے جثّہ پر گری ہوئی تھی، اٹھا لی۔

کئی لوگ پہرے داروں کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے، حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے ایک گروہ پڑوسیوں کا آ نمودار ہوا اور قصاب کو پابہ زنجیر قریبی پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔

آدمی کے قتل کی تحقیق کا عمل فوراً شروع ہو گیا۔ رات کے پہرے داروں نے گواہی دی کہ انھوں نے اس قصاب کو مقتول کے سینے سے اٹھایا ہے اور اس کی چھری بھی مقتول کے اوپر گری پڑی تھی، نیز فجر کے وقت میں لاش کے قریب اور کوئی نہیں پایا گیا۔ جو گواہ وہاں اکٹھے ہوئے یا نمودار ہوئے تھے، انھوں نے بھی پہرے داروں کی گواہی کی تائید کر دی، عدالت نے فیصلہ صادر کر دیا کہ یقیناً قصاب ہی قاتل ہے، چنانچہ اسے تختہ دار پر لٹکانے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔

وہاں کسی نے اس کی بات نہ سنی کہ وہ قاتل نہیں ہے، نہ اس کے حقیقی قصے کی تصدیق کی کہ اسے مقتول سے جب کہ وہ فجر کے وقت اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا ٹھوکر لگی تھی، اس کی باتیں اور لجاجتیں ہواؤں کی نظر ہو گئیں، لیکن اس پر حکم صادر ہو جانے کے بعد اس نے فیصلہ سنانے والے قاضیوں کو لوگوں کی

موجودگی میں کہا: بے شک میری باتیں سچی ہیں اور گواہوں کے بیانات جھوٹے ہیں، لیکن میں یہ حق رکھتا تھا کہ مجھے پھانسی دے دی جائے، کیونکہ کئی سال پہلے میں نے ایک شیر خوار بچے اور اس کی ماں کو قتل کر دیا تھا، تب انھوں نے اصل قاتل کی تلاش کی جس نے قتل جیسے جرم کا ارتکاب کیا ہے، لیکن وہ سزا سے بچ گیا تھا، البتہ اس کے بارے میں پھانسی کا حکم دے دیا گیا تھا۔

عین ممکن تھا کہ قصاب کی پھانسی کا معاملہ بھی یوں ہی مکمل ہو جاتا، جیسا کہ دیگر مجرموں کی پھانسیوں کو بھلا دیا گیا اور معاشرے پر کوئی اثرات مرتب نہ ہوتے یا تھوڑا بہت معاشرتی اثر ہوتا، جو دنوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا، لیکن اس قصاب کے قصے نے معاشرے میں ایک گہرا اثر چھوڑا اور آج تک اس کا واقعہ زبانِ زدِ عام ہے۔

اس اثر کا راز یہ ہے کہ وہ اس مقتول کے خون سے بری تھا جس کے سبب اسے پھانسی دی گئی، لیکن اس فیصلے میں وہ مظلوم بھی نہیں تھا، کیونکہ وہ ایک بچے اور اس کی ماں کے قتل کا مقروض تھا، تب انسانیت ان دونوں کے قاتل کا کھوج لگانے سے عاجز آ گئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ تو اس کی گھات میں تھا۔ قاتل ملاح کی زندگی کی آخری رات کی نشست بہت طویل ہو گئی تھی، وہ اپنی ماں، باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ اختتامی باتیں کر رہا تھا۔

ملاح کی پھانسی کا وقت قریب آ گیا اور سرکاری افسروں کی ایک جماعت اس کے گھر والوں سے ملی، جنھوں نے اس کی سزائے موت کے بارے میں جاری ہونے والے فیصلے کی گواہی دی۔ پھر وہ شخص آیا جس نے گھر والوں اور ملازموں کو یاد دلایا کہ حکم پر عمل درآمد کا وقت قریب ہے۔ تمام لوگ اپنے دل

تھام کر رہ گئے، سب تمنا کر رہے تھے کہ ملاح کی زندگی لمبی ہو جائے، چاہے چند منٹ ہی۔ پھر وہ شخص آیا جو مجرم، کے سر اور چہرے پر سیاہ تھیلی ڈالتا ہے اور تختے کی طرف لے کر چلتا ہے۔

اس سے تھوڑی دیر پہلے کہ تختہ مجرم کی ٹانگوں کے نیچے سے کھینچا جاتا، وہ چلایا اور کہا: تم اپنا قاتل تلاش کرو، میں تو شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی وجہ سے پھانسی دیا جا رہا ہوں اور جو حکم میرے بارے میں صادر ہوا ہے، یہ کسی بشر کا عدل نہیں ہے، بلکہ بشر کے رب کا انصاف ہے۔

اس کا معاملہ ختم ہو گیا، لیکن عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے اس کا قصہ باقی رہ گیا۔

جیسا عمل ویسا بدلہ

وہ اپنی بیوی کے ساتھ دائمی جھگڑے والی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اپنی اہلیہ سے سختی سے پیش آتا تھا۔ وہ انتہائی سخت دل اور طبیعت کا تیز تھا۔ بیوی اس کی شدت اور سخت کشی سے بڑی مشقت اٹھایا کرتی تھی۔ ایک دن معمول کے مطابق میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا، سنگ دل خاوند نے ایک موٹا ڈنڈا پکڑا اور بیوی کو دے مارا۔ شدتِ ضرب سے بیوی مر گئی۔ خاوند اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ صرف تادیب مقصود تھی، جب اس نے دیکھا کہ وہ مر گئی ہے، حیران و پریشان رہ گیا، اب کیا کرے؟ اس مشکل سے نجات پانے کا بہانہ سوچنے لگا، اس نجات کا کوئی راستہ نہ سوجھا، بالآخر اپنے ایک قریبی رشتے دار کی طرف چل پڑا اور اسے سارا قصہ کہہ سنایا، تاکہ اس بھنور سے نکلنے کا کوئی راستہ معلوم کر سکے۔

اس کے قریبی رشتے دار نے اس سے کہا: سن! کسی خوب رو نوجوان کو تلاش کرو اور اپنے گھر ضیافت کے لیے اسے دعوت دو، پھر اس نوجوان کو قتل کر دو، اس کا سر کاٹو اور اس کی لاش اپنی بیوی کی لاش کے قریب رکھ دو۔ بیوی کے گھر والوں سے کہنا کہ میں نے اس نوجوان کو اپنی بیوی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا، مجھ سے ان کی یہ بدفعلی برداشت نہ ہوسکی، چنانچہ میں نے دونوں کو یک لخت قتل کر دیا، اس طرح تو اس مصیبت سے گلو خلاصی کروا سکے گا اور ان کے سامنے ایک معزز آدمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

جب خاوند نے اپنے قریبی عزیز کی بات سنی تو اسے راحت کا احساس ہوا، جلدی سے اپنے گھر کی طرف لوٹا، تاکہ پروگرام کو پروان چڑھا دے۔ اپنے دروازے پر بیٹھ گیا، تاکہ اپنا مدعا پا سکے، ایک مدت کے بعد ایک خوب صورت اور دلکش نوجوان آیا، جس سے آثارِ نعمت ٹپک رہے تھے۔ خاوند نوجوان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور خوش آمدید کہنے لگا۔ نوجوان اس کی باتوں سے ورطۂ حیرت میں گم ہوگیا، لیکن خاوند نے اصرار کیا کہ نوجوان ضرور اس کے گھر تشریف لائے، تاکہ وہ اس کی ضیافت کر سکے اور ساتھ ہی اسے گھسیٹ کر اندر لے گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ نوجوان دہشت زدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ خاوند نے جلدی کی اور اپنے فعلِ شنیع کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس نے خوف زدہ نوجوان کو قتل کیا، پھر اس کا سر کاٹ پھینکا اور اس کے جسم کو اپنی بیوی کی لاش کے ساتھ اکٹھا کر کے رکھ دیا، جب بیوی کے گھر والے آئے اور دونوں لاشوں کو دیکھا اور خاوند نے خود ساختہ قصہ سنایا تو وہ اپنی ہی بیٹی کو اس قبیح فعل پر لعن طعن کر رہے تھے اور گالیاں دیتے جا رہے تھے۔ خاوند کے دل کو سکون آ گیا اور اس نے محسوس

کیا کہ اس نے اپنے آپ کو یقینی موت سے نجات دلا دی ہے، اب وہ اپنے قریبی عزیز کو بلانے لگا، جس نے اس کو اس خفیہ تدبیر اپنانے کا مشورہ دیا تھا۔

خاوند اس دوران اپنے گھر میں شاداں و فرحاں تھا، کیونکہ سب اچھا ہو گیا تھا۔ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سنی، جب دروازہ کھولا تو اچانک اس قریبی عزیز سے سامنا ہو گیا، خاوند نے اسے گلے لگا لیا، بوسہ دیا اور شکریہ ادا کرنے لگا اور اسے اندر لے گیا تا کہ ضیافت کر سکے، اس سے اس کے قریبی نے کہا: کیا منصوبہ کامیاب ہو گیا؟ خاوند نے کہا: یقیناً میں واضح طور پر کامیاب ہو گیا اور تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ یہ سب آپ کے حسنِ تفکر اور سلامتِ تدبیر سے ہوا۔ قریبی نے کہا: کیا تو نے اپنا مطلوبہ ہدف پا لیا تھا؟ خاوند نے کہا: ہاں، بے شک میں نے ایک خوبصورت اور چاند چہرہ نوجوان پا لیا تھا، اس کے قریبی نے کہا: مجھے نوجوان دکھاؤ، جسے تم نے قتل کیا ہے۔ جب اس نے اسے دیکھا تو اونچی چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا، خوب رو مقتول نوجوان دراصل اس کا بیٹا تھا!!

اس چال باز نے اپنے قریبی کو مصیبت سے نکالنے کے لیے حیلہ سوچا، چہ جائے کہ وہ اسے اپنے آپ کو عدالت میں پیش کرنے کی نصیحت کرتا یا اس کے بارے میں اطلاع دیتا، اس نے جرم پر مدد کی اور اس سے بھی بڑا جرم بتا دیا، چنانچہ اپنے ہی لختِ جگر، نوجوان بیٹے کو ذبح کروا دیا اور اپنے اعمال کے شر میں واقع ہو گیا۔

ظالموں کا انجام کیسا ہوا

محمد بن عبدوس نے اپنی کتاب "الوزراء" میں محمد بن یزید سے بیان کیا

ہے کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جیل سے کچھ لوگوں کو رہا کرنے کا حکم دیا تو میں نے ان کو رہا کر دیا۔ حجاج کے منشی یزید بن ابی مسلم کو پسِ دیوار زنداں ہی رہنے دیا، اس نے مجھ سے بغض چھپایا اور میرے خون کی نذر مانی، یعنی مجھے قتل کرنے کی نذر مانی۔

محمد بن یزید کا بیان ہے: میں افریقہ میں تھا، اچانک بات ہوئی کہ حجاج کا منشی یزید بن ابی مسلم، خلیفہ یزید بن عبدالملک کی طرف سے انصار کے آزاد کردہ غلام محمد بن یزید کو برطرف کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کی بات ہے۔ میں بھاگ نکلا، لیکن اسے میرے ٹھکانے کا علم ہو گیا، اس نے مجھے تلاش کیا اور پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس حاضر کیا گیا تو کہنے لگا: کتنی دیر سے میں اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ مجھے تجھ پر قدرت دے دے۔ میں نے کہا: اور میں بھی، اللہ کی قسم! بڑی دیر سے یہ دعا کرتا تھا کہ اللہ مجھے تجھ سے پناہ دے دے۔

یزید نے کہا: اللہ نے تجھے مجھ سے پناہ نہیں دی۔ اللہ کی قسم! میں یقیناً تجھے قتل کر دوں گا، اگر موت کا فرشتہ مجھ سے پہلے تیری روح قبض کرنے لگا تو میں اس سے بھی سبقت لے جاؤں گا۔ پھر ایک تلوار اور چٹائی منگوائی تو دونوں چیزیں حاضر کر دی گئیں، میرے بارے میں حکم دیا اور مجھے اس چٹائی پر کھڑا کر دیا گیا، ہاتھ پیچھے باندھے گئے، سر باندھ دیا گیا اور میرے پیچھے ایک آدمی تلوار سونتے کھڑا ہو گیا، وہ میری گردن اڑانا ہی چاہتا تھا کہ نماز کی اقامت کہہ دی گئی۔

اس نے کہا: اسے نماز پڑھنے کی مہلت دے دو اور خود بھی نماز کے لیے

نکل کھڑا ہوا۔

جب اس نے سجدہ کیا تو تلواروں نے اسے آن لیا اور وہ قتل کر دیا گیا، میرے پاس کسی نے میرے پیچھے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے، میرا سر کھولا اور میرا راستہ خالی کر دیا، چنانچہ میں صحیح سلامت واپس لوٹ آیا۔[1]

ہر ظالم کے لیے عبرت

جنرل محمود شیت خطاب نے کہا:

1972ء کی گرمیوں کے دوران میں مجھے میرے امراض نے بیروت کے ایک ہسپتال میں طبی چیک اپ کے لیے داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنے علاج کروانے کے معاملے کو چھپانے کی لاکھ کوشش کی، لیکن بری خبریں لازماً جلد مشہور ہو جاتی ہیں، جب کہ اچھی خبریں بہت مشکل سے شہرت پاتی ہیں۔

میرے دوستوں کے ایک گروپ نے میری عیادت کی اور وہ مجھے سرزنش کر رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ تحائف تھے جو عادتاً مریض کو پیش کیے جاتے ہیں جیسا کہ گلاب کے پھول اور مٹھائی۔

میرے پڑوسی مریض کچھ ریٹائرڈ اور کچھ حاضر سروس آفیسرز تھے، میں نے اس بات کو ترجیح دی کہ ان سے تعارف کروں، ان کی تیمار داری کروں اور انھیں تسلی وتشفی دوں، اس طرح میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے مردوں اور نرسوں کے ساتھ وہ تحائف ساتھ لیے ہوئے انھیں پیش کرنے لگا۔ ہر تحفے کے ساتھ ایک پیاری اور شگفتہ بات ہوتی، جس سے میں ان کی جلد صحت یابی کی

[1] مختصر الفرج بعد الشدة للإمام التنوخي (ص: ٣٢٣۔٣٢٤)

توقع رکھتا اور جلد ہی ملاقات کا وعدہ کرتا۔

میں نے چاہا کہ باقی ماندہ پھولوں میں سے کچھ پھول اس آفیسر کی طرف بھیج دوں، جو ساری رات خود سوتا ہے اور نہ کسی کو آنکھ لگانے دیتا ہے۔ جب میں نے نرس سے پوچھا کہ کیا تو اسے اس سے پہلے جانتی ہے؟ وہ کہنے لگی: نہیں، لیکن یہ رات کو نہ خود سوتا ہے اور نہ مجھے سونے دیتا ہے، شاید اس تحفے کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر شفقت کرے اور میرے ساتھ نرمی کرے۔

نرس نے کہا: (بہت مشکل ہے...!) مجھے معلوم ہے، یہ کئی مہینوں سے ہسپتال میں ہے، وہ ہسپتال کے لیے دائمی ٹینشن ہے، چند دنوں کے لیے گھر جاتا ہے اور پھر مہینوں یہاں ٹکا رہتا ہے۔ ظاہر صورت حال یہی بتاتی ہے کہ عنقریب یہ مر جائے گا، خود بھی آرام پائے گا اور لوگوں کو بھی راحت مل جائے گی۔

میں ایک اور بیمار لیفٹیننٹ کو ملا، وہ اپنا نام ''کولونیل'' بتاتا تھا، اس کے گھر والے اسے ''کولونیل'' ہی کہتے تھے اور ڈاکٹرز، نرسیں اور دیگر عملہ بھی اسے کولونیل کہتے تھے۔

وہ ایک پرانا آفیسر تھا، فرانسیسی پولیس میں کام کرتا رہا، یہ ان دنوں کی بات ہے جب فرانس لبنان پر چڑھائی کر رہا تھا، عسکری اصطلاحات ابھی واضح نہیں تھیں، فرانسیسی اصطلاحات ہی غالب اور چلتی تھیں، جب کہ عربی اصطلاحات ابھی ابتدائی مرحلے میں تھیں۔ اس کی عقل حاضر، زبان سلامت، یاد داشت مضبوط اور دل دھڑکتا تھا، اس کی زندگی کا سب کچھ یہی تھا۔

وہ جن امراض میں مبتلا تھا وہ بہت زیادہ تھے، شوگر، شریانوں کا سخت ہو جانا، بلڈ کینسر، یرقان، ٹانگوں اور جسم کے گوشت کا جھڑنا اور بلڈ پریشر۔ وہ دن کو

شور مچاتا، حتی کہ خیال پیدا ہوتا کہ وہ تندرست ہے، لیکن وہ رات کو پھر بیمار پڑ جاتا، یہاں تک کہ خیال ہوتا کہ وہ رات کی گھڑیوں میں زندہ نہیں بچے گا۔ رات کو ایک مرتبہ تو درد سے چلاتا اور دوسری بار کسی ملازم یا نرس کو آاوز دیتے ہوئے شور مچاتا۔ اس شور میں دو اسلحے استعمال کرتا، اپنی آواز اور برقی گھنٹی۔

جب کوئی ملازم یا نرس آتی، اس کے پاس کوئی کام نہ پاتے، جہاں سے آتے وہیں لوٹ جاتے، لیکن ابھی اپنی جگہ پہنچ نہ پاتے کہ وہ آفیسر انھیں دوبارہ سہ بارہ اور چہار بارہ بلاتا، حتی کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ جب اپنی آواز کو پست کرتا تو برقی گھنٹی استعمال کرتا، اسے اپنی جیب میں رکھتا اور زور کے ساتھ اس کا بٹن دبا دیتا، نرس یا ملازم کے آجانے کے باوجود بھی اس کا ہاتھ بٹن کے اوپر ہوتا۔

وہ چاہتا کہ ملازم مرد یا نرس ساری رات اس کے پاس موجود رہے۔ اگر وہ اس کی حاجت برآوری کے لیے اس کے پاس رہتے تو وہ چند لحظوں کے بعد کمرے میں ان کے وجود کے متعلق بھول جاتا اور آوازیں دینا اور گھنٹی بجانا شروع کر دیتا۔ جب میں اس سے ملا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور مجھے اپنا قصہ سنایا۔ کہا: میں فرانسیسی پولیس میں لیفٹینٹ کرنل کے عہدے پر تھا اور مقامی پولیس کی سربراہی کرتا تھا، بیروت مجھ سے خائف رہتا، میرا نام سن کر بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جایا کرتے۔

فرانسیسی مجھ پر اعتماد کیا کرتے اور میں بھی ان کے لیے بھرپور اخلاص کا مظاہرہ کرتا۔ اپنے فرائض بطریق احسن بجا لاتا۔ فرانسیسی جب کسی مجرم سے عاجز آ جاتے تو مجرم کو میرے سپرد کر دیتے، پھر میں طاقت کے ساتھ اس سے اعترافات کرواتا۔

میں کسی پر رحم نہ کھاتا تھا، کئی قسم کی سزاؤں کے تجربات کرتا رہتا۔ مجرم گر جاتے اور میری مراد یا فرانسیسیوں کی مراد کے مطابق معترف ہو جاتے، پھر عدالتوں کی طرف لے جائے جاتے، تاکہ جس سزا کے مستحق ہیں، اسے پا سکیں۔ وہ لگا تار بیان کرتے کرتے سزا کی چوراسی اقسام اور طریقے بیان کر چکا تھا، جو وہ تہمت زدہ مجرم کو دیا کرتا تھا، اس کے مسلسل بیان کرنے اور سزا دینے کی ہولناکی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

پھر کہا: اور جس مصیبت میں آج میں گرفتار ہوں، یہ اللہ کا عذاب ہے، میں نے کئی بے گناہوں کو عدالتوں میں گھسیٹا اور بہت سے نیک لوگوں کو اپنے فرانسیسی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے سزائیں دیں۔ فرانسیسی واپس نہ آنے کے لیے چلے گئے اور لیفٹیننٹ کرنل لعنتیں کھانے کے لیے پیچھے رہ گیا، حتی کہ اس کی بیوی، اولاد اور رشتے دار اسے پسند نہیں کرتے تھے اور اللہ سے اس کی موت کی دعائیں اور آرزوئیں کرتے، کیونکہ وہ انھیں بھی اپنے غل غپاڑے اور گھبراہٹ سے بڑا تنگ کیا کرتا تھا، لیکن دوسروں کی نسبت وہ اپنے آپ کو زیادہ سزا دیتا۔ اس کے آقا کوچ کر گئے اور وہ لوگوں کی نظروں اور اپنے گھر والوں کی نظر میں مکروہ و ناپسندیدہ باقی رہ گیا۔

وہ اپنے قربانی کے جانوروں (مجرموں) کو رات میں سزا دیا کرتا اور آج اللہ بھی اسے رات کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کی سزا پانے والوں کے اعضا کٹ کر گر جایا کرتے اور آج اس کے اعضا ایک ایک کر کے گر رہے تھے۔ اللہ نے اس کی زبان کو باقی رکھا، تاکہ لوگوں کو اپنے مجرمانہ کاموں کے متعلق بیان کر سکے اور اس کی یاداشت کو قائم

رکھا، تا کہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، ان کا لوگوں کے سامنے شمار کر سکے اور اس کا دل دھڑکتا رہنے دیا، یہاں تک کہ دنیا کا عذاب برداشت کر سکے اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔

کیا لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں !!!

اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴾ [ابراهيم: ٤٥]

''اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد تھے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہو چکا تھا کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا تھا اور ہم نے تمھارے لیے مثالیں بیان کی تھیں۔''

یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے

دارین نے پانچ سال گزار دیے، وہ اس دن کا خواب دیکھتی رہی، جس میں وہ ماں بن جائے گی۔ وہ روتے ہوئے اپنے رب سے دعا کرتی کہ اللہ اسے نیک بیٹا عطا کر دے۔ دعا اور علاج معالجے کے طویل وقت کے بعد اس نے اپنے اندر بہت بڑی تبدیلی دیکھی، اسے عجیب وغریب عوارض کا احساس ہوا، اس نے اپنے خاوند کو معاملہ بتایا، جس پر وہ اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گیا، چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے خوش خبری سنائی کہ اس کی بیوی حاملہ ہے، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، وہ گیا۔ اپنی ماں کو، اس کی والدہ اور گھر والوں کو بشارت سنائی، خوشیوں اور بشارتوں کا سماں بندھ گیا کہ دارین سالہا سال کے

انتظار کے بعد امید سے ہوئی تھی۔ نویں مہینے کے بعد دارین نے اللہ کی توفیق سے بیٹے کو تولد کیا، جس کا نام محمد رکھا، لیکن ولادت کا معاملہ نازک ترین تھا اور دارین تھک گئی، کیوں کہ وہ اپنے گھر سے دور تھی اور کوئی بھی اس کی خدمت کرنے والا نہ تھا، اس نے اپنے خاوند سے خادمہ کا مطالبہ کیا۔

قبیلے میں ایک قلاش بڑھیا تھی، جو گھروں میں خدمت سرانجام دیا کرتی تھی، وہ اسے لے آیا، تاکہ اس کی بیوی کی خدمت کرے۔ خدمت کے ایک ہفتے بعد اس نے دارین سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی بیٹی کو بھی لے آؤں، تاکہ وہ پیرانہ سالی میں میری اعانت کرے۔ دارین نے کوئی اعتراض نہ کیا اور اس طرح ماں بیٹی کو رہتے ہوئے بیس دن گزر گئے، پھر بیٹی اکیلی ہی آنے لگی، اس کی عمر سترہ برس تھی اور خوب روتھی، وہ بھرپور سنگھار کر کے آتی۔ دارین نے اسے عجیب جانا اور آیندہ نہ آنے کا کہہ دیا، اس کا خاوند درمیان میں آ گیا اور کہا: اسے چھوڑ دے، چالیس دن تک تیری خدمت کرے گی اور پھر رخصت ہو جائے گی، دارین کے خاوند نے خادمہ سے کہا کہ وہ گھر میں سویا کرے، تاکہ دارین کے قریب رہ سکے۔ لڑکی نے موافقت کی، سینتیس (۳۷) دن گزرنے کے بعد دارین کو نفاس کا بخار چڑھ گیا، اس کا خاوند اپنی بیوی امِ محمد سے پوچھے اور اس کا خیال کیے بغیر جیسا کہ وہ روزانہ کیا کرتا تھا، صبح صبح چلا گیا، جب کہ وہ ساری رات بخار سے کپکپاتی رہی اور معصوم روتا رہا۔

صبح ہوئی تو اس نے خادمہ کو آواز دی، لیکن اس نے نہ سنی۔ وہ مشکل سے اٹھی اور اس کمرے کی طرف گئی جہاں خادمہ سویا کرتی تھی، لیکن اسے نہ پایا، اپنے دل میں کہا، شاید وہ دوسری منزل پر صفائی کر رہی ہو گی۔ وہ سیڑھیاں چڑھی تو وہ

بہت زیادہ تھک چکی تھی، اسے آواز دی، اس نے نہ سنی، اس نے کہا: شاید سونے والے کمرے میں صفائی کر رہی ہے، اس نے دروازے کو بند پایا، جب دروازہ کھولا تو خادمہ کو سلیپنگ ڈریس میں اپنے بیڈ پر پایا، وہ چلائی: تجھے شرم نہیں آتی، اس طرح سو رہی ہو اور میرے سونے والے کمرے میں اور ایک اجنبی آدمی کے گھر میں؟ وہ بولی: سوچ کر بات کرو، غلطی مت کھاؤ، یہ میرا خاوند ہے، ایک ہفتے سے اس نے میرے ساتھ نکاح کر لیا ہے، ان کی باہم تیز لفظی تکرار اور لڑائی ہو گئی، چند گھنٹوں کے بعد خاوند آیا اور خادمہ کو اور جو اس کی دوسری بیوی بھی تھی، دیکھا کہ چھوٹے محمد کو اپنے کندھے پر اٹھا کر سہلا رہی ہے، دارین کے بارے پوچھا تو جمالات نے کہا: وہ اوپر والے پورشن پر ہے، وہ آوازیں دیتا ہوا اوپر چڑھا، جب کمرے تک پہنچا تو اسے زمین پر گرے ہوئے پایا، اس کے پیٹ سے خون پھوٹ رہا تھا، کمرے کے دروازے کا قبضہ بھی لہولہان تھا، وہ گھبرا کر چیخ پڑا، اس کو ہاتھوں پر اٹھایا اور منظر سے اور خوف زدہ ہو کر چلاتا واپس لوٹا، جمالات! ادھر آؤ، جب وہ آئی اور دارین کو اس صورت میں دیکھا تو چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگی۔ اپنے خاوند سے کہنے لگی: میں نے اسے کہا تھا کہ اوپر والے پورشن پر نہ جایا کرے، لیکن اس نے انکار کر دیا، مجھے یقین ہے کہ یہ تھک گئی ہو گی اور دروازے پر گر گئی ہو گی، اور یہ حادثہ پیش آ گیا۔

وہ اس کے اوپر گر گئی اور کہنے لگی: اے امِ محمد! اے امِ محمد! اس کے بعد اس کے خاوند نے اسے ہسپتال میں منتقل کیا، ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ فوت ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نے اس سے پوچھا کہ یہ کیسے فوت ہوئی ہے؟ ابو محمد نے کہا: یہ دروازے کے دستے پر گر گئی ہے اور اس کا کنارہ اس کے پیٹ کو چیر گیا ہے، ڈاکٹر نے پوچھا

کہ اس کے پاس کوئی اور موجود تھا؟ اس کے خاوند نے کہا: اس کے معصوم محمد کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ چنانچہ لکھ دیا گیا کہ یہ اللہ کی تقدیر اور فیصلے سے ہو گیا ہے، دارین کو دفنا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی راز بھی دفن کر دیا گیا۔

اس کی تدفین کے تین دن بعد، ابو محمد نے اس کی بہنوں کو پیغام بھیجا اور اس کی وفات کی اطلاع دی۔ دارین کا باپ فوت ہو چکا تھا، جب اس کی ماں کو پتا چلا تو اپنے بیٹے سے کہا: ہمیں چاہیے کہ ہم ضرور جائیں اور معصوم محمد کو ساتھ لے آئیں اور اس کی پرورش کریں، نیز دیکھیں کہ ہماری بیٹی فوت کیسے ہوئی؟ جب وہ وہاں پہنچے تو ابو محمد نے انھیں خوش آمدید کہا، انھوں نے یہ لڑکی ''جمالات'' بھی وہاں پائی۔

دارین کی ماں نے پوچھا: یہ لڑکی کون ہے؟ ابو محمد نے اسے بتایا: یہ میری بیوی ہے، دارین کی زندگی ہی میں میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ ماں کو اپنی بیٹی کی طبعی موت مرنے پر شک ہو گیا، اس کے بعد کہ وہ ابو محمد سے قصہ سن چکی تھی، بولی: نہیں، ابو محمد! وہ اس کی بیوی جمالات کی طرف دیکھ رہی اور کہہ رہی تھی: ابو محمد سنو! اگر مخلوق سے چھپ گئی ہے تو خالق سے قطعاً نہیں چھپ سکتی۔ ابو محمد نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور بولا: ہر انسان اپنا نصیب لیتا ہے۔

ابو محمد نے ارادہ کیا کہ فرائضِ ضیافت بجا لائے، لیکن دارین کی ماں اور اس کے بیٹے نے انکار کیا اور اس سے اس کے بیٹے محمد کا مطالبہ کیا، تاکہ دارین کی ماں اس کی پرورش کر سکے، اس کے باپ کو کوئی اعتراض نہ ہوا، بلکہ خوشی سے اس نے کہا: ہر مہینے اس کا خرچ آپ کو پہنچ جایا کرے گا۔ بچے کے ماموں نے

انکار کر دیا اور کہا: بے شک یہ میری اولاد جیسا ہی ہے اور اس کی وجہ سے میرا گھر تنگ نہیں پڑے گا، اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، تم کوئی چیز مت بھیجنا۔ ابو محمد نے ان کا شکریہ ادا کیا اور نانی اور ماموں نے بچے کو ساتھ لے کر رختِ سفر باندھا۔ جمالات اس وسیع بنگلے میں تنہا رہ گئی اور فقر وفاقے کے بعد اس نعمت سے لطف اندوز ہوئی اور اپنے گھر والوں کے حالات بھی سدھار دیے۔

کئی سال گزر گئے، جمالات کا حسن روز افزوں بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ہر سال ایک بچے کو تولد کرتی، حتی کہ اس کے پاس آٹھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہو گئیں، اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو رہا تھا، سال بیت رہے تھے اور وہ یوں محسوس کرتی جیسے کوئی سہانا خواب ہے۔ ایک دن خاوند سے کہنے لگی کہ کسی سرد مقام پر گھومنے کے لیے جاتے ہیں، اس کے خاوند نے مرحبا کہا اور سب سیر وتفریح کے لیے تیار ہو گئے اور خوشی خوشی نکل پڑے۔

راستے میں ایک نشیب میں اترتے وقت اس کی گاڑی ایک بڑے ٹرک کے ساتھ ٹکرا گئی۔ گاڑی الٹ گئی اور حادثے میں جمالات اور اس کے بڑے بیٹے کے سوا کوئی بھی نہ بچا۔ جمالات شدید جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی، جب کہ اس کے بیٹے کو معمولی چوٹیں آئیں۔ جمالات کو جب حادثے سے افاقہ ہوا اور معلوم ہوا کہ اس کا خاوند اور ایک بیٹے کے سوا ساری اولاد ختم ہو چکی ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی، اس کے آدھے جسم کو فالج ہو گیا اور وہ تین سال ہسپتال میں رہی، جب کہ اس کا بیٹا دو ماہ بعد ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

دن گزر رہے تھے اور وہ ایک بوجھل پہاڑ کی مانند ہو گئی تھی۔ اتنے سالوں کے بعد ہسپتال سے نکلی۔ وہ ایک متحرک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، کیوں کہ

وہ اپاہج ہو چکی تھی، اس کا بیٹا اسے لینے کے لیے آیا۔ راستے میں آتے ہوئے اس کی گاڑی الٹ گئی اور وہ اسی جگہ مر گیا۔ جب جمالات کو پتا چلا تو وہ اچانک خوف ناک حادثے سے گر گئی۔ وہ اس دنیا میں اکیلی رہ گئی، ہسپتال کے عملے نے اس کے آبائی شہر رابطہ کیا، جہاں وہ کپاس چنا کرتے تھے، چنانچہ اس کا باپ اور بھائی آئے اور اسے لے گئے۔

محمد جو اس کے خاوند کا بیٹا تھا آیا اور اپنے باپ کی جائیداد لے گیا، اس کے ساتھ اس کی نانی (دارین کی ماں) بھی تھی، جب جمالات نے اسے دیکھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہنے لگی: خالہ! کیا تجھے تیری وہ بات یاد ہے کہ اگر مخلوق سے حقیقت چھپ سکتی ہے تو خالق سے قطعاً نہ چھپ پائے گی؟ اس نے کہا: ہاں، اس پر جمالات بولی: مجھے اجازت دو کہ میں حقیقتِ حال سے پردہ ہٹاؤں، میں نے ہی دارین کو قتل کیا تھا۔ جس وقت دارین اوپر والی منزل پر چڑھی تھی وہ تپش اور بخار سے کپکپا رہی تھی، اس نے دروازہ کھول دیا اور ہماری لڑائی ہو گئی، اس بات کے پیشِ نظر کہ وہ بیمار تھی، میرے مقابلے کی تاب نہ رکھتی تھی، میں اٹھی اور وہ بے بس ہو گئی۔ میں نے اسے دروازے کے دستے کے اوپر دبا دیا، خون پھوٹ پڑا اور وہ گر گئی۔

جب مجھے اس کی موت کا یقین آ گیا تو میں نیچے چھوٹے محمد کی طرف اتری اور اسے گود میں لے لیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کئی سال بیت گئے اور دیکھو! مجھے میرے فعل کی سزا مل گئی ہے، یقیناً اللہ نے مجھ سے بہت سخت انتقام لیا ہے، میں نے اپنے خاوند کو کھو دیا، اپنی ساری اولاد سے محروم ہو گئی، اپنے شباب اور تندرستی کو گنوا دیا اور اب خالہ جان! آپ مجھے معاف کر دو۔ دارین کی ماں نے

کہا: حسبی اللہ و نعم الوکیل..... یہ دنیا کی سزا ہے اور میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ تمھیں آخرت کی سزا بھی دے اور تجھ سے انتقام لے۔

جمالات اپنے گھر والوں کے پاس رہ گئی، اس کا باپ فوت ہو گیا، بھائی باقی رہ گیا۔ اس سے کہنے لگا کہ اسے اپنے مال کا وکیل بنا دے، اس فیصلے کے ساتھ کہ وہ اس کا وصیت یافتہ ہے، اس نے اسے وکالہ دے دیا۔ جب اس نے ہر چیز وصول کر لی تو اسے لہو ولعب اور عیاش پرستوں میں اڑا دیا، اس نے اپنی بہن جمالات کا چنداں خیال نہ کیا، اب وہ اہلِ خیر کے صدقات و زکات کی مرہونِ منت ہو کر رہ گئی، یہاں تک کہ ایک دن تنِ تنہا موت کی وادی میں چلی گئی، اس کی موت کا علم اس وقت ہوا جب اس کے جثّے سے بدبو اور کمرے سے تعفن پھیلنے لگا۔

ظالم اپنا بدلہ ایسے ہی پاتا ہے اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔

بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بڑی سخت ہے

تین سال پہلے، ایک چار سالہ بچی، بغداد کے محلوں میں سے ''صلیخ'' نامی ایک محلے میں ایک گٹر میں ڈوبی ہوئی پائی گئی۔ اس حادثے سے بغداد میں کہرام مچ گیا۔ مجالس کا موضوعِ گفتگو یہی بنا رہا اور اخبارات و رسائل میں اس کی تفصیلات چھپیں۔

بچی بڑی خوب رو تھی، سفید رنگت اور زرد گھنگھریالے بال، جیسے کوئی مورت ہو، اس کی والدہ ایک پرائمری سکول کی استانی تھی، جب کہ اس کا والد کسی چائلڈ سکول کا پرنسپل تھا۔ گھر میں ایک بارہ سالہ خادمہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

جب بچی کی ماں سکول یا بازار میں کہیں دور ہوتی تو وہ اس کے ساتھ کھیلا کرتی۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اور وہی ان دونوں کی زندگی کی بہار تھی۔ وہ گھر کو خوشی اور مسرت سے بھر دیتی۔

ماں ظہر کے وقت اپنی سکول سے واپس لوٹی تو اس کی لاڈلی بچی سامنے سے معمول کا شور مچاتی ہوئی نہ ملی۔ وہ جلدی سے گھر کے صحن کی طرف پلٹی، خادمہ کو دیکھا کہ وہ باورچی خانے میں برتنوں والے خانے صاف کر رہی ہے، اس سے بچی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ چند لمحے پہلے اس کے ساتھ ہی تھی۔ ماں گھر کے سارے کمروں میں گئی، سارے راستوں پر تلاش کیا، لیکن بچی کا کوئی نام و نشان نہ ملا۔ وہ بدحواس ہو کر سڑک کی طرف نکل گئی، پڑوسیوں اور آنے جانے والوں سے بھی پوچھا لیکن بلاسود۔

پھر اس کا باپ آ گیا، اس نے بھی کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی، جہاں اس کے ہونے کا شبہہ ہوسکتا ہے، مگر وہاں گیا، فریاد کی، مدد مانگی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ والدین نے پولیس اور امن کمیٹی والوں سے رابطہ کیا، انھوں نے بغداد کو سر سے ایڑھی تک چھان مارا، لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ گھڑیاں بیتیں، ایام گزرے، لیکن بچی کا کوئی اتا پتا معلوم نہ ہوا۔

ایک دن موسلا دھار بارش برسی، گھروں کی چھتوں اور بلندیوں سے خوب پانی ٹپکا، جس سے گٹر اُبل پڑے، صفائی والے نے گٹر کا ڈھکن کھول دیا تو اس نے گناہ سے بری بچی کو پانی کی سطح کے اوپر پھولا ہوا پایا۔ امن کمیٹی والے جلدی سے گھر میں داخل ہوئے اور نئے سرے سے تحقیقات شروع کر دیں، گٹر کا ڈھکن

اس درجہ ثقیل تھا کہ بچی اسے اٹھا نہ سکتی تھی، چنانچہ تہمت کی انگلیاں خادمہ کی طرف اشارہ کرنے لگیں۔

لیکن خادمہ کو ایسا قبیح فعل سرانجام دینے کی کیا ضرورت تھی؟ بچی کے والد نے کہا: خادمہ بچی کی بالکل ویسے ہی نگہداشت کرتی تھی، جیسے وہ خود کرتا تھا۔ بچی کی ماں نے کہا: بے شک خادمہ امانت دار اور عمدہ سیرت والی ہے، اس نے دور و نزدیک سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی، جو اس کے کردار کو داغ دار کرے۔ پڑوسیوں نے کہا کہ یہ گھرانہ خادمہ کی مثالی رعایت رکھتا ہے، وہ سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرتی ہے۔ وہ وہی لباس پہنتی ہے جو بچی زیب تن کرتی ہے اور اس کمرے میں سوتی ہے جہاں ماں اور بچی سوتیں ہیں۔ جب ماں ملاقات کرنے جاتی یا اس کے ہاں کوئی مہمان آتا تو ماں کی کوشش ہوتی کہ خادمہ کو بھی ساتھ بٹھائے۔ والدین نے کہا: بے شک وہ خادمہ پر شک نہیں کرتے، یہ ناممکن ہے کہ وہ جان بوجھ کر یا کسی کے اصرار پر بچی کو ڈبوتی۔

امن کمیٹی والوں نے جو کچھ سنا، اس پر اکتفا نہ کیا اور گہرائی میں جا کر تحقیق کرنے پر مصر رہے، ان میں سے ایک نے خادمہ سے پوچھا: تو نے بچی کو کیوں ڈبویا؟ خادمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے اور سسکیاں لینے لگی اور انکار پر بہ ضد رہی۔ والدین بھی خادمہ کی حمایت کر رہے تھے اور اس کی براءت پر اصرار کر رہے تھے۔ انتظامیہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ وہ خادمہ کو تھانے لے جانا چاہتے ہیں، تاکہ باریکی سے تحقیق کر سکیں۔

خادمہ گریز پا ہوئی اور بچی کی ماں کے پیچھے چھپ کر اس کے کپڑوں کے

کناروں سے چمٹ گئی۔ ماں چلائی کہ خادمہ اور اس کے معاملے کو چھوڑ دیں، اس لیے کہ وہ اپنے دل میں کوئی شکوک وشبہات نہیں رکھتی اور خادمہ کے بارے مطلق شک نہیں کرتی۔ لیکن پولیس والوں نے خادمہ کو اپنے ساتھ تھانے میں لے جانے پر اصرار کیا اور کہا: بے شک تم اگرچہ اپنے شخصی حق سے دست بردار ہورہے ہو، لیکن عام حق سے دست بردار ہونا ناممکن ہے۔

اس پر ایک طرف سے پولیس والوں کے ساتھ رد وکد اور لڑائی شروع ہوگئی اور دوسری جہت سے والدین کے درمیان، بالآخر پولیس والے خادمہ کو زبردستی اٹھا لے جانے پر مجبور ہوگئے۔ وہ شور مچاتی اور نوحہ کرتی رہ گئی۔

تھانے میں خادمہ نے اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے بچی کو گٹر میں ڈبونے کا حکم دیا تھا۔ باپ نے بیٹی کے بیانات کی تردید کر دی اور کہا کہ اس نے دباؤ اور سخت سزا کے خوف سے اعتراف کیا ہے۔ وہ ابھی چھوٹی ہے اور اپنے بیانات کی سنگینی سے نابلد ہے۔ پولیس والوں نے بہت کوشش کی اور تحقیق کا ہر اسلوب استعمال کیا، لیکن خادمہ کے باپ نے اپنے انکار کا سنگل نہ توڑا۔

عدالتوں میں قضیہ پیش کیا گیا تو خادمہ کو پانچ سال کی قید سنا دی گئی، جو وہ نابالغ بچوں کی جیل میں گزارے گی، جہاں اس کے اخلاق کی اصلاح کی جائے گی اور اسے کوئی نہ کوئی پیشہ بھی سکھایا جائے گا۔

اس کے باپ کے بارے میں براءت کا حکم صادر ہوا اور دو ماہ گزرنے کے بعد جو معاملہ موقوف تھا اسے ترک کر دیا۔ قید میں خادمہ نے ہر چیز کا اعتراف کرلیا۔

خادمہ کے والد نے دو سگے بھائیوں سے ایک سو دینار لیے تھے، جنھیں کلاس سے خارج کر دیا گیا تھا، کیونکہ وہ اسباق میں نہایت درجہ سستی کیا کرتے اور اخلاق و کردار کے بھی درست نہ تھے۔ ان کے سکول سے خارج ہونے کا سبب ڈوبنے والی بچی کا باپ تھا، جو اس سکول کا پرنسپل تھا۔

دراصل بچی کے باپ نے نظام کو حقیقی اور اصلی انداز میں نافذ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اسے تعلیم و تربیت کے ذمے داروں کے سامنے، اپنی امت، وطن اور عقیدے کے آگے اپنی جواب دہی کا کامل شعور تھا، بلکہ ان تمام کے شعور سے پہلے اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اپنی جواب دہی کا احساس تھا، اسی لیے دونوں بھائیوں کو نکالنے پر بہ ضد تھا، اس نے کسی ملتمس کی التماس کو دیکھا نہ کسی اور امیدوار کی امید کو۔

جب دونوں طالب علم سکول واپس لوٹنے سے مایوس ہو گئے تو خادمہ کے باپ کو مال دے کر اکسایا اور اسے حکم دیا کہ وہ بچی کے باپ کا دل جلائے، جس طرح اس نے ان دونوں کا دل جلایا ہے۔ خادمہ کا باپ اس سکول میں چپڑاسی اور گیٹ کیپر تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ اس کی بیٹی پرنسپل کے گھر کام کرتی ہے۔ وہ پرنسپل کی بیٹی کی زندگی ختم کرنے پر قادر تھی اور وہ دونوں یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا قتل پرنسپل کے دل کو ہر چیز سے زیادہ جلائے گا۔

لیکن عدالتوں نے خادمہ کے بری ہونے کا فیصلہ کر دیا، کیونکہ عدالتیں گواہوں کے بیانات کی سند اور ملزم کے اعتراف کے مطابق ہی فیصلہ صادر کرتی ہیں، جب کہ اس قضیے میں سرے سے گواہ ہی نہ تھے اور ملزم نے اپنے جرم کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ وہ اعتراف کیسے کرتا، وہ جانتا تھا کہ یہ اعتراف اسے پھانسی

کے پھندے تک لے جائے گا۔ زمینی فیصلہ ہو چکا تھا، اب اللہ تعالیٰ کے عدل اوراس کے ظالموں سے انتقام کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

خادمہ کا باپ جیل سے رہا ہوا، پھر کیا حادثہ پیش آیا؟

خادمہ کے والد کے جیل سے رہا ہونے کی خوشی میں ایک گھریلو محفل انعقاد پذیر ہوئی، جو رات کے چوتھائی یا اول تہائی حصے تک جاری رہی۔ گھر والوں نے اس مجلس میں کھانے اور پینے میں مال کا ایک بڑا حصہ اڑایا۔

اگلے دن کی صبح، خادمہ کا باپ بیمار ہو کر گر پڑا، اسے حرکت کرنے کی بھی سکت نہ تھی۔ خاندان والے ڈاکٹروں کے پاس دوڑے، علاج معالجے اور ادویات کی فیس دے رہے تھے۔ اس کی بیماری کی مدت طویل ہوگئی، حتی کہ چار ماہ گزر گئے۔ یہ حرام مال کو ختم کرنے کے لیے کافی تھی، اب خاندان قرض لینے پر مجبور ہو گیا، خادمہ کے باپ نے سرکاری ہسپتال کا ارادہ کیا کہ جہاں مفت علاج کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنا مال ضائع کر چکا تھا اور ڈاکٹر کو بلانے کی قدرت نہیں رکھتا تھا۔

اسے شوگر، ہائی بلڈ پریشر، دق اور پھر تیز زکام جیسے امراض نے گھیر لیا تھا۔ اس کی حرارت بلند ہوگئی اور قوی کمزور پڑ گئے تھے۔ وہ ایسے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی چلتا پھرتا بے جان سایہ ہے۔ وہ ہسپتال میں ایک سے دوسرے ڈاکٹر کی طرف اور ایک نرس سے دوسری کی طرف اسٹریچر پر منتقل کیا جاتا رہا۔ ہر مریض کو لوگوں کی خاص شفقت ملتی، جب کہ اس آدمی کو نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے بارے ہر جگہ کانا پھوسیاں ہوتیں اور جو کوئی اسے دیکھتا اشارہ کرتا کہ وہ ایک بچی کا قاتل ہے، جو شفقت اور مہربانی کا مستحق نہیں ہے۔

ہسپتال میں ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر نے اس کا معاینہ کیا اور ضروری دوا دی۔ دوا میں ایک پنسلین کا انجکشن بھی تھا۔ نرس نے اسے انجیکشن لگا دیا اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہسپتال سے گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسے یوں لگا کہ سارا جسم بے حس و حرکت ہو گیا ہے اور دل کی نبضیں بند ہو رہی ہیں، پھر وہ اچانک چلایا: بچی!! بچی!!

اس کی بیوی نے پوچھا: کون سی بچی؟ آدمی بولا: کیا تو اسے نہیں دیکھ رہی ہو؟ بے شک اس نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے بند کیے ہوئے ہیں اور وہ دونوں میری گردن پر ہیں۔ آہستہ آہستہ اس کا سر اپنی بیوی کے کندھے پر جھک گیا، آنکھیں مند گئیں اور آواز پست ہو گئی، جو بار بار دہرا رہی تھی: بچی!! بچی!! پھر وہ دنیا چھوڑ گیا۔

خادمہ تا حال اصلاحی قیدی تھی، تا کہ اپنے باقی دو سال پورے کرے اور اس کا باپ لعنتیں لے کر قبر میں پہنچ چکا تھا اور اس کی ماں گھر کے ایک بچے اور تین بیٹیوں کی کفالت کے بارے میں حیران و پریشان تھی، اس کی تینوں بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور کوئی بھی نکاح کا پیغام بھیجنے کو تیار نہ تھا۔

خادمہ کے باپ نے اپنے آپ کو حرام کے مال کی نعمت سے مالا مال کرنا چاہا، لیکن اللہ اس کی گھات میں تھا۔ ہم اللہ سے عافیت اور سلامتی مانگتے ہیں۔

چالیس ہندو جو مسجد بابری کو منہدم کرنے کے بعد اندھے ہو گئے

6 دسمبر 1992ء کو مسجد بابری پر وحشیانہ دھاوا بولنے والے چالیس ہندو اندھے پن کا شکار ہو گئے۔ بڑے بڑے ماہر ہندوستانی آئی سپیشلسٹ ڈاکٹروں

کے علاج کی تمام تر کوششیں خاک میں مل گئیں۔

یہ بات اس خبر سے معلوم ہوئی، جو بعد ازاں ہفت روزہ ہندی انصاری ایکسپریس نے نشر کی، اس میں یہ انکشاف بھی کیا گیا کہ مسجد کو گرانے کے لیے ہندوستان کے اطراف و اکناف سے متعصب ہندوؤں کی ایک بڑی جمعیت اکٹھی کی گئی تھی، جنھیں اس مقصد کے لیے طویل ٹریننگ اور مشق کروائی گئی تھی۔ اس ہفت روزے نے انکشاف کیا کہ آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے والے اکتیس (31) ہندو ایک ہی شہر مہارنپور کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سب اس سے پہلے مسجد کو ڈھانے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن تب وہ ناکام ہو گئے تھے۔ یہ گروہ اب اس تعاون کے سہارے زندگی کی سانسیں پوری کر رہا ہے، جو ہندو تنظیمیں ان پر خرچ کرتی ہیں۔

اس گروہ کے ساتھ ساتھ نو (9) دوسرے افراد بھی پائے جاتے ہیں، جن کا تعلق اتر پردیش میں واقع غازی پور کی تنظیم کے ساتھ ہے، جن کی آنکھیں بھی انہدام کے عمل میں شرکت کرنے پر چھین لی گئیں۔ مجلّے میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ لوگ شرمندہ ہیں اور کہتے ہیں کہ یقیناً ان کا رب ان پر ناراض ہے، کیونکہ انھوں نے مسجد بابری کو گرایا ہے اور بہ طور سزا ان کی بینائی چھین لی گئی ہے۔

ان میں سے ایک آدمی کے والد نے انکشاف کیا ہے کہ اس کے بیٹے نے اس کام میں شرکت کے لیے عملی ٹریننگ حاصل کی تھی، لیکن وہ ان گم نام لوگوں کے متعلق جان کاری نہیں رکھتا تھا، جنھوں نے اس کے بیٹے کو ٹریننگ دی۔ اس علاقے اور پڑوسی علاقوں کے باشندے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے مسجد کو گرا کر یقیناً بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اسی لیے وہ اپنی

آنکھوں سے محروم ہو گئے ہیں۔[1]

میں نے عمر کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ کا ارادہ کیا

وہ ایک درمیانے درجے کا تاجر تھا۔ وہ ایران یا عراق سے گائے خریدنے کا کام کرتا تھا، پھر وہ اور اس کے آدمی مرحلہ در مرحلہ اس کو منتقل کرنا شروع کرتے، یہاں تک کہ شام، لبنان اور کبھی مصر جا پہنچتے، تا کہ اپنی گائیاں فروخت کریں، پھر اس کی قیمت سے کپڑے اور دیگر مصنوعات خریدتے اور عراق واپس چلے جاتے۔

وہ ایک سچا مسلمان، پابندِ صوم وصلات، فقرا پر خرچ کرنے والا، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے تمام واجبات کو ادا کرنے والا، متقی اور پرہیز گار آدمی تھا، اس کا مال اس اکیلے کے لیے نہ تھا، بلکہ محتاج اقارب اور اہلِ علاقہ کے لیے، بلکہ ہر محتاج طالب علم کے لیے تھا۔

اس کے ایک تجارتی سفر کے دوران میں، پہلی جنگِ عظیم (1914-1918) سے پہلے غضب کی برف باری ہوئی، جس نے راستے خراب اور سبزہ وگھاس ختم کر دیے، چار کے علاوہ اس کی سب گائیاں موت کے گھاٹ چڑھ گئیں، اس کے آدمی واپس چلے آئے اور وہ انھیں نقل مکانی کروانے لگا، اس کا دلی ارادہ یہ تھا کہ حلب الشہباء تک پہنچ جائے، تا کہ وہاں حسبِ طاقت اپنا قرض ادا کر سکے اور جو باقی بچے، اس کے لیے اگلے سال تک مہلت لے آئے، کیونکہ اس سال اس کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہوگئی اور بے شک تنگی کے ساتھ ہی آسانی ہے۔

---

[1] جريدة الرياض: (٩٠٦٩ عام ١٤١٣هـ)

دورانِ سفر وہ موصل حدباء سے حلب الشھباء کی طرف چلتے ہوئے ایک شام ایک چھوٹی سی بستی میں جا پہنچا، اس میں سے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی، جب صاحبِ خانہ باہر نکلا تو اسے بتلایا کہ وہ اللہ کا مہمان ہے اور رات اس کے گھر بسر کرنا چاہتا ہے۔ جب صبح ہو گی تو دوسری بستی کی طرف عازمِ سفر ہو جائے گا۔ تب ریسٹورنٹ نہیں ہوا کرتے تھے، جن میں مسافر پناہ حاصل کریں، نہ ہوٹل ہی تھے کہ اجنبی کھانا تناول کر سکیں۔ کوئی اجنبی اور مسافر جس جگہ پہنچتا، کسی دروازے پر دستک دیتا اور پھر مہمان بن کر اہلِ خانہ میں جا گرتا، سوتا، جیسے وہ سوتے اور کھانا کھاتا، جس کی کوئی اجرت اور معاوضہ نہ ہوتا۔

صاحبِ خانہ نے اپنے مہمان کو خوش آمدید کہا، اس کی گائیاں اپنے گھر کے صحن میں اتاریں اور مہمان کے لیے کھانا اور جانوروں کے لیے چارہ رکھا۔ گھر کا مالک مفلس و قلاش تھا، دیگر لوگوں کی طرف اسے بھی عرصہ دراز سے مسلسل ژالہ باری نے گھیر رکھا تھا، جس سے اس کے مویشی ہلاک اور زراعت خسارے میں تھی۔

میزبان شادی شدہ تھا اور اس کا اکلوتا بیٹا تھا، جو عمر کے دوسرے عشرے میں تھا۔ اس کے گھر میں دو ہی کمرے تھے، ایک میں وہ اور اس کی بیوی رہتے تھے، جبکہ دوسرے میں ان کا بیٹا۔ سارا خاندان نئے مہمان کے گرد جمع ہو گیا اور پیاری باتیں ہونے لگیں، اس دوران میزبان کو علم ہوا کہ اس کے مہمان کے پاس ایک خطیر رقم ہے۔

رات کے دوسرے پہر میزبان اپنی اہلیہ کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا، جب کہ مہمان میزبان کے بیٹے کے کمرے میں چلا آیا۔ بیٹا کمرے کی

دائیں جانب اپنے بستر پر دراز ہو گیا اور مہمان کمرے کی بائیں جانب اپنے بستر پر جا لیٹا۔ اس کے بعد کہ میزبان نے مہمان سے دریافت کیا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو، وہ مطمئن ہو گیا، حتی کہ وہاں پانی کے وجود تک کی تاکید کر دی تو خود بھی اپنے سونے کے کمرے کی طرف چل دیا۔

اس کے کمرے میں اس کی بیوی نے آہستہ سے کہا: ہم کب تک اس سخت مصیبت میں رہیں گے۔ یہ مال دار مہمان ہے اور ہم اس کے مال اور گائیوں کے سخت محتاج ہیں۔ ہم فاقہ مستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اصحابِ ثروت بڑی مشقت اٹھانے کے بعد ہی ہمارے حال سے واقف ہو سکتے ہیں، ہم تو بلاشبہ مر کر ہی رہیں گے۔ ہم اب ایک دن کھاتے ہیں اور ایک دن بھوکے رہتے ہیں۔ ہمارا کیا حال ہو گا، جب بستی سنگین بھوک کی لپیٹ میں آ جائے گی؟ ہمارے پاس کوئی مال ہے نہ کھانا۔ آج بڑا سنہری موقع ہے، پھر کسی دن یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ مہمان کی طرف چل اور اس کا مال چھین لے، گائیاں ہتھیا لے، تا کہ ہمارے اور ہمارے اکلوتے لختِ جگر کی زندگی واپس لوٹ آئے۔

آدمی نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ہمارا مہمان ہے، اس کا مال اور گائیاں کیسے چھین سکتا ہوں، وہ اس کی کیسے اجازت دے گا؟

بیوی نے کہا: اس کو قتل کر دو، پھر ہم اس کی لاش بستی کے دامن میں واقع کھڈے میں پھینک دیں گے۔ اس کی خبر کس کو معلوم ہو گی؟ کون جانے گا؟!!

آدمی متردد تھا، بیوی نے اصرار کیا اور شیطان ان کا تیسرا تھا، اس نے آدمی کے سامنے اس کی بیوی کی سکیم کو مزین کیا، لیکن وہ مہمان کو قتل کرنے سے

رکا رہا اور تا کہ عورت اپنے خاوند کے اس تردد کے مرض کو ختم کر سکے اور تا کہ شیطان بھی اسے ختم کر سکے، عورت نے اپنے خاوند سے کہا: بے شک جو تم کرنے جا رہے ہو، وہ ہمیں یقینی موت سے بچانے کے لیے ہے اور ضروریات حرام کا خون جائز بنا دیتی ہیں، بالآخر آدمی نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہ مہمان کے قتل اور اس کے مال و اسباب چھیننے پر آمادہ ہو گیا۔

رات کا آخری تہائی حصہ تھا۔ ہر چیز پر سکون اور ساکن تھی، روشنیاں بجھا دی گئیں۔ گھروں کی روشنیاں ایک چراغ کے سوا کچھ نہ ہوتی تھیں، جسے تیل سے سلگایا جاتا تھا۔ آدمی نے اپنے خنجر کی طرف ارادہ کیا، اسے تیز کیا، پھر اپنے مہمان اور بیٹے کے کمرے کی طرف چل پڑا، اس کی بیوی پیچھے سے اسے برانگیختہ کر رہی تھی۔

وہ پاؤں کی انگلیوں کے کناروں پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا، کمرے میں بائیں جانب کا رخ کیا کہ جہاں اس کا مہمان سویا ہوا تھا، اس کا جسم چھوا یہاں تک کہ اس کی گردن کو ہاتھ لگایا، پھر اسے ذبح کر دیا، جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔

آدمی کے پاس اس کی بیوی آئی اور دونوں نے امدادِ باہمی سے مردہ جُثے کو گھسیٹ کر کمرے کے باہر پھینکا، جہاں اچانک ان پر انکشاف ہوا کہ انھوں نے اپنے اکلوتے لختِ جگر کا خون کر دیا ہے، آدمی نے بھیانک چیخ ماری، عورت بھی چلائی اور دونوں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس خوف ناک آواز پر مہمان اٹھ گیا اور پڑوسی بھی نیند سے بیدار ہو گئے، تا کہ بیٹے کو مقتول اور اس کے ماں باپ کو بے ہوشی کے عالم میں پائیں، جو لاش

کے پہلو میں زمین پر گرے پڑے تھے۔

مہمان بھی اور پڑوسی بھی بھاگے اور آدمی اوراس کی بیوی کے منہ پر ٹھنڈا پانی چھڑکنے لگے، جب انھیں افاقہ ہوا تو سخت رونا رونے لگے اورخون کے آنسو پینے لگے۔ دونوں نے پڑوسیوں سے درخواست کی کہ پولیس کو حادثے کی خبر کریں، پولیس فوراً آ گئی اور دونوں فریقوں کو پکڑ لیا۔

مہمان اور میزبان کے بیٹے کے سونے کے کمرے میں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ جب بیٹے کے والدین نے کمرے کو چھوڑا تو بیٹا اپنے بستر سے مہمان کی طرف چلا آیا تھا، وہ آپس میں تبادلہ خیالات کرنے لگے، گفتگو بڑی جذباتی تھی اور کافی وقت گزر گیا، حتی کہ بیٹا نیند کے غلبے کے بعد مہمان کے بستر کے اوپر ہی سو گیا۔ مہمان نے اچھا نہ سمجھا کہ اپنے میزبان کے بیٹے کو بیدار کرے اور اس پر کمبل اوڑھایا اور خود اس کے بستر پر جا کر سو گیا۔

جب میزبان مہمان اور اپنے بیٹے کے کمرے میں آیا تو اسے دونوں کے بستروں کا پورا یقین تھا، اس نے اپنے ہی بیٹے کو ذبح کر دیا، حالانکہ ارادہ مہمان کا تھا، وہ اس خارجی کی طرح ہو گیا، جس نے فجر کے اندھیرے میں اچانک عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنا چاہا اور ان کی جگہ خارجہ بن حذافہ پر دھاوا بول دیا۔ جب اسے حقیقت حال کا علم ہوا تو نہاں خانہ دل سے چلایا: میں نے عمرو کا ارادہ کیا اور اللہ نے خارجہ کا ارادہ کیا۔

ہمسائیوں نے مقتول بیٹے کو دفن کیا اور والدین پسِ دیوارِ زنداں بھیج دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہی باکمال عدل اور فیصلہ کرنے والا ہے

وہ ایک مفلس آدمی تھا، لیکن تھا خوش بخت۔ اس کا خاندان ایک بیوی، پانچ بچوں، دو بہنوں اور ایک عمر رسیدہ والدہ پر مشتمل تھا، اس کی ایک دکان تھی، جس میں وہ سبزیاں فروخت کیا کرتا تھا... کدو، چقندر، مولی، ٹماٹر۔

اس کی یہ دکان ایک ذیلی سڑک پر تھی، جس میں وہ اپنے غریب ہمسائیوں کے ہاتھ اپنی سبزیاں فروخت کیا کرتا تھا، اس کے پاس اتنا مال نہیں تھا، جس سے وہ کسی بارونق جگہ دکان کرتا یا نفیس سامان خرید سکتا۔ رہا اس کا ویران گھر تو اسے مجازاً ہی گھر کا نام دیا جا سکتا تھا، درحقیقت وہ ایک ہی کمرہ تھا جس کے اردگرد ادھیڑ کر بنائے گئے کمبلوں کے ڈھیر تھے، اسی کمرے میں افرادِ کنبہ سوتے، کھانا بناتے اور نہاتے تھے۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب آدمی گھر کی طرف لوٹتا اور ساتھ سبزی، گوشت اور روٹی ہوتی تو سارا کنبہ خوشی، تالیوں، نغموں اور پست آواز گیتوں سے اس کا استقبال کرتا، اس کے ہاتھوں میں جو کھانا ہوتا، وہ لے لیتے اور رات کا کھانا تیار کرنے کے لیے ہنڈیا کی طرف تیزی سے دوڑتے۔

وہ ہر روز گوشت نہیں لاتا تھا، جب اس کی یومیہ سیل نفع والی ہوتی تو گوشت خریدنے کی طاقت پاتا، وگرنہ اس کے کنبے کے رات کا کھانا وہی دکان کی باقی ماندہ سبزی ہوا کرتی۔ یہ کنبہ ہائی کورٹ کے ایک جج کے پڑوس میں رہائش پذیر تھا، وہ جج اس کنبے پر شفقت کرتا اور وقتاً فوقتاً اس کی ملاقات کے لیے آتا رہتا۔

یہ جج اکثر اس خاندان کے متعلق یہ کہتے ہوئے مجھے بیان کرتا تھا کہ میں

نے اپنی زندگی میں اس گھرانے جیسا خوش بخت گھرانہ نہیں دیکھا اور نہ میں نے کبھی ایسی چھا جانے والی خوشی کا مشاہدہ کیا کہ جب گھر کا مالک شام کو اپنے کام سے واپس لوٹا کرتا تھا تو میں اکثر یہی چاہتا ہوں کہ ان کے درمیان سعادت مند وقت گزاروں، یہاں تک کہ میرا پڑوسی اپنے گھر پہنچ جائے اور سارا گھرانہ لا إله إلا الله اور تکبیر کے ساتھ اس کا استقبال کرے، پھر ان کا رات کا کھانا تیار کرنے کا معمول جاری ہو جاتا۔ جب کھانا پک جاتا تو ایک بڑے برتن میں اسے تناول کرنا شروع کر دیتے، جب رات کے کھانے سے فارغ ہو جاتے، اللہ کی حمد اور شکریہ ادا کرتے اور کثرت سے حمد و شکر کرتے، پھر خوش و خرم اور قناعت سے اپنے بچھے ہوئے بوسیدہ بستر پر لیٹ جاتے، ستر پوشی اور عافیت کے سوا اللہ سے کچھ تمنا نہ کرتے۔ نیز یہ کہ وہ کسی انسان کے محتاج نہ ہوں۔

موسمِ خزاں کے ایک دن، جب وہ گھرانہ شام کے وقت گھر کے دروازے پر اپنے مالک کا انتظار کر رہا تھا، اچانک انھوں نے بعض سپاہیوں کو دیکھا، جو ایک لاش اٹھائے ہوئے تھے۔ جب کنبے نے دیکھا تو وہ چارپائی پر ان کے واحد سہارے کو اٹھائے ہوئے تھے۔

اس نے اپنی دکان بند کی اور پڑوسی قصاب کی طرف گیا، گوشت خریدا، قریبی نانبائی کا قصد کیا اور روٹیاں خریدیں، اپنی دکان سے باقی ماندہ سبزیاں ہاتھ لیں اور جب سڑک پار کرنے لگا تو ایک تیز رفتار گاڑی نے اسے کچل دیا، آدمی فوراً موت کی وادی میں چلا گیا اور اس کا سارا سامان بکھر گیا۔

اڑوس پڑوس والے سب لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اہلِ ثروت نے کچھ مال جمع کیا اور جو کچھ اکٹھا کیا تھا، وہ اس بے روح جسّے کی تجہیز پر خرچ

کر دیا۔ معمولی رقم بچی تو وہ اس کے ورثا کے سپرد کر دی۔ اگلی صبح غریب آدمی کو قبر میں چھپا دیا گیا۔

اس کا بڑا بیٹا پندرہ سال کا تھا۔ وہ مڈل سکول کے درجہ دوم میں پڑھتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس لیے تیار کر رہا تھا۔ تا کہ اعدادی مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد چھوٹا موٹا ملازم ہو جائے اور اپنے گھر والوں کی معاونت کر سکے، اس کے والد کی موت کے دو دن بعد، پڑوسیوں نے جو کچھ ورثا کے لیے جمع کیا تھا، سب ختم ہو گیا اور تیسرے دن وہ اپنے والد کی دکان کی طرف چل پڑا۔

اس نے ہر روز غروبِ شمس تک کام کرنا شروع کر دیا، جس طرح اس کا والد کیا کرتا تھا، لیکن مسکراہٹیں کبھی نہ آنے کے لیے چلی گئی تھیں اور خوشی ہمیشہ کے لیے مر گئی تھی۔ گھر والے جو کھانا تناول کرتے تھے، وہ آنسوؤں سے آمیز ہوتا تھا۔ سارے گھرانے نے اپنی سعادت کو اپنے بچھڑنے والے محبوب کے ساتھ ہی دفن کر دیا تھا۔

ایام بڑے بوجھل اور سست رفتاری سے گزر رہے تھے۔ وقت اپنی گردش میں گھوم رہا تھا۔ تین سال بیت گئے، بڑے بیٹے کو اٹھارہ سال ہونے پر فوج میں نوکری پر بلا لیا گیا۔ گھر والے اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کرنے لگے کہ کیا دوسرا بیٹا، جو چوتھی کلاس کا طالب علم ہے اور پرائمری کا مرحلہ مکمل ہونے میں صرف ایک سال باقی ہے، سکول چھوڑ دے، تا کہ اپنے بھائی کی دکان کا نظم ونسق سنبھال سکے؟ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کے گھر والوں کی پرورش کون کرے گا؟ اہلِ خانہ کا اتفاق رائے اس بات پر ہوا کہ گھر فروخت کر دیں، اگرچہ وہاں سے نکلنا ایسے ہی تھا، جیسے بکری اپنی کھال سے نکلتی ہے، جس کا نام صرف موت رکھا جاتا ہے۔

بڑا بیٹا ساتھ والے شہر میں فوج سے جا ملا اور اسلحہ چلانے کی مشق کرنے لگا، عسکری تدریس کا استاد اس پر نظر رکھتا اور اس میں بے پروائی محسوس کرتا۔ وہ کبھی تو اسے نصیحت کرتا اور کبھی اضافی تعلیمی سزا دیتا، لیکن بے سود۔ غائب کی مانند وہ حاضر تھا۔ تدریب میں اپنے ساتھی فوجیوں کے ساتھ فقط اس کا جسم تھا، لیکن اس کی عقل دور .... بہت...دور تھی، اپنے گھر والوں کے پاس۔

ایک دن استاد نے اسے بلالیا اور اس کی مشکل دریافت کی، اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا اور اپنے معاملے کی خبر کہہ سنائی، استاد نے اس جگہ ایک اور آدمی رکھ لیا تاکہ اس کے دکھ درد میں شریک ہو اور جنگی مشق کی سنگینی سے اسے روک دیا۔ استاد نے فوج کی کمپنی کے ہیڈ آفیسر کے سامنے اس کا مسئلہ رکھا، چنانچہ اس نے اسے فوج کے باورچی خانے میں تعینات کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اب وہ ہنڈیا دھوتا، گوشت کاٹتا، آگ جلاتا اور کھانا تقسیم کرتا۔ رہی اس کی ماں تو بھی وہ غائب کی مانند حاضر تھی۔

اس نے اپنے گھرانے کو کھلانے کے لیے ایک پراپرٹی ڈیلر سے کچھ مال بطور قرض مانگا۔ گھر کی رجسٹری پراپرٹی ڈیلر کے پاس رہن رکھی اور گھر فروخت کرنے کے لیے رکھ چھوڑا۔

خریداروں کے سامنے بیس دن تک گھر نیلام ہوتا رہا، بالآخر اس نے چار سو دینار میں گھر فروخت کر دیا، پھر اس کی ملکیت نئے مالک کی طرف منتقل کرنے میں اور سرکاری معاملات طے ہونے میں نو دن گزر گئے۔

اس کے بیٹے کی طرف سے نقد کیش دیے جانے کے وعدے کا صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا، اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس شہر کی طرف

رختِ سفر باندھے، جہاں وہ فوجی ملازمت کرتا تھا۔ انتیس تاریخ کی رات کو جائے، تاکہ تیس کی صبح کو نقد کیش سپرد کر سکے، اگر وہ لمحہ بھر بھی وعدے سے موخر ہوتی ہے تو اس کے بیٹے سے نقد کیش قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس نے اس بس سٹاپ کا رخ کیا، جو سواریوں کو اس شہر سے اس کے بیٹے کے شہر منتقل کردے۔ گاڑیاں ملیں، لیکن سوار ندارد۔ گرمیوں کے دنوں میں یہ مغرب سے کچھ پہلے کی بات ہے، وہ ایک وقت تک بس سٹاپ پر انتظار کرتی رہی، لیکن کوئی مسافر نہ آیا۔ یہ انتظار بھی گرم چیز تھا۔ سورج غائب ہو چکا تھا۔ دونوں شہروں کے مابین مسافت دوسو چالیس (۲۴۰) کلومیٹر تھی جو بذریعہ کار اڑھائی گھنٹوں میں طے ہونا تھی۔ اگر اس نے رات کو سفر اختیار نہیں کیا تو وقت ضائع ہو جاتا اور وہ اپنے بیٹے کے شہر میں اگلے دن کی صبح ہی کو پہنچ پاتی۔

اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ وہ اسے تنہا ہی لے کر رختِ سفر باندھ لے، باایں شرط کہ سفر فوراً شروع کر دیا جائے۔ ڈرائیور نے فوراً خاتون سے سارا کرایہ وصول کر لیا اور گاڑی پہاڑی راستے میں محوِ حرکت ہو گئی۔ دورانِ راہ ڈرائیور نے خاتون سے گفتگو کی، جس سے اسے گھر فروخت کرنے کی داستاں معلوم ہوگئی، نیز بیٹے سے نقد کیش وصول کرنے کی بات بھی علم میں آ گئی۔ ان دونوں کے درمیان میں شیطان گھس آیا، اس نے ڈرائیور کے ضمیر میں تخریب واقع کر دی، چنانچہ اس نے مسکین عورت سے مال غضب کرنے کا پلان بنالیا۔

راستے میں ایک موڑ پر، جہاں روڈ کی دائیں جانب ایک گہری چٹیل وادی تھی، ڈرائیور نے اچانک گاڑی کو روک دیا اور خاتون کو زبردستی گھسیٹ کر گاڑی سے باہر نکالا۔ وہ گہری وادی میں بیس میٹر تک نیچے اتر گئے، وہاں خاتون

پر متعدد خنجر کے وار کیے، جب وہ سرد پڑ گئی اور اس نے سمجھا کہ اب قیدِ حیات سے رہا ہوگئی ہے، اس کا مال سلب کیا اور خاتون کو خون میں لت پت چھوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف چلا آیا۔

پھر اسی شہر کی جانب چل پڑا جس طرف عازمِ سفر تھا، اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر واپس اسی شہر گیا تو اس کا معاملہ نہ کھل جائے کہ بغیر مسافروں کے واپس لوٹ آیا اور جانے اور آنے کے غیر معقول وقت میں...! جب وہ شہر میں پہنچا تو بس سٹاپ پر رکا۔ اپنے ساتھیوں سے کہا: جو مسافر اس کے ہم راہ تھے، انھوں نے پل کراس کرنے کے بعد گاڑی چھوڑ دی۔ اسے وہاں کچھ سواریاں مل گئیں جو اسی شہر جانے کی منتظر تھیں، جسے وہ شام کو پیچھے چھوڑ آیا تھا، چنانچہ اس روڈ پر رختِ سفر باندھ لیا۔

جب وہ اس جگہ پہنچا، جہاں اس نے بدترین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ گاڑی روکی اور ہم راہیوں سے بولا کہ قضائے حاجت کے لیے جا رہا ہوں، فوراً ہی واپس آ جاؤں گا۔ وہ وادی کی طرف اتر گیا، اس نے سسکیوں کی آواز سنی وہ خاتون کی طرف گیا جو خون کے تالاب میں تیر رہی تھی اور بولا: ملعون تو ابھی سانس لے رہی ہے؟!!

خاتون اپنی جگہ جم کے رہ گئی اور مزید خنجر کے واروں کا انتظار کرنے لگی، ڈرائیور ایک بڑی چٹان کی طرف جھکا، تا کہ اس سے خاتون کے سر کو کچل ڈالے، جوں ہی چٹان کے نیچے ہاتھ رکھا، اس کی چیخ فضا میں بلند ہوگئی، جس سے گہری چٹیل وادی گونج اٹھی اور اس کی بازگشت خالی کناروں سے آنے لگی۔ یہ وادی جنگلی جانوروں، سانپوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھری پڑی تھی۔

مسافروں نے یہ آواز سنی تو اس کی مدد کے لیے جلدی بھاگے اس بڑی چٹان کے نیچے مجرم ڈرائیور نے جسے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا، تا کہ زخمی خاتون کے سر پر پٹخ دے، ایک زہریلا سانپ تھا، جس نے اسے ڈس لیا، جب کہ وہ بڑی چٹان کو اٹھانے کا ارادہ کر رہا تھا، وہ اسی خاتون کے پہلو میں جا گرا، پھر فریاد، آہ وفغاں اور مدد مدد کرنے لگا۔

مسافروں نے ڈرائیور اور اس خاتون کو بھی اٹھا لیا، یہاں تک کہ دوسری گاڑی آئی، اسے روکا اور ڈرائیور سے عرض کی کہ عورت اور ڈرائیور کو اس ہسپتال منتقل کر دے، جہاں زخمی عورت کا بیٹا رہتا تھا۔ لیکن مہلک زہر کے اثر سے ڈرائیور راستے ہی میں چل بسا۔

ہسپتال میں پولیس اور تفتیشی افسران آ گئے۔ ساری کارروائی معلوم کی اور لعین ڈرائیور کی جیبوں کی تہوں سے خاتون کا مال نکال لیا۔ عورت نے تمنا کی کہ اس کے بیٹے کو بلایا جائے، چنانچہ وہ رات کے آخری حصے میں حاضر ہو گیا۔ وہ گہری بے ہوشی میں چلی گئی۔ ڈاکٹروں اور دیگر عملے نے خیال کیا کہ اب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نے بلڈ لگا دیا۔

اس نے اگلے دن چاشت کے وقت آنکھیں وا کیں، تا کہ بیٹے سے کہہ سکے: ”جلدی سے رقم دے دو۔“ پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ایسی بے ہوشی میں چلی گئی، جو کسی زود اثر دوائی سے بھی زائل نہیں ہونے والی تھی۔ بیٹے نے نقد کیش دیا اور فوج سے چھٹی لے لی، اس کی ماں کی صحت دن بہ دن بہتر ہوتی چلی گئی اور وہ روبہ صحت ہو گئی اور ہسپتال سے اپنے گھر والوں کے پاس چلی گئی۔

اس کی نجات، ڈرائیور کی موت اور نجات دہندہ سانپ کا قصہ، شرق وغرب

میں پہنچ گیا۔ یہ زبانِ زدِ عام ہو گیا، جس وادی میں ڈرائیور نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا اور جس کی چٹانوں کے درمیان زخمی خاتون کو پھینکا تھا، وہ ایسی وادیوں میں ایک تھی، جو وحشت والی اور غیر آباد تھی، پانی اور گھاس پھوس سے بھری ہوئی، لوگ اس طرف قطعاً نہ جاتے تھے، یہاں تک کہ چرواہوں کو بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی تھی، جو ان کے مویشیوں کے لیے سود مند ہو، چنانچہ وہ بھیڑیوں اور سانپوں کی پرامن آماج گاہ بن چکی تھی۔

زخمی عورت یقینی موت سے بچنے والی نہ تھی، اگر مجرم کھوج لگانے کے بھر پور جذبے سے لبریز ہو کر وہاں دوبارہ نہ ٹپکتا۔ مجرم کے ہمراہ مسافر عورت کی موجودگی کا سراغ نہ لگا پاتے، اگر وہ مہلک اور زہریلے سانپ کے ڈسنے سے غیر شعوری طور پر بلند چیخ نہ مارتا، نیز اس کا بیٹا نقد کیش نہ دے پاتا، اگرچہ وہ اس کے شہر سے پہلی گاڑی پر ہی چلی آتی، کیونکہ پہلے وہ اپنی ماں کو منتقل کرتا اور نقد کیش سپرد کرنے کا محدود وقت ضائع ہو جاتا، یقیناً یہ سب قدرت والے اللہ کی تقدیر تھی۔

اس حاکم نے، جو اسی گھرانے کا پڑوسی تھا، کہا: میں نے اپنی پڑوسن کا قصہ سنا تھا، جیسا کہ لوگوں نے سنا تھا، تو میں بھی اس کے گھر کی قیمت اکٹھی کرنے کے لیے دیگر پڑوسیوں کا شریک کار ہو گیا، تاکہ وہ اسے نئے مالک مکان سے واپس لے سکے۔ نئے مالک مکان نے بھی یہ قصہ سن لیا تھا، چنانچہ گھر کی فرد اور ملکیت نامہ اسے واپس کر دیا، اس کے پاس مکان کی اصل قیمت کے ساتھ پڑوسیوں کی جمع کردہ رقم ملا کر تین سو دینار ہو گئے، اس رقم سے گھر کی از سرِ نو تعمیر کی اور لوگ اس کے بیٹے کی دکان کی طرف متوجہ ہو گئے، اس کا سامان خریدتے اور بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے۔

ایک سال کے اندر اندر اس کا کام بہت بڑھ گیا، دنیا اس پر جھک پڑی اور اس نے ایک قابلِ شکوہ جگہ بڑے روڈ پر دکان منتقل کر لی۔ کئی سال بیت گئے، ہر سال مکان کی نئی تعمیر ہوتی۔

بچے یکے بعد دیگرے سکولوں سے فارغ ہو گئے، ایک انجینئر بن گیا، دوسرا ڈاکٹر اور تیسرا فوجی آفیسر .... ان کا کھانا چائے اور روٹی یا روٹی اور سبزی نہ رہا، بلکہ روزانہ انواع و اقسام کے گوشت کے ساتھ کھانے ہوتے، لہٰذا اللہ نے ان پر برکت کا دروازہ کھول دیا اور اپنے کرم کا دریا ان پر بہا دیا، انھیں لوگوں کے درمیان عمدہ اخلاق کی مثال بنا دیا، جو خوشی و مسرت اور تکلیف میں تعاون کرتے ہیں۔

بغداد میں دجلہ کے کنارے، بڑے پل کے نزدیک خیر، محبت اور سعادت سے لبریز ایک گھر ہے، یعنی وہی گھر جس میں ۱۳۸۵ھ کو یہ ثواب کی توقع رکھنے والا اور صبر کرنے والا خاندان منتقل ہو گیا تھا۔ کنبے کی تعداد زیادہ ہو گئی اور اب یہ چار خاندان تھے۔ بڑے تین بیٹوں کی شادیاں ہو گئیں اور وہ شاداب جگہ پا کر اس میں منتقل ہو چکے تھے، لیکن کنبے کا تعلق ہمیشہ بڑا مضبوط رہا اور بچوں کی ماں بغیر کسی پر زیادتی اور پریشان کرنے کے سدا گھر کی روحِ رواں رہی۔

میں نے اس خانوادے کا قصہ اپنے بڑے حاکم دوست سے سنا تھا، سو میں نے ارادہ کیا کہ ان کے کسی فرد سے سنوں، میں نے بڑے بیٹے سے پوچھا جو سبزی فروش تھا اور ایک بڑا تاجر بن گیا تھا کہ مجھے اپنی ماں کا واقعہ بیان کرے، وہ بولا: آپ ان کا واقعہ ان کی زبانی کیوں نہیں سنتے؟

ایک شام میں دجلہ کے ساحل پر واقع ان کے آباد گھر میں تھا۔ صاف و شفاف بہتے پانی پر چاند کی روشنی کے عکس کا نظارہ کر رہا تھا۔ میں نے

چلتی کشتیوں، تجارتی بحری بیڑوں کے گیتوں کی طرف کان جھکا دیے۔ نیز آتے جاتے مسافروں کو دیکھتے ہوئے ان کی والدہ کی نماز کے اختتام کا منتظر تھا۔

والدہ تشریف لائیں۔ انھوں نے سفید دوپٹے سے اپنے سفید بالوں کو ڈھانپا ہوا تھا۔ چہرے پر نور تھا، مسکراہٹ بکھر رہی تھی، زبان پر اللہ کا ذکر تھا، اپنا سارا قصہ سنایا۔ میں نے کہا: تب کا احساس کیا تھا، جب مجرم نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا اور گہری وادی میں آپ کا خون پھوٹ رہا تھا؟

وہ کہنے لگیں اور سچا ایمان ان کے الفاظ سے پھوٹ رہا تھا: ''میں یہ کہتے ہوئے اللہ عزوجل سے مخاطب ہوئی: ''اے آسمانوں اور زمین کے جبار! تو میرے حال کو زیادہ جانتا ہے، اپنی قدرتِ قادرہ سے ایسے اسباب مہیا کر جن سے میرا بیٹا نقد کیش دے سکے، تاکہ اپنے گھر لوٹے اور ان کی کفالت کرے۔''

اللہ نے اس کی دعا سن لی اور اس کا مال و اولاد اسے لوٹا دیا، اس کے دشمن سے انتقام لے لیا اور فقیر گھرانے کی حالت بہتر کر دی۔

یہ واقعہ سچا ہے، لیکن اس کے حوادث عجیب و غریب ہیں، یقیناً لوگ غافل ہو جاتے اور سو جاتے ہیں، لیکن اللہ وحدہ لاشریک غافل ہوتا ہے اور نہ سوتا ہے۔

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ [هود: ٦]

''زمین پر چلنے والے جتنے جاندار ہیں، سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ تو اس چیونٹی کا رزق نہیں بھولتا، جو سخت چٹان میں، گھیراؤ کرنے والی زبردست موج کے درمیان ہے، وہ بیوگان اور یتیموں کے رزق کو کیسے بھول سکتا ہے؟ لوگ لوگوں سے ڈرتے ہیں، اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس سے

ڈریں۔ اللہ تاخیر کر دیتا ہے، لیکن رائیگاں نہیں چھوڑتا۔ اللہ اور مظلوم کی دعا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

لہٰذا اے مسلم! تجھ پر لازم ہے کہ ظلم اور اس کے اسباب سے دور رہ اور اللہ کی قدرت کو یاد کر جو تجھ پر قادر ہے، اس کو یاد رکھ جس سے نہ کوئی آسمان کی چیز غائب اور نہ زمین کی، یاد رکھ کہ صرف ایک ظلم دنیا اور آخرت میں کئی اندھیرے بن جاتا ہے... الٰہی! ہمیں ظلم اور ظالموں سے بچا لے اور شر پسندوں کے شر اور فاجروں کے عمل سے ہمیں کافی ہو جا... آمین

افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق میں اختیار کی

میں کسی کے متعلق گمان نہیں کرتی کہ وہ اپنی دنیا سے میری مثل شکم سیر ہوا ہو یا میری مانند ہنسا ہو یا میری طرح لہو ولعب کیا ہو، اس کے برعکس میری زندگی ایک سلگتی آگ تھی، جس کی تاب نہ ہو۔ میرا دن فحش گانے، بڑی آوارگی اور سڑکوں اور بازاروں میں بے راہ روی کے ساتھ گھومنے پھرنے میں گزرتا۔ رہی میری رات تو وہ گھٹیا گفتگو، ٹیلی ویژن کے سامنے پست مناظر اور ٹیلی فون کی گھنٹی کے پاس گزرتی۔ ایسی زندگی تھی کہ ضیاع اور غفلت کے سوا جس کا کچھ مطلب نہ تھا۔ میرے اہتمامات خساست کی حد تک گھٹیا تھے، اس کے ساتھ ساتھ میں بڑی ضدی، متکبر اور خود پسند تھی۔ نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو قبول نہ کرتی۔ میری بری حالت سے میرے والدین ڈر گئے اور میں اپنی بد اخلاقی میں مشہور ہو گئی، میں اپنے باپ کے کلمات نہیں بھول سکتی، جو اپنی فیکٹریوں، زمینوں اور اموال میں مصروف رہتا تھا، جب کہ وہ مجھے زجر وتوبیخ کرنے لگے

اور نافرمانی، قلتِ حیا اور بے ادبی سے موصوف کرنے لگے اور کہا: تم جیسی بری لڑکی سے شادی کرنے کا کون سوچے گا؟ تو نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔ اگر حرام نہ ہوتا تو تجھے قتل کر دیتا۔ اس کے باوجود میں کوئی پروا نہ کرتی۔

رہی میری مسکین ماں تو وہ نصیحتیں کر کر کے تھک چکی تھی، بلکہ اس نے مجھے سدھارنے کے لیے کوئی راستہ نہ چھوڑا، لیکن میں اپنی ڈگر پر چلتی رہی، حتی کہ اس کے آنسو بھی میرے جابر نفس کے سامنے سفارشی نہ بن سکے۔ تب معاملہ اور بھی خراب ہو گیا جب میں تعلیم کے دوسرے مرحلے سے فارغ ہوئی اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بری طرح فیل ہوئی، اس نسبت سے میں کسی بھی کالج یا یونیورسٹی میں داخلے کی اہل نہ تھی۔ گھر میں بیٹھ رہی۔ میرے گھر میں ٹھہر جانے کی خبر ہی میرے والد کے لیے بجلی کا کڑکا تھا، کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ میں عنقریب برائی میں اور بھی بڑھ جاؤں گی اور عملاً ایسا ہی ہوا۔ میں فحش گانوں، بدتہذیب فلموں، بے حیا ڈائجسٹوں اور پست سٹوریوں پر جھک پڑی، یہاں تک کہ میں دل میں سوچتی کہ میں کوئی مشہور رقاصہ یا گلوکارہ ہوں۔ میں اس حکمت کو بھول گئی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

ایک دن جب میں حسبِ معمول شیطانی آلاتِ موسیقی بڑے انہماک سے سن رہی اور وجد میں گنگنا رہی تھی، فحش گانے کو موسیقی کے ساتھ دہراتی کہ جس نے میری عقل زائل کر دی تھی، اچانک میرے چھوٹی بہن ''مہا'' سات سال کی معصوم بچی میرے کمرے میں چلی آئی، بیٹھ گئی اور میری مضحکہ خیز شکل اور مجذوبانہ حرکات وسکنات دیکھنے لگی، اسے دہشت کا احساس ہوا، بلکہ ہنسی نکل گئی، میں نے یہی کیا کہ ٹیپ کو بند کیا اور اس کے چہرے کے پاس چلائی: کیا چاہتی ہو؟

معصوم مہا انتہائی خوف اور ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی کہ وہ میری قوت اور سختی کو پہنچانتی تھی:

میں آپ کے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہوں: میں خوف زدہ ہوں۔ مجھے کہانی سنائیں، گھر میں ہمارے اور خادمہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے، میرے ساتھ آئیں، باغیچے میں چلتے ہیں، میں غم اور اکتاہٹ محسوس کر رہی ہوں۔

میرا غضب اور بھی تیز ہو گیا اور اس کے گلے کو گھونٹا، پھر کمرے کا دروازہ کھولا اور بولی: میرے چہرے سے دور ہو جاؤ، خادمہ کے پاس جاؤ اور اس کے ساتھ کھیلو، میں یہاں کسی کو نہیں چاہتی، سمجھی ہو؟ چھوٹی میرے جابرانہ حکم کو مان گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں مسلسل مجذوبانہ واویلا کر رہی تھی، دور جا کر کھیلو، دوبارہ یہاں مت آنا، سن رہی ہو؟ پھر میں اپنی کیسٹوں اور سی ڈیز کی طرف لوٹ آئی، گانا، رقص اور طرب و مستی کو پورا کیا، لیکن ایک اجنبی شعور مجھے خلجان میں ڈال رہا تھا۔ میں اپنے دل میں ایک بڑی طویل فراغت محسوس کر رہی تھی، کمرے کے کلاک کی جانب دیکھا، وہ ابھی تک شام کے پانچ بجا رہا تھا، میری پیاری باتوں اور میٹھی گفت وشنید کا مناسب وقت جب میں فلاں اور فلاں سے رابطہ قائم کرتی تھی۔

میرا مقصد صرف تسلی پانا تھا، زندگی اسی طرح تو گزاری نہیں جا سکتی، میں نے سوچا کہ ٹیلی فون کی گفتگو کو آج نصف رات تک کے لیے موخر کر دوں، وہ زیادہ مناسب وقت ہے، تا کہ رسوائی بھی نہ ہو۔ میں نے دل میں کہا: میں باغیچے کی طرف کیوں نہیں جاتی؟ شاید میرے دل کی تسکین و ترویح ہو جائے اور بالفعل میں باغیچے کی جانب چل پڑی۔ میں غم اور اکتاہٹ محسوس کر رہی تھی، جو دل میں کھبا جا

رہا ہو، لیکن معلوم نہیں کیوں؟ جب میں تالاب کے پاس پہنچی، ایک خوف ناک منظر ظاہر ہوا، ایک ہولناک مصیبت اور بڑا حادثہ رونما ہو چکا تھا!!

وہ میری چھوٹی معصوم بہن تالاب کے گہرے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ ہماری طرح تیرنا نہیں جانتی تھی۔ میرے تھکے ماندے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی اور پاگلوں کی طرح چیخنے چلانے لگی: مہا!! مہا!! لیکن وہ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ خادمہ چیخ و پکار سے تیز بھاگتی ہوئی آئی۔ ہم نے اسے تالاب سے نکالا، میں جلدی سے اسے ہلانے لگی، جھنجوڑا، شاید کہ وہ حرکت کرے، شاید کہ وہ بات کرے، شاید کہ وہ سانس لے، میں اس کے چھوٹے دل کو چھو کر نبض دیکھ رہی تھی، لیکن وہ بند تھا، اے مہا! ابھی تک تیری آنکھوں میں ان بے گناہ آنسوؤں میں سے ایک آنسو کا نشان ہے، جو تجھے ڈانٹنے کے بعد نکلے تھے اور تیرے گداز خدوخال پر ایک چھوٹی سی عتاب ہے، گویا تو مجھے سرزنش کر رہی ہے۔

میں اسے بازوؤں پر اٹھا کر اندرونِ خانہ لے آئی، اس دوران خادمہ میرے والدین کو فون کر چکی تھی، وہ بھی جلدی سے آ گئے اور ہسپتال کی طرف لے گئے، دریں اثنا جب کہ میں ڈگمگاتے قدموں اور لڑکھڑاتی چال سے ٹھوکریں کھاتی ہوئی چل رہی تھی، میں اس کی صورت اور ہیئت میں ایک بڑی غفلت کی تصویر دیکھ رہی تھی، جو میری زندگی میں تھی، جس نے ایک معصوم بچی کی جان لے لی۔ میں روتی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی کہ میری بہن عافیت سے دوبارہ لوٹ آئے، میں دنیا کا کچھ ساز و سامان نہیں چاہتی۔ اب دنیا میرے آگے سب سے حقیر چیز تھی۔

میں نے اپنے گزرے ہوئے فضول دنوں کو یاد کیا۔ میرے خیال میں میری بوسیدہ زندگی کی فلم چل پڑی، جو میں نے شیطان اور اس کے گروہ کے سائے تلے گزاری تھی۔ میں ٹیلی فون کے ریسور کے پاس بیٹھی تھی، بے صبری کے عالم میں، اپنی بہن کی حالت کے متعلق ڈاکٹر کی رائے کا انتظار کر رہی تھی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، میں اپنے آپ کو زجر وتوبیخ اور ملامت کرنے لگی۔ کاش! میں نے اسے اپنے کمرے ہی میں رہنے کی اجازت دی ہوتی۔ کاش! میں وہ سن لیتی جو وہ مجھے کہہ رہی تھی۔ کاش! میں نے اسے ڈانٹا نہ ہوتا۔ کیا وہ مجھے آخری الوداع تو نہیں کہہ گئی؟

نہیں...نہیں، مہا عنقریب لوٹ آئے گی۔ ہاں وہ ابھی آجائے گی، جب میں اسے دیکھوں گی تو خوشی سے کتنا اڑوں گی، اسے اپنے سینے سے لگا لوں گی، اسے بوسہ دوں گی، اس کے لیے کھلونے خریدوں گی، مٹھائی بھی، وہ جو بھی چاہے گی، لیکن اے میری پیاری بہن مہا میرے پاس لوٹ آؤ!

ریسیور کی بجتی ہوئی بیل میرے افکار کی رسی کو کاٹ رہی تھی، میں نے جنونی تیزی سے اسے اٹھایا، ہسپتال سے کال آ رہی تھی: اس معصوم بچی کے متعلق ہم آپ سب سے تعزیت کرتے ہیں، دراصل ایک گھنٹے سے زیادہ پانی کے نیچے رہنے کی وجہ سے پیٹ میں بہ کثرت پانی سرایت کر گیا ہے۔ یہ عبارتیں میرے کان میں گھسیں اور آہستہ سے میرے دل تک پہنچ گئیں، میں اپنے گردو پیش سے بے خبر ہوگئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ میرے دل کے اندر سے چیخیں بلند ہوگئیں، اس کے بعد مجھے کچھ پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ میں نے جس چیز کا ادراک کیا وہ یہ تھی:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ١٨٥]

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے''

اس کے بعد مجھے اپنی بے ہوشی سے افاقہ ہوا، اس سے پہلے کہ میں اپنی غفلت اور نیند سے باہر آتی، اپنے والد کو سنا جو کہہ رہے تھے: ہم اسے گھر میں اس کے ساتھ چھوڑ گئے تھے، مجھے اس کا بھر پور بدلہ ملا، یہ ضائع ہونے والی خسیس۔ میں اپنی بہن کو روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئی۔ میں اپنی رسوائی کو دعوت دے رہی تھی اور اپنے ضیاع پر چلا رہی تھی۔

میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم مجھ پر قوم کے عذاب اور کڑوی ملامت کو جمع نہ کرو، مجھ پر رحم کرو، میں ضائع ہونے والی ہوں، بے شک میں تیرے خیال کو دیکھتی ہوں، جو میرے جنون سے دل لگی کر رہا ہے، میں تیری صورت اپنے سامنے دیکھتی ہوں، تیرے ساتھ تیری بے گناہی اور خوب صورت نظریں ہیں، تیرا خوشی سے جھومنا، تیرا مذاق اور خوش طبعی کرنا۔ کتنی مرتبہ میں نے تجھے ڈانٹ پلائی، کتنی بار بلا سبب میں نے درشتی برتی۔ افسوس! وہ کتنی معمولی ہے، عبث، پاگل پن اور خواہشِ نفس کی زندگی، میں نے اپنے سامنے ماں کو روتے ہوئے دیکھا، اس سے گویا ہوئی: اے غم زدہ ماں! کیوں آنسو بہاتی ہو؟ بے گناہ اور لاڈلی بیٹی جو کوچ کر گئی ہے، اس کے غم میں روتی ہو؟ یا اپنی زخمی اور ضائع ہونے والی بیٹی پر اشکبار ہو اور اس کا مرثیہ پڑھتی ہو؟ ہمارے علاوہ تیری اور کوئی بیٹی نہیں۔ ماں! اپنے اشک روک لے، میرے پہلو میں غم کی ایسی سوزش ہے، اگر اسے نکالوں تو سامنے جو کچھ ہے، اسے پھاڑ دوں۔

موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد میں لمبی غفلت سے بیدار ہوئی، فضول اور گمراہی کی زندگی کے بعد میرا دل نورِ ایمان سے منور و تاباں ہوا، اس کے بعد اپنی نحیف و نزار جان کے اوپر کھڑی ہوئی، میں نے کمرے میں جو تعفن اور گندگی تھی، اسے پکڑا اور سب کی آنکھوں کے سامنے دور پھینک دیا، کبھی واپس نہ آنے کے لیے، اللہ کے حکم سے، میں ایک بار پھر اپنی جان پر کھڑی ہوگئی، وضو کیا اور پھر نماز کے لیے اللہ کے حضور تکبیر کہہ دی، جب نماز شروع کی تو پھوٹ پھوٹ کر روئی، اپنی زندگی کے ایام رفتہ پر اشک بہائے، جب اپنی پیاری بہن یاد آئی تو اور بھی آنسو بہائے اور دعا گو ہوئی کہ وہ جنت میں ہماری پیش رو ہو۔

میرے آقا! میں نے اسے جنت پایا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ مدینے آئے تو میں صبح صبح ان کی ملاقات کے لیے چلا گیا۔ میں نے انھیں مسجد کے راستے میں پایا، ان کے ساتھ ان کا غلام انس بھی تھا، انھوں نے اس کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی تھی۔ انھوں نے غلام سے پوچھا: تو نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: میرے آقا! میں نے اسے جنت پایا۔ ابن شہاب رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کا شکر ہے۔

میں اصل بات سمجھ گیا اور ہنس پڑا، اس پر انھوں نے پوچھا تو میں نے بتلایا: وہ کہہ رہا ہے کہ بیوی اس کے موافق نہیں آئی، کیونکہ جنت میں بڑی وسعت اور ٹھنڈک ہے۔ انھوں نے پوچھا: انس! ایسے ہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! میرے آقا! اس پر وہ لگاتار ہنستے رہے اور اس بات کو دہراتے رہے۔

لوگ پانچ کے محتاج ہیں

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: لوگ ان پانچ آدمیوں کے محتاج ہیں۔ جو فقہ میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان میں سے ہیں جنھیں فقہ کی توفیق ارزاں کی گئی تھی۔ جو شعر وسخن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زہیر بن ابی سلمی کا محتاج ہے اور جو مغازی میں تبحر چاہتا ہے وہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا محتاج ہے اور جو نحو کے فن میں کمال تک پہنچنا چاہتا ہے، وہ کسائی رحمہ اللہ کا محتاج ہے اور جو علمِ تفسیر میں مہارتِ تامہ چاہتا ہے وہ مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ورع

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ایک انسان کے گھر کے قریب دھوپ میں بیٹھے دیکھا۔ پوچھا: ابو حنیفہ! (رحمہ اللہ) اگر آپ سائے میں آ جائیں تو؟ اس کا مقصد اس گھر کا سایہ تھا جس کے سامنے وہ بیٹھے تھے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ گویا ہوئے: میں نے اس گھر والے سے چند درہم قرض لینا ہے اور میں اس کے گھر کے سائے میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔

ایک روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اس مالک مکان کے ذمے میرا کچھ قرض ہے، اسی لیے اس کے گھر کے سائے تلے بیٹھنا مکروہ سمجھتا ہوں کہ یہ حصولِ منفعت نہ ہو جائے۔ لوگوں پر اس چیز کو واجب خیال نہیں کرتا ہوں، لیکن ایک عالم اس بات کا محتاج ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے اپنے علم سے زیادہ عمل کا

حصہ لے، اس سے کہ جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔

اس واقعے پر یزید رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ ورع والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اس سے بڑھ کر اور احتیاط کیا ہوسکتی ہے؟

والدہ کے احساسات کے لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا خوف

یحییٰ بن عبدالحمید رحمہ اللہ نے کہا: امام صاحب کو ہر روز جیل سے نکالا جاتا اور مارا جاتا تھا کہ عہدہ قضا قبول کر لیں، لیکن وہ انکار کر دیتے۔ جب ان کے سر پر مارا گیا اور اس کا نشان ان کے چہرے پر پڑ گیا تو رو پڑے۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب میری ماں یہ نشان دیکھے گی تو روئے گی اور غم زدہ ہو جائے گی۔ میری ماں کے غم سے زیادہ میرے نزدیک اور کوئی غم نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ والدین کے ساتھ بہت حسنِ سلوک سے پیش آتے، ان دونوں کے لیے دعا گو ہوتے، استغفار کرتے اور ان کے ساتھ اپنے شیخ حماد رحمہ اللہ کو بھی شامل کرتے، ہر مہینے اپنے والدین کی طرف سے بیس دینار صدقہ کیا کرتے تھے۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: میری والدہ نے کسی چیز کے متعلق فتوی چاہا تو میں نے انھیں فتوی دے دیا، لیکن انھوں نے قبول نہ کیا اور کہنے لگیں: میں تو صرف واعظ اور قصہ گو ابو زرعہ رحمہ اللہ کا قول ہی مانوں گی تو وہ انھیں لے آئے اور کہا: میری والدہ اس بارے میں آپ کا فتوی چاہتی ہیں۔ وہ بولے: آپ زیادہ عالم اور بڑے فقیہ ہیں، آپ ہی فتوی دیں۔ وہ کہنے لگے: میں نے تو یہ فتوی دیا ہے۔

ابو زرعہ رحمہ اللہ کہنے لگے: بات وہی ہے جو ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہی، چنانچہ

وہ راضی ہو گئیں اور چلی گئیں۔[1]

بادشاہ کے پاس جانے والے کے لیے ایک قیمتی نصیحت

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا: اے یعقوب! حکمران کی توقیر کر اور تعظیمِ منزلت بجا لا، اس کے سامنے جھوٹ بولنے سے ڈر، ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے پاس مت جا، جب تک کہ وہ کسی علمی ضرورت کے پیشِ نظر تجھے نہ بلائے۔ اس سے اس طرح دور رہ، جس طرح آگ سے دور رہتا ہے کہ اس سے نفع اٹھاتا ہے اور اس سے دور رہتا ہے، قریب نہیں جاتا کہ تو جل جاتا ہے اور اس سے اذیت محسوس کرتا ہے، بے شک بادشاہ جو اپنی ذات کے لیے رائے رکھتا ہے، کسی اور کے لیے نہیں رکھتا، اس کے سامنے باتونی نہ بن۔ تو جو لفظ زبان سے نکالے گا، وہ اس پر تیرا مواخذہ کرے گا، تاکہ اپنے حاشیہ نشینوں کے سامنے ظاہر کر سکے کہ وہ تجھ سے بڑا عالم ہے اور یہ کہ اس نے تمھاری غلطی پکڑ لی ہے، اس طرح تو اس کی قوم کی آنکھوں میں حقیر ہو جائے گا، لہٰذا جب تو اس کے پاس جائے تو اپنی اور دوسرے کی قدر کو پہچان رکھ۔

اے نوجوان! کیا ہم نے تجھے ضائع کر دیا؟

عبداللہ بن رجاء رحمہ اللہ نے کہا: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوفہ میں ایک ہمسایہ تھا، جو موچی تھا۔ وہ سارا دن کام کرتا، جب رات چھا جاتی تو گھر کی طرف لوٹ آتا، ساتھ میں گوشت اٹھایا ہوتا جسے پکاتا یا مچھلی ہوتی، جسے بھونتا، پھر شراب پینی

[1] محمد سليمان "أخلاق العلماء" (ص: ٩٧)

شروع کر دیتا، یہاں تک کہ جب شراب اس میں سرایت کر جاتی تو اونچی آواز سے غراتا اور کہتا:

أضاعوني وأي فتى أضاعوا
ليوم كريهة وسداد ثغر

''انھوں نے مجھے ضائع کر دیا اور گھمسان کی لڑائی اور سرحدی محافظ دستے کے دن انھوں نے اس نوجوان کو ضائع کر دیا۔''

پھر وہ شراب کے جام پیتا اور یہی شعر دہراتا رہتا حتی کہ نیند کی آغوش میں چلا جاتا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہر رات اس کا شور وغل سنا کرتے تھے، حالاں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ ساری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی آواز کو گم پایا تو اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ اسے کئی راتوں سے پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے اور اس وقت بھی قید میں ہے، ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اگلے دن فجر کی نماز پڑھی اور اپنے خچر پر سوار ہو کر گئے۔ امیر سے اجازت چاہی تو امیر نے کہا: انھیں اجازت دو اور انھیں سواری پر ہی آنے دو، اترنے مت دینا، تا آنکہ اپنے خچر سے بچھے ہوئے قالین کو روند ڈالے، چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا، امیر مسلسل ان کے لیے اپنی مجلس میں کشادگی کرتا رہا اور بولا: آپ کی کیا حاجت ہے؟

فرمایا: میرا ایک کفش دوز ہمسایہ ہے، جسے پولیس نے کئی راتوں سے پکڑ رکھا ہے، تو کیا امیر اسے رہائی کا پروانہ دیتے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، بلکہ ان تمام کو بری کرتے ہیں جو اس رات سے لے کر اس دن تک پکڑے گئے ہیں۔ چنانچہ ان تمام کی رہائی کا حکم جاری کر دیا، ابو حنیفہ رحمہ اللہ سوار ہوئے اور

کفش دوز (موچی) ان کے پیچھے چلنے لگا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب اترے تو اس کی طرف گئے اور کہا: اے نوجوان کیا ہم نے تجھے ضائع کر دیا؟

وہ بولا: نہیں، بلکہ آپ نے حفاظت کی اور لحاظ رکھا۔ اللہ آپ کو جزا عطا فرمائے۔ آپ نے پڑوسی کا احترام اور حق کی نگہداشت کی ہے پھر وہ آدمی تائب ہو گیا اور اس نے آیندہ کبھی وہ شغل نہ کیا جو وہ کیا کرتا تھا۔

اپنے مریضوں کا صدقے سے علاج کرو

① کئی سالوں سے میاں اور بیوی کے درمیان باہمی اختلاف چل رہا تھا۔ کبھی کبھار چند ہفتوں کے لیے صلح ہوتی اور پھر حالات کشیدہ ہو جاتے۔ عورت امید سے ہوتی اور اس کا حمل ساقط ہو جاتا۔ ایسا تین بار ہو چکا تھا۔

ایک دن جب کہ ان کی صلح تھی، وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ خاوند نے اپنی بیوی کو بتایا: اس نے ایک آدمی دیکھا، جس نے یہ کہتے ہوئے اپنی حالتِ زار بیان کی ہے: میں ایک ہوٹل میں بہ طور نانبائی کام کرتا تھا، کفیل نے ہوٹل کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، میں نے اپنا کفالہ اس کی طرف منتقل کر لیا، لیکن اس نے مجھے تنگی میں مبتلا کر دیا ہے کہ بلند آواز سے ہوٹل کے تمام گوشوں میں موسیقی چلاتا ہے۔ میں نے پہلے کفیل کی طرف آنے کی بھر پور کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اس پر میں نے اپنے نئے کفیل سے استدعا کی کہ پانچ ہزار ریال کے عوض وہ میرا کفالہ منتقل کر دے۔ یہی رقم میری کل پونجی تھی، وہ مان گیا تو میں نے وہ رقم اس کے سپرد کر دی، جو میں نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلانے کے لیے جمع کر رکھی تھی۔ اب میں بہت مشکل اور سخت معاملے میں ہوں۔ بیوی

لگاتار فون کرتی اور پوچھتی ہے: میں اسے کب لاؤں گا؟ میرے گھر والے کہتے ہیں: ہم تیری بیوی کے گھر والوں سے بڑے تنگ ہیں، تو میں اتنی رقم چاہتا ہوں، بہ ایں طور کہ ماہانہ اقساط میں ادا کر دوں گا۔

بیوی نے جب یہ قصہ سنا تو خاوند سے کہنے لگی: میں اسے یہ قیمت دوں گی، میں سوائے دعا کے کچھ نہیں مانگتی۔ خاوند نے وہ رقم لی او نانبائی کو تھما دی اور اسے اپنی بیوی کی بات بھی سنا دی۔ وہ بیٹھ کر خوشی سے رونے لگا اور اس رات سو نہ سکا کہ اس خاتون اور اس کے خاوند کے لیے رات بھر اللہ سے دعائیں مانگتا رہا، اس مہینے عورت امید سے ہو گئی اور اس کا حمل برقرار رہا، ان کی باہمی کشیدگی بھی دور ہو گئی اور ان کے مابین انشراح و فرحت کی علامات ظاہر ہو گئیں۔

② آیئے یہ ایک بڑے صاحبِ ثروت آدمی کا قصہ ہے، جس کا بیٹا ایک خطرناک مرض میں مبتلا تھا، اس نے امریکہ اور یورپ کا سفر کیا، لیکن کوئی علاج نہ ہو سکا، یہاں تک کہ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے بیٹے کو شفا عطا فرمائے، چاہے میرا سارا مال ختم ہو جائے۔ ایک دن وہ آدمی صبر کے بارے میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، اچانک اس نے ایک حدیث پڑھی کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((دَاوُوا مَرضَاكُم بِالصَّدَقَةِ))

''صدقے سے اپنے مریضوں کا علاج کرو۔''

وہ اسی لمحے نکلا، ایک رقم لی اور ایک فقیر بڑھیا کے ہاتھ تھما دی اور گھر واپس لوٹ آیا، اس نے اچانک ایک حادثہ دیکھا، جو عقلوں کو گم کر دینے والا تھا۔

اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ اس پر صحت و عافیت کی علامات ظاہر ہو رہی ہیں، اس نے پوچھا: بیٹے! کیا رونما ہوا ہے؟ اس کے بیٹے نے بتایا: اللہ کی

قسم! ابا جان میں نہیں جانتا، لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اچانک عافیت میرے جسم میں سرایت کر رہی ہے۔ آدمی نے اپنے بیٹے کو لیا اور دوبارہ چیک اپ کے لیے یورپ لے گیا، وہاں دوسرا حادثہ پیش آ گیا۔

ڈاکٹر نے کہا: تو نے کیا کیا؟ تیرے بیٹے کی ساری بیماری ختم ہو گئی ہے، آدمی نے اسے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سنی تھی: ''صدقے سے اپنے مریضوں کا علاج کرو۔'' میں اس نے اس حدیث پر عمل کیا ہے تو میرے بیٹے کو شفا مل گئی ہے۔

تیسرا حادثہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر نے اس نوجوان میں اس نشان کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کی صداقت کے سامنے قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔

اے شخص! جس کا مرض لمبی بیماری والا ہے، جا! اس کی طرف سے صدقہ کر، ایسا تجربے کے انداز میں نہ کرنا، بلکہ یقین کے طور پر کرنا۔

مباحثے اور مناظرے میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فوقیت

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ جدل و مناظرہ میں ہر شخص ان سے خائف تھا۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خوارج کی ایک جماعت کے ساتھ اکٹھے ہوئے، جو کہتے تھے: گناہ کا مرتکب کافر ہے، چنانچہ ان کے مابین یہ مکالمہ چل نکلا۔

انھوں نے امام صاحب سے کہا: مسجد کے دروازے پر یہ دو جنازے ہیں، ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جس نے شراب نوشی کی، یہاں تک کہ پیٹ بھر گیا اور اس کی کثرت سے مر گیا۔ دوسرا جنازہ ایک سیاہ کار عورت کا ہے،

یہاں تک کہ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو خودکشی کر لی۔ اب انھوں نے امام صاحب سے ان دونوں کے متعلق رائے معلوم کرنا چاہی۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے پوچھا: یہ دونوں کس دین سے تھے؟ یہودی تھے؟ وہ بولے: نہیں۔ فرمایا: کیا نصرانی تھے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: مجوسی تھے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر کس دین سے تھے؟ وہ بولے: اس دین سے جو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرمایا: مجھے شہادت کے بارے میں بتاؤ کہ یہ ایمان کا تیسرا حصہ ہے، چوتھا ہے یا پانچواں؟ وہ بولے: ایمان نہ تیسرا ہوتا ہے، نہ چوتھا اور نہ پانچواں۔ فرمایا: پھر یہ گواہی کتنا ایمان ہوئی؟ کہا: سارے کا سارا ایمان! فرمایا: پھر اب تم ان لوگوں کے متعلق مجھ سے کیا سوال کرتے ہو، جب ان کے بارے میں تم نے اقرار کیا ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں۔

وہ بولے: یہ بات چھوڑو، یہ بتاؤ کہ یہ دونوں جنتی ہیں یا جہنمی؟ فرمایا: اگر تم نے انکار کیا تو میں ان دونوں کے متعلق وہی بات کہوں گا، جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق کہی تھی، جو ان سے بڑے مجرم تھے:

﴿فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

[ابراهيم: ٣٦]

''پس میری اطاعت کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے۔''

نیز میں ان دونوں کے متعلق وہی بات کہوں گا، جو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہی، جو ان سے بڑی مجرم تھی:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [المائدة: ١١٨]

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تُو زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

نیز میں ان دونوں کے متعلق وہی کہوں گا، جو نوح علیہ السلام نے فرمایا: جب قوم نے کہا: ﴿قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ﴾ [الشعراء: ١١١]

''قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں! تیری اتباع تو رذیل لوگوں نے کی ہے۔'' تو فرمایا:

﴿قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۞ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

[الشعراء: ١١٢-١١٤]

''آپ نے فرمایا! مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے، اگر تمھیں شعور ہو تو، میں ایمان والوں کو دھکے دینے والا نہیں۔''

اور وہ بات جو نوح علیہ السلام نے فرمائی:

﴿وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [هود: ٣١]

"میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمھاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں، ان کے دل میں جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔"

خوارج نے جب امام صاحب سے یہ دلائل سنے تو ان کے سر جھک گئے اور انھوں نے اسلحہ پھینک دیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جہم بن صفوان پر حجت قائم کرتے ہیں

جہم بن صفوان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف گیا اور ان سے کہا: اے ابو حنیفہ رحمہ اللہ! میں تیرے پاس چند چیزوں کے متعلق، جو میں نے تیار کی ہیں، بحث کرنے کے لیے آیا ہوں۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے با ایں الفاظ جواب دیا: تیرے ساتھ بات کرنا باعثِ عار اور جس پر تو ہے اس پر بحث کرنا شعلہ زن آگ ہے!

جہم نے کہا: تم نے مجھ پر یہ حکم کیسے لگا دیا، جب کہ میری بات سنی ہے اور نہ مجھ سے ملاقات کی ہے؟

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: مجھے تمھارے متعلق ایسے اقوال پہنچے ہیں جو کوئی نماز پڑھنے والا (مسلمان) نہیں کہہ سکتا۔

جہم: کیا تم مجھ پر غائبانہ حکم لگاتے ہو؟

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: یہ چیز تیرے بارے میں مشہور ہے اور عوام و خواص کے نزدیک

ظاہر ہو چکی ہے، لہٰذا میرے لیے جائز ہے کہ اسے تجھ پر ثابت کر سکوں۔

جہم: میں صرف ایمان کے متعلق تم سے پوچھتا ہوں۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: کیا اب تک تمھیں ایمان کی معرفت نہیں ہے جو تو پوچھنے کا محتاج ہے؟

جہم: کیوں نہیں، لیکن ایمان کی ایک نوع کی نسبت شک ہے۔

ابو حنیفہ: ایمان میں شک کرنا کفر ہے۔

جہم: تیرے لیے قطعاً یہ جائز نہیں الا یہ کہ تو میرے سامنے وضاحت کرے کہ مجھے کس صورت میں کفر لاحق ہوتا ہے۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: سوال کرو!

جہم: مجھے اس شخص کے متعلق بتاؤ جس نے دل کے ساتھ اللہ کو پہچان لیا، نیز یہ معرفت بھی حاصل کی کہ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے، اس کی صفات کو بھی پہچانا اور یہ کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں، پھر زبان سے کلام کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ مومن مرا یا کافر؟

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: وہ کافر ہے، جہنمی ہے، یہاں تک کہ جو دل سے پہچانا ہے، زبان سے اس کا اقرار نہ کر لے۔

جہم: وہ کس طرح مومن نہیں ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے پہچانتا ہے؟

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: اگر تو قرآن پر ایمان لاتا ہے اور اسے حجت سمجھتا ہے تو میں قرآن پیش کرتا ہوں اور اگر تو قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ اسے حجت سمجھتا ہے تو میں اس انداز سے بات کرتا ہوں جس سے ہم ملتِ اسلام کے مخالفین سے بات کرتے ہیں۔

جہم: میں قرآن پر ایمان لاتا ہوں اور اسے حجت سمجھتا ہوں۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان کو دو اعضا یعنی دل اور زبان کے ساتھ منسلک بیان کیا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [المائدة: ۸۳۔۸۵]

''اور جب وہ رسول کی طرف سے نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔ پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے، اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کر دے گا۔ اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔''

انھیں صرف معرفت اور قول کی بنیاد پر جنت میں پہنچایا ہے اور دو اعضا

یعنی دل اور زبان کے ساتھ ایمان لانے والے قرار دیا ہے۔

نیز فرمایا:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ [البقرة: ١٣٦-١٣٧]

''اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم اور اسماعیل، اسحاق یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیا (علیہم السلام) دیے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں۔''

نیز فرمایا: ﴿وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ [الفتح: ٢٦]

''اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوے کی بات پر جمائے رکھا۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [الحج: ٢٤]

''ان کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کر دی گئی۔''

نیز فرمایا:

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ [فاطر: ١٠]

''تمام ترستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔''

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ [ابراهيم: ٢٧]

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

نیز نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا))

''تم کہو اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔''

چنانچہ یہاں قول کے بغیر محض معرفت ہی کو کامیابی قرار نہیں دیا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ كَذَا.... الخ))[1]

''وہ شخص آگ سے نکل آئے گا جس نے لا إله إلا اللّٰه کہا ہوگا اور اس کے دل میں اتنا (ایمان) ہوگا.....''

یہ نہیں فرمایا کہ وہ آگ سے نکل آئے گا جس نے اللہ کو پہچان لیا اور اس کے دل میں اتنا ایمان ہوا اور اگر زبان کے اقرار کی فرضیت نہ ہوتی اور صرف دل کی معرفت ہی کافی ہوتی تو جس نے زبان سے اللہ کا رد اور انکار کیا اور دل سے اسے پہچانا، وہ مومن ہوتا، تب تو ابلیس بھی مومن ہوتا، کیونکہ وہ بھی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٨)

رب تعالیٰ کا عارف تھا۔ وہ یہ معرفت رکھتا ہے کہ وہی اس کا خالق، مارنے اور زندہ کرنے والا، نیز اسے گمراہ کرنے والا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ [الحجر: ٣٩]

''(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔''

نیز ابلیس نے کہا:

﴿أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ [الأعراف: ١٤]

''اس نے کہا کہ مجھے مہلت دیجیے قیامت کے دن تک۔''

نیز کہا:

﴿خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ [الأعراف: ١٢]

''آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔''

تب تو کفار بھی دل سے اپنے رب کی معرفت کی بنیاد پر مومنین کہلائیں گے، اگرچہ زبان سے انکاری ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ﴾ [النمل: ١٤]

''انھوں نے انکار کر دیا حالاں کہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔''

ان کے اس یقین کے باوجود کہ اللہ ایک ہی ہے، انھیں اہلِ ایمان قرار نہیں دیا، جب زبان سے انکاری ہوئے، نیز فرمایا:

﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ﴾

[النحل: ٨٣]

''یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

[یونس: ۳۱]

''آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو آنکھوں اور کانوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ وہ ''اللہ'' تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟''

انکار کے ساتھ معرفت قلبی ان کے کچھ کام نہ آئی، نیز فرمایا:

﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾ [البقرة: ۱٤٦]

''اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو۔''

انھیں بھی معرفت نے فائدہ نہ دیا، جب کہ انھوں نے آپ ﷺ کے معاملے کو چھپایا اور انکار کیا۔

اب جہم نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہا: یقیناً تو نے میرے دل میں کوئی چیز ڈال دی ہے، میں ابھی واپس آتا ہوں۔

اس نے سات جگہوں پر غلطی کی ہے

ان (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کی وسعتِ معلومات کے ساتھ ساتھ ان کے فہم و ذکا اور فراست کے شواہد میں سے ایک بات یہ ہے کہ ایک پاگل عورت ایک آدمی کو تکلیف رسانی کے درپے ہوگئی اور بولی: اے دو بدکاروں کی اولاد! لوگ اسے کوفہ کے قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے پاس لے گئے، اس نے تہمت کا اعتراف کرلیا اور اس نے مسجد میں اس پر دو حدیں قائم کر دیں۔[1]

یہ بات ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس پہنچی تو کہا: قاضی نے سات جگہوں پر غلطی کی ہے:

1. اس نے حکم کی بنیاد پاگل عورت کے اقرار پر رکھی، جب کہ اس کا اقرار رائیگاں ہے۔
2. اس نے اس پر حد لازم قرار دی، حالانکہ پاگل عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔
3. اس نے اس پر دو حدیں قائم کیں، جب کہ کوئی ایک جماعت پر بھی تہمت لگا دے تو حد ایک ہی نافذ کی جاتی ہے۔
4. اس نے دونوں حدیں یک بار نافذ کی ہیں، حالانکہ جس پر دو حدیں اکٹھی ہو جائیں تو انھیں لگاتار نہ لگائی جائیں، بلکہ ایک لگائی جاتی ہے، پھر ملزم کو چھوڑا جاتا ہے، یہاں تک کہ صحت یاب ہو جائے، پھر دوسری حد قائم کی جاتی ہے۔
5. اس نے مسجد میں حد قائم کی ہے، جبکہ حکمران کے لیے مسجد میں حد قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] انھوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہا کہ وہ دو حدوں کی مستحق ہے، کیونکہ اس نے دو اشخاص پر جو اس آدمی کے والدین تھے، تہمت لگائی تھی۔

6. اس نے اسے کھڑا کر کے مارا ہے، حالانکہ عورت کو بٹھا کر ہی حد لگائی جاتی ہے۔

7. اس نے اسے ولی کی موجودگی کے بغیر ہی مارا ہے، حالانکہ عورت کے پاس اس کے ولی کی موجودگی میں حد نافذ کی جاتی ہے، تا کہ اگر اس کے اضطراب وحرکت کرنے سے اس کے بدن سے کوئی چیز منکشف ہو جائے تو سرپرست اس کی پردہ پوشی کرے۔

مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ آدمی یقیناً فقیہ ہے

ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بہت ہتک کیا کرتا تھا۔ موسم حج آ گیا اور میں بھی ان دنوں حج پر گیا ہوا تھا۔ لوگ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے گرد سوالات کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ میں اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اسے معلوم نہ ہو سکے کہ میں کون ہوں۔

ایک آدمی اس کے پاس آیا اور بولا: میں نے آپ کا قصد کیا ہے، ایک معاملے کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں، جس نے مجھے پریشان اور قلق میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہا: کیا مسئلہ ہے؟

وہ بولا: میرا اکلوتا بیٹا ہے، اگر اس کی شادی کرتا ہوں تو طلاق دے دیتا ہے، اگر کوئی لونڈی یا غلام دیتا ہوں تو اسے آزاد کر دیتا ہے، میں اس سے عاجز آ گیا ہوں، کیا کوئی حیلہ ہے؟

کہا: ہاں، ایسی لونڈی خرید جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے، پھر اس کا اس سے نکاح کر دے، اگر طلاق دے گا تو تیری لونڈی تیری طرف واپس آئے گی

اور اگر آزاد کرے گا تو اسے کرے گا جس کا مالک نہیں اور اگر بچہ جنے گی تو اس کا نسب تیرے لیے ثابت ہو گا، اس دن سے مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ آدمی فقیہ ہے اور میں بغیر خیر کے اس کا ذکر کرنے سے رک گیا۔

یہ کس کے فتوے ہیں؟

امام اوزاعی رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے معاصر تھے، انھیں امام صاحب کے بارے میں ایسی بات پہنچی، جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ تھی جب فقیہ شام، امام اوزاعی رحمہ اللہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے ملے تو ان سے کہا: یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے؟ ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اس کی کنیت ہے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے ان کے سوال کا فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے محبت کرتے تھے، بلکہ فقہ کے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا ذکر کرنے لگے اور ان کی بابت ایسے فتوے پیش کرتے جو اوزاعی رحمہ اللہ کو بہت دل لبھاتے، یہاں تک کہ یہ کہتے ہوئے پوچھا: یہ فتوے کس کے ہیں؟

ابن مبارک رحمہ اللہ نے جواب دیا: یہ وہی شیخ ہیں جنھیں میں عراق میں ملا تھا۔ اوزاعی رحمہ اللہ ان کے متعلق کہنے لگے: یہ تو بڑے نبیل اور فائق مشائخ میں سے ہیں، جاؤ اور ان سے ابھی استفادہ کرو۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے کہا: یہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

اس کے بعد اللہ عزوجل کی منشا یوں ہوئی کہ اوزاعی رحمہ اللہ کی ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ اوزاعی رحمہ اللہ امام صاحب کی فقاہت اور علم پر مطلع ہوئے، اس کے بعد اوزاعی رحمہ اللہ نے ابن مبارک رحمہ اللہ سے کہا: ''میں نے اس آدمی کے کثرتِ علم اور وفورِ عقل پر رشک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ میں ایک

واضح غلطی پر تھا اور ایسے آدمی کو الزام دے رہا تھا، جو سراسر اس کے برعکس ہے۔"

وجودِ خالق کے منکرین پر اقامتِ حجت

بیان کیا جاتا ہے کہ بعض ملحدین، جو خالق جل جلالہ کے وجود کے منکر تھے، ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ملے تو آپ نے ان سے کہا: تم اس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہو جو تمھیں بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک بڑی کشتی دیکھی جو سامان اور بوجھ سے لدی ہوئی تھی اسے دریا کی پہنائی میں متلاطم موجوں اور مختلف ہواؤں نے گھیر لیا ہے، جبکہ وہ ان کے درمیان بہ دستور سلامت روی سے چل رہی ہے، اس میں چلانے والا یا سنبھالنے والا کوئی ملاح نہیں، نہ ہی کوئی محافظ اور نگران ہے جو اسے ہانکے یا دفاع کرے، کیا یہ عقلاً جائز ہے؟ وہ بولے: نہیں، یہ ایسی چیز ہے جو عقل قبول کرتی ہے اور نہ سوچ وفکر ہی اسے جائز قرار دیتی ہے۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: سبحان اللہ! اگر ایک کشتی کا وجود کسی ملاح، محافظ اور نگران کے بغیر ناممکن ہے تو پھر اس دنیا کا قیام، اس کے احوال کے مختلف ہونے، اس کے امور، اعمال اور حالات کے متغیر ہونے، اس کے اطراف کی وسعت اور اکناف کے تباین کے باوجود بغیر کسی صانع، محافظ اور موجد کے کیسے ممکن ہے؟!

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا: ایک آدمی نے امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ [طٰہٰ: ٥]

''جو رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے۔''

اے ابو عبداللہ! وہ کیسے مستوی ہوا؟ اس پر امام مالک رحمہ اللہ کافی دیر خاموش رہے، حتی کہ پسینے سے شرابور ہو گئے۔ ہم نے امام مالک رحمہ اللہ کو کسی بات سے اتنا کبیدہ خاطر نہیں دیکھا، جتنا کہ اس کی بات سے دیکھا، لوگ انتظار کرنے لگے کہ اب وہ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں، پھر ان سے وہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا: استوا معلوم ہے، اس کی کیفیت غیر معقول ہے، اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، میں خیال کرتا ہوں کہ تو کوئی بدعتی ہے، اسے یہاں سے لے جاؤ، وہ آدمی پکارا: اے ابو عبداللہ! اللہ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں! میں نے اس مسئلے کے متعلق اہلِ بصرہ، کوفہ اور عراق سے پوچھا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اسے توفیق دی گئی ہو، جس کی آپ توفیق دیے گئے ہیں۔

خواب مسرت آفریں ہوتا ہے، فریبی نہیں

ایک آدمی امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں آیا اور بولا: تم میں سے مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ہیں۔ اس نے سلام کہا، معانقہ کیا اور آپ کو سینے سے لگا لیا اور گویا ہوا: اللہ کی قسم! آج کی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہاں بیٹھے دیکھا ہے، فرمایا: مالک کو لاؤ تو آپ کو لایا گیا، آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو عبداللہ! تجھ پر کوئی تنگی نہیں، بیٹھ جا، آپ بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی گود کشادہ کر، آپ نے کھول دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بکھری ہوئی کستوری سے بھر دیا اور فرمایا: اسے

اپنے ساتھ چمٹا لے اور میری امت میں بکھیر دے۔ یہ سن کر امام مالک رحمہ اللہ رو پڑے اور فرمایا: خواب مسرت آفریں ہوتا ہے، دھوکا نہیں ہوتا، اگر تو نے سچا خواب بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر وہ علم ہے جو اللہ نے مجھے ودیعت فرمایا ہے۔

کھڑا ہو جا، تو علم کا خزانہ ہے

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: میں عید میں حاضر ہوا تو سوچا: یہ ایسا دن ہے کہ ابن شہاب رحمہ اللہ فارغ ہوں گے، چنانچہ عید گاہ سے پھرا تو ان کے دروازے پر جا بیٹھا، میں نے سنا وہ اپنی لونڈی سے کہہ رہے ہیں: دیکھ دروازے پر کون ہے؟ اس نے دیکھا تو میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی: آپ کا سرخ سفید غلام مالک ہے۔ کہا: اسے آنے دے۔ میں چلا آیا تو فرمایا: میرا خیال ہے تو ابھی تک گھر نہیں گیا؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کوئی چیز کھائی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کھا لو! میں نے کہا: مجھے کھانے کی حاجت نہیں ہے؛ فرمایا: کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مجھے حدیث بیان کریں، چنانچہ انھوں نے مجھے سترہ احادیث بیان کیں، پھر فرمایا: تجھے فائدہ نہیں ہوگا کہ میں تجھے حدیث بیان کروں اور تو یاد رکھ سکے! میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں ابھی دہرا دیتا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے، انھوں نے مجھے کہا: آؤ، تو میں نے اپنی تختیاں نکال لیں، انھوں نے مجھے چالیس احادیث بیان کیں، میں نے کہا: اور بیان کیجیے، فرمایا: تجھے کافی ہیں، اگر تو ان احادیث کو بیان کر سکے تو حفاظ میں شمار ہو گے، میں نے کہا: میں بیان کر دیتا ہوں، انھوں نے تختیاں میرے ہاتھ سے کھینچ لیں، پھر فرمایا: بیان کر! میں نے وہ تمام بیان کر دیں تو تختیاں مجھے واپس تھما

دیں اور فرمایا: کھڑا ہو جا، تو تو علم کا خزانہ ہے۔[1]

مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ نے بلاوجہ تجھے رخصت نہیں نوازی

زبیر نے اپنے چچا مصعب اور کئی ایک سے بیان کیا کہ جب ہارون الرشید نے حج کیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان کے دربان سے اجازت چاہی تو اسے اجازت مل گئی، بعض کی روایت میں ہے: پھر وہ ان کی طرف نکلا، جب داخل ہوا تو کہا: اے ابو عبداللہ! اتنی تاخیر پر آپ کو کس نے ابھارا اور آپ کو میرے مرتبہ و مقام کا علم بھی ہے؟ ایک اور روایت ہے: آپ نے ہمیں اپنے دروازے پر روک دیا؟ فرمایا: اللہ کی قسم! اے (امیر المومنین) میں نے وضو سے زیادہ کچھ نہیں کیا اور مجھے معلوم تھا کہ آپ صرف حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آرہے ہیں، میں نے پسند کیا کہ اس کے لیے تیاری کر لوں، وہ کہنے لگا: مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ نے بلاوجہ آپ کو رفعت سے نہیں نوازا!

پھر ان کا ہاتھ پکڑا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف چل پڑے اور کہا: مجھے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک منزلت کے متعلق بتائیں، فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو ان کی جگہ تھی، وہ ان کی اس جگہ کی مانند ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہے۔

عفو اور درگزر کی آخری بلندی

عمر نے کہا: جب امام مالک رحمہ اللہ کو مارا گیا اور اذیتوں سے دوچار کیا گیا

---

[1] القاضي عياض: ترتيب المدارك (١/ ١٢١، ١٢٢)

تو انھیں بے ہوشی کے عالم میں اٹھایا گیا، لوگ آ گئے، جب انھیں افاقہ ہوا تو فرمایا: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کر دیا ہے، ہم نے دوسرے دن عیادت کی تو وہ رو بہ صحت ہو چکے تھے، ہم نے وہی کہا جو ان سے سنا تھا اور مزید کہا کہ اس نے آپ کو اذیت دی تھی، فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ کل مر جاتا اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتا تو اس بات سے شرما نہ جاؤں کہ آپ کی امت میری وجہ سے جہنم میں چلی جائے۔ سزا کی مدت پر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ خلیفہ منصور ان کو مارنے والے پر غضب ناک ہو گیا، اسے مارا گیا اور وہ سخت رنج و محن کا شکار ہوا۔ امام مالک رحمہ اللہ کو اس بات کی خبر سنائی گئی تو فرمایا: سبحان اللہ! کیا تم ہمارا حصہ یہی سمجھتے ہو کہ ہم اس پر خوش ہوں، جس میں خود بھی مبتلا رہ چکے ہیں؟ ہمیں اس سے کہیں زیادہ اللہ کے عذاب کا خوف ہے اور اس سے کہیں زیادہ اللہ کی معافی کی امید و بیم ہے، مجھے اس سلسلے میں مارا گیا جس میں محمد بن منکدر، ربیعہ اور سعید بن مسیّب رحمہم اللہ کو مارا گیا، اس شخص میں کوئی خیر نہیں، جس کو اس دین کی خاطر اذیت نہ دی گئی۔

نبی مکرم ﷺ کے تذکرے کے وقت ان کی حالت ایسی ہی ہوتی تھی

مصعب بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا: جب امام مالک رحمہ اللہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور سر جھک جاتا۔ یہاں تک کہ ہم نشینوں پر مشکل ہو جاتی۔ ایک دن اس بارے میں ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا: اگر تم دیکھ لیتے تو جس کیفیت میں مجھے دیکھتے ہو عجیب نہ جانتے، میں محمد بن منکدر رحمہ اللہ

کے پاس آیا کرتا تھا، وہ سید القراء تھے، ہم ان سے کوئی حدیث بھی پوچھتے تو وہ رو پڑتے، یہاں تک کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔

جعفر بن محمد رحمہ اللہ آئے، وہ بہت مزاح اور تبسم کیا کرتے تھے، جب ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا تو سبز اور زرد ہو گئے۔ میں ایک وقت تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، میں نے انھیں تین حالتوں ہی میں دیکھا: نماز پڑھتے ہوئے یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے اور میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے بغیر وضو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اسی طرح ہوتا ہے

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر خراسان کے عجمی گھوڑوں میں سے عمدہ گھوڑے اور مصر کے خچر دیکھے تو میں نے کہا: وہ کس قدر حسین ہیں! فرمایا: یہ میری طرف سے تجھے تحفہ ہیں۔ میں نے کہا: ان میں ایک جانور اپنے لیے رہنے دیجیے، تاکہ سواری کر سکیں۔ فرمایا: میں اللہ سے اس بات سے شرماتا ہوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین کو کسی جانور کے کھروں سے روندوں۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اسی طرح ہوتی ہے

ابن اویس رحمہ اللہ نے کہا: امام مالک رحمہ اللہ جب حدیث کے لیے بیٹھتے تو وضو کرتے اور اپنے بستر پر نمایاں ہو کر بیٹھتے، ڈاڑھی میں کنگھی کرتے، پورے وقار اور ہیبت سے تشریف فرما ہوتے، پھر حدیث بیان کرتے، چنانچہ ان سے

اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ رسول ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں اور باوضو ہو کر بھرپور اطمینان ہی سے حدیث بیان کروں، وہ اس بات کو ناپسند کرتے کہ سرراہ کھڑے ہو کر اور جلدی جلدی حدیث بیان کریں اور فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ رسول ﷺ کی حدیث اچھی طرح سمجھاؤں۔

اس نے مجھے باندھنا چاہا، لیکن میں نے اسے باندھ دیا

ابو عباس طوسی، ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق بری رائے رکھتا تھا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بھی اس کا علم تھا، ابو حنیفہ رحمہ اللہ منصور کے پاس آئے اور لوگ بہت جمع ہو گئے تو طوسی نے کہا: آج میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو قتل کر دوں گا، چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: اے ابو حنیفہ! (رحمہ اللہ) بے شک امیر المومنین ایک آدمی کو بلا رہے ہیں، اسے ایک آدمی کی گردن مارنے کا حکم دیں، معلوم نہیں وہ کون ہے؟ کیا ان کے لیے اس کی گردن اڑانے کی گنجائش ہے؟ امام صاحب نے کہا: ابو عباس! امیر المومنین حق کے ساتھ حکم دیں گے یا باطل کے ساتھ؟ اس نے کہا: حق کے ساتھ۔

کہا: حق جہاں ہے بس نافذ کر دو، سوال نہ کرو، پھر ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قریب بیٹھے شخص سے کہا: بے شک اس نے مجھے باندھنا چاہا، لیکن میں نے اسے باندھ دیا۔

فرطِ ذکا کے باعث اس موقف سے گلو خلاصی کروالی

ان مثالوں میں سے جو فرطِ ذکا اور کمال دانش و بینش کے باعث ان

کے نجات پانے پر دلالت کنندہ ہیں، وہ ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دن کوفہ کے قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے ساتھ چل رہے تھے، شاید ان دونوں کے مابین معاصرین والی چپقلش بھی تھی، وہ ایک باغ کے پاس سے گزرے جس میں گلوکارائیں نغمہ سرا تھیں، جب وہ دونوں گانے والیوں کے برابر آئے تو وہ خاموش ہوگئیں۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان سے کہنے لگے: تم نے بہت اچھا کیا!

ایک وقت کے بعد ابو حنیفہ رحمہ اللہ کسی معاملے میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس بطور شہادتی پیش ہوئے، وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہنے لگے: تمھاری گواہی ساقط الاعتبار ہے۔ انھوں نے پوچھا: کیوں؟

کہا: آپ کے گلوکاراؤں کو یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم نے بہت اچھا کیا، کیوں کہ یہ آپ کی طرف اللہ کی نافرمانیوں پر رضا مندی کی دلیل ہے۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پوچھا: میں نے ان سے یہ کب کہا تھا: جب وہ گا رہی تھیں یا جب خاموش ہوگئیں تھیں؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب وہ خاموش ہوگئی تھیں۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہنے لگے: اللہ اکبر! میں نے اپنے اس قول ''تم نے بہت اچھا کیا۔'' سے ان کی خاموشی ہی مراد لی تھی نہ کہ ان کا گانا۔ چنانچہ ابن ابی لیلیٰ کو ان کی گواہی قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، اسی وقت ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ [فاطر: ٤٣]

''بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔''

یہ آدمی علم کے ایک عظیم مرتبے پر فائز ہے

سلف کے ہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت و تفوق کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بھائی فوت ہو گیا تو لوگ ان کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ان میں موجود تھے، سفیان ان کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر بٹھا لیا اور خود ان کے سامنے تشریف رکھی۔ جب لوگ بکھر گئے تو سفیان رحمہ اللہ کے حاشیہ نشینوں نے کہا: ہم نے دیکھا کہ آپ نے اس آدمی کے ساتھ عجیب رویہ اختیار کیا ہے؟

وہ بولے: یہ آدمی علم کے ایک عظیم مرتبے پر فائز ہے، اگر میں اس کے علم کی وجہ سے کھڑا نہ ہوتا تو اس کی عمر اور بزرگی کے لیے کھڑا ہو جاتا، اگر عمر کے لیے کھڑا نہ ہوتا تو اس کی فقہ کے لیے کھڑا ہو جاتا اور اگر اس کی فقہ کی خاطر کھڑا نہ ہوتا تو اس کے ورع و تقوی کی خاطر کھڑا ہو جاتا۔

انھیں بچھو نے ڈس لیا، لیکن حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقطع نہیں کی

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھا اور وہ ہمیں حدیث بیان کر رہے تھے تو انھیں بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا۔ امام مالک کا رنگ بدل جاتا، لیکن صبر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو مسلسل جاری رکھتے۔ جب مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ بکھر گئے تو میں نے کہا: اے ابو عبداللہ! آج میں نے آپ سے عجیب کیفیت دیکھی ہے، فرمایا: میں نے صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

کی عظمت و جلال کی وجہ سے صبر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی خاطر سواری ترک کردی

خلیفہ مہدی جب مدینے میں داخل ہوا اور پڑاؤ ڈالا تو ایک خچر سواری کے لیے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف روانہ کر دیا۔ امام مالک رحمہ اللہ اس کے پاس آئے اور خچر واپس کر کے فرمایا: بے شک میں اللہ سے شرم محسوس کرتا ہوں کہ اس شہر میں سواری پر سوار ہوں جس میں اس کے رسول ﷺ کا جسدِ خاکی ہے۔ آپ اس کے پاس پیدل آئے، آپ کو کوئی مرض بھی تھا، چنانچہ مغیرہ مخزومی، ابن حسن علوی اور علی بن علی رحمۃ اللہ علیہم کے پاس فروکش ہو گئے۔ یہ مدینے کے علما اور معززینِ شہر تھے۔ جب مہدی نے انھیں دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! انھوں نے رسول ﷺ کی عظمت کے لیے سواری چھوڑ دی تو ان کے لیے یہ مقرر کر دیے گئے اور ان حضرات کے پاس رہنے لگے، اللہ کی قسم! اگر میں ان سب کو اس طرف بلاؤں تو یہ میری پیش کش ٹھکرا دیں گے۔ مغیرہ نے کہا: اے امیرالمومنین! اہلِ مدینہ کے ہمارے ہاں قیام پذیر ہونے پر ہمیں انتہائی فخر ہے۔

ان کا قرآن کے ساتھ ایسا ہی حال تھا

مغیرہ نے کہا: میں ایک رات جب کہ لوگ رات کا ایک حصہ گزار چکے تھے، باہر نکلا تو میرا گزر مالک بن انس رحمہ اللہ کے پاس سے ہوا، وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، جب ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سے فارغ ہوئے تو ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ شروع کی، یہاں تک کہ ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ تک پہنچ گئے، پھر

لمبی دیر تک روتے رہے، اسے دہراتے اور گریہ وزاری کرتے، میں نے جو سنا اور دیکھا اس نے مجھے مصروف کر دیا اور اپنی وہ حاجت بھول گیا جس کے لیے گھر سے نکلا تھا، میں کھڑا ہی رہا اور وہ بار بار دہراتے اور اشک بہاتے رہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی، جب انھیں پتا چلا تو رکوع کیا اور میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا، وضو کیا، مسجد میں آیا تو اچانک وہ اپنی مجلس میں تھے، جب صبح ہوئی تو میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کے اوپر خوبصورت نور نظر آ رہا تھا۔

آپ پر تین دن کے روزے لازم ہیں

یحییٰ بن کثیر نے کہا: میں ایک قسم کے بارے میں ہارون الرشید کے پاس آیا، اس نے دیگر علما کو بھی جمع کیا اور انھوں نے اس بات پر اتفاق رائے کیا کہ اس پر ایک گردن کو آزاد کرنا آتا ہے، اس نے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا تو فرمایا: تین دن کے روزے ہیں، ہارون نے کہا: کیوں میں مفلس ہوں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿فَمَن لَّمْ يَجِدْ﴾ [البقرة: ١٩٦] ''جو طاقت نہیں رکھتا۔''

آپ نے مجھے فقیر کی جگہ کھڑا کر دیا، فرمایا: ہاں، اے امیر! آپ کے ہاتھوں میں جو بھی ہے وہ آپ کا نہیں، لہٰذا آپ پر تین روزے ہی آتے ہیں۔

تجھے کوڑے مارے جائیں گے

ایک آدمی نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو دوسرے

سے کہتا ہے: اے گدھے! فرمایا: اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ کہا: اگر اس نے اسے کہا: اے گھوڑے!؟ فرمایا: پھر تجھے کوڑے ماریں جائیں گے! پھر فرمایا: اے ضعیف العقل! کبھی کسی کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: اے گھوڑے؟!

بے شک کشادگی اللہ کے سامنے انکساری ہی سے آتی ہے

عتیق بن یعقوب نے کہا: ہم عید کے دن امام مالک رحمہ اللہ کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلے، امام مالک رحمہ اللہ پیدل چل رہے تھے اور امیرِ مدینہ عبدالملک بن صالح عبا و چوغہ زیب تن کیے، اسلحے، پرچموں اور پر شکوہ انداز سے نکلا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی طرف دیکھا تو فرمایا: إنا لله و إنا إليه راجعون! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین ایسے نہ تھے۔ یہ بات عبدالملک تک پہنچ گئی تو وہ عید گاہ ہی میں آپ کے پاس چلا آیا اور بولا: اے ابوعبداللہ! آپ نے کس چیز کو برا جانا ہے؟ فرمایا: جو کچھ میں نے تیرے ساتھ دیکھا، لوگ بس ڈرتے ہوئے نماز کے لیے آئے ہیں اور مغفرت کی امید لیے ہوئے ہیں، مجھے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے خبر دی کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال دس ہزار یا بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر تھے، نیچے ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکائے ہوئے تھے، فرما رہے تھے:

''بادشاہت بڑے زبردست ایک اللہ کی ہی ہے۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور استسقا کے لیے عید گاہ میں تشریف لاتے تو

لاٹھی یا کمان پر ٹیک لگائے ہوئے، سر جھکائے ہوئے اور ڈرے ہوئے ہوتے۔

اگر میں دنیا سے صرف اپنی ایک چادر کا مالک بھی ہوا تو اسی سے ان کی غم گساری کروں گا

ہارون رحمہ اللہ نے کہا: میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب ہارون الرشید آیا تو میں بھی اس کے ملاقاتیوں میں سے تھا، میں نے کہا: اے امیر المومنین! یقیناً اہلِ مدینہ کا ایک بڑا حق ہے، ان کے متعلق خیر کی وصیت قبول کرو، اس نے کہا: ان کا کیا حق ہے؟ میں نے کہا: تجھے معلوم ہے کہ روے ارض پر تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے علاوہ کسی کی قبر معلوم نہیں ہے، اس نے کہا: ہاں، نہیں ہے، میں نے کہا: اگر مدینے والے یہاں سے نکل جائیں تو تجھ پر لازم ہے کہ یہاں ایسے لوگ لائے جو یہاں سکونت اختیار کریں اور اس کے اڑوس پڑوس رہیں اور تو انھیں بھی رزق دے گا؟ اس نے مجھے کہا: اگر میں دنیا سے صرف اپنی چادر کا مالک ہوا تو اس کے ساتھ بھی ان کی غم گساری کروں گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی فراست

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جب میں سوئے مدینہ چلا اور امام مالک رحمہ اللہ سے ملا اور انھوں نے میری گفتگو سنی تو لمحے بھر کے لیے میری طرف دیکھا اور وہ بڑے صاحبِ فراست تھے، پھر مجھ سے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ میں نے کہا: محمد، فرمایا: اے محمد! اللہ سے ڈر اور معاصی سے اجتناب کرنا، عن قریب تیرا ایک اونچا مقام ہوگا۔

عجیب خواب

ابن عبدالحکم نے کہا: جب امام شافعی رحمہ اللہ کی والدہ امید سے ہوئیں تو خواب میں دیکھا: گویا خرید کردہ چیز ان کے جسم سے نکلی ہے، یہاں تک کہ مصر میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے، پھر اس کا ایک ذرہ ہر علاقے میں جا گرا ہے۔ تعبیر کرنے والوں نے کہا کہ یہ خاتون ایک عالم کو جنم دے گی، اہلِ مصر کے لیے اس کا علم مخصوص ہوگا، پھر دیگر علاقوں میں پھیل جائے گا۔

وہ دنیا کے سورج کی مانند تھا

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اپنے والدِ گرامی سے کہا: شافعی رحمہ اللہ کون آدمی تھا؟ میں نے سنا ہے کہ آپ اکثر ان کے لیے دعا گو رہتے ہیں؟

فرمایا: بیٹے! وہ دنیا کے لیے سورج کی مانند تھا اور لوگوں کے لیے عافیت کی طرح، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی جانشین یا دونوں کا کوئی عوض ہے؟

اگر تجھ سے اس نوجوان کی فقاہت فوت ہوگئی تو ڈر کہ قیامت تک نہ پا سکے گا

محمد بن فضل بزار رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھ حج کیا اور ہم ایک ہی جگہ رہے۔ جب میں نے نمازِ فجر ادا کی تو مسجد میں چکر کاٹا اور سفیان بن عیینہ کی مجلس

تک آ گیا، میں ہر ہر محفل میں گھوم رہا تھا اور ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو تلاش کر رہا تھا، یہاں تک کہ میں نے انھیں ایک گنوار نوجوان کے پاس پایا، وہ زرد لباس پہنے ہوئے تھا اور گھنی زلفیں کندھوں پر گر رہی تھیں، تا آنکہ میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بیٹھ گیا اور گویا ہوا: اے ابوعبداللہ! آپ نے ابن عیینہ رحمہ اللہ کو چھوڑا حالاں کہ ان کے پاس زہری رحمہ اللہ ، عمرو بن دینار رحمہ اللہ اور اتنے تابعی تھے کہ اللہ ہی جانتا ہے؟

فرمایا: خاموش ہو جا، اگر تجھ سے کوئی عالی حدیث رہ گئی تو نزول کے ساتھ مل جائے گی اور وہ تیرے دین، عقل اور فہم میں مضر رساں نہ ہوگی، لیکن اگر تجھ سے اس نوجوان کی فقاہت فوت ہوگئی تو مجھے ڈر ہے کہ تو قیامت کے دن تک اسے پا نہیں سکے گا، میں نے اس قریشی نوجوان سے بڑھ کر اللہ کی کتاب کا فقیہ کسی کو نہیں پایا۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: محمد بن ادریس شافعی ہیں۔

اخلاص غالب آتا ہے

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

میں نے کبھی کسی سے بھی مناظرہ کیا تو خیر خواہی کے لیے کیا اور جس سے بھی مناظرہ کیا تو یہی پسند کیا کہ مد مقابل کو توفیق دی جائے، درست راہ ملے، اس کی مدد کی جائے اور اسے اللہ کی طرف سے حفاظت اور رعایت مل جائے، نیز میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا، یہ پروا نہ کی کہ اللہ میری زبان سے حق واضح کرے یا اس کی زبان سے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ربیع سے فرمایا: اگر میں قدرت رکھتا کہ تجھے علم کھلا دوں تو ضرور کھلا دیتا۔

ربیع بن سلیمان نے کہا: میں امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور وہ بیمار تھے۔ فرمایا: اے بیٹے! میری آرزو ہے کہ ساری مخلوق میری کتابیں پڑھ جائے اور اس میں سے میری طرف کوئی چیز منسوب نہ کی جائے۔ دوسری روایت میں ہے: میری تمنا ہے کہ تمام علم جسے میں جانتا ہوں، لوگ بھی اسے جان لیں، مجھے اس کا اجر دیا جائے اور لوگ میری تقلید نہ کریں۔

واللہ! تو علم میں تیر اندازی سے زیادہ ماہر ہے

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میری دل چسپی دو چیزوں میں تھی، تیر اندازی اور طلبِ علم میں، چنانچہ تیر اندازی میں اتنی مہارت رکھتا تھا کہ دس میں سے دس تیر ہی نشانے پر لگتے تھے اور علم سے متعلق کچھ کہنے سے خاموش ہو گئے، تو کہا گیا: آپ، اللہ کی قسم علم میں تیر اندازی سے بھی زیادہ ماہر ہیں۔[1]

آدھی کھا لے اور آدھی پھینک دے

حرملہ رحمہ اللہ نے کہا:

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس کے منہ میں ایک کھجور تھی اور کہنے لگا: اگر میں نے اسے کھایا تو میری بیوی کو طلاق، اگر اسے پھینک دیا تو بھی میری بیوی کو طلاق، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

[1] الحلیة (۹/۷۷)، السیر (۱۰/۱۱)

آدھی کھالے، آدھی پھینک دے۔[1]

مخلوق کے ذریعے خالق پر استدلال کرو

مزنی رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی، میرے مافی الضمیر کو اور جو میرے دل سے چمٹی ہوئی ہے، نکال سکتا ہے تو وہ شافعی رحمہ اللہ ہی ہیں، چنانچہ میں ان کی طرف چل پڑا، وہ مصر کی مسجد میں تھے، جب میں ان کے سامنے دو زانو بیٹھا اور کہا: میرے ضمیر میں توحید کے متعلق ایک مسئلہ ہے کھٹکتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آپ کے علم جیسا کوئی علم نہیں، آپ کے پاس کیا حل ہے؟ تو وہ سیخ پا ہو گئے، پھر فرمایا:

تو جانتا ہے کہ تو کس ملک سے ہے؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ نے فرعون کو غرق کیا تھا، کیا تجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلے کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق کلام کیا تھا؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ آسمان پر کتنے ستارے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: ان میں سے محض ایک ستارہ تو اس کی جنس، طلوع، غروب نیز وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، جانتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔

فرمایا: ایسی چیز جسے تو مخلوق میں سے اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے، اس کے متعلق تو کلام نہیں کر سکتا اور بات کرتا ہے اس کے خالق کے علم کے متعلق؟ پھر انھوں نے مجھ سے وضو کا ایک مسئلہ پوچھا: میں نے اس میں خطا کھائی، انھوں نے اس کی چار صورتیں اور فروع نکالیں، میں ان میں بھی غلطی پر رہا تو فرمایا:

---

[1] الحلیة (۹/۱۴۳)

ایسی چیز جس کا تو دن میں پانچ مرتبہ محتاج ہوتا ہے، اس کے علم کو چھوڑتا ہے اور خالق کے علم کا تکلف کرتا ہے، جب تیرے ضمیر میں یہ چیز کھٹکے تو اللہ کی طرف رجوع کر اور اس فرمانِ باری تعالیٰ کی طرف:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرة: ١٦٣]

"تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔"

لہٰذا مخلوق کے ذریعے خالق پر استدلال کر اور اس کے علم کا تکلف نہ کر جس تک تیری عقل کو رسائی نہیں۔ کہا: اس پر میں ثابت قدم ہو گیا۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک عجیب ترین موقف

محمد بن عباس نے کہا کہ میں نے ابراہیم بن برید کو کہتے ہوئے سنا، وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہم نشین تھے۔ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ حمام میں داخل ہوا اور ان سے پہلے نکل آیا۔ شافعی رحمہ اللہ بڑے لمبے، جسیم اور معزز تھے اور ابراہیم بھی دراز قد اور شحیم تھے، چنانچہ ابراہیم نے شافعی رحمہ اللہ کے کپڑے پہن لیے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ابراہیم کے کپڑے زیب تن کر لیے، شافعی رحمہ اللہ کو پتا نہ چلا کہ یہ کپڑے ابراہیم کے ہیں اور ابراہیم کو بھی علم نہ ہوا کہ یہ لباس شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔

شافعی رحمہ اللہ اپنے گھر چلے گئے، اچانک دیکھا تو وہ ابراہیم کے کپڑے تھے، انھوں نے ان کے متعلق حکم دیا، انھیں لپیٹا گیا، خوش بو لگائی گئی اور ایک رومال

[1] السیر (٣٢/١٠)

میں رکھ دیے گئے، ابراہیم نے دیکھا تو ان کے لباس کو لپیٹا اور ایک رومال میں رکھ دیا، پھر دونوں ہی چل پڑے، امام شافعی رحمہ اللہ ابراہیم کی طرف دیکھ کر مسکرانا شروع ہو گئے، ابراہیم نے کہا: اللہ آپ کی اصلاح کرے! یہ آپ کے کپڑے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اور یہ آپ کے کپڑے ہیں۔ واللہ! ان میں سے کوئی چیز بھی میری طرف نہیں لوٹے گی اور نہ آپ کے علاوہ کوئی اور انھیں زیب تن کرے گا، چنانچہ ابراہیم نے وہ دونوں کپڑے لے لیے۔

ایمان قول اور عمل ہے

ربیع رحمہ اللہ نے کہا: اہلِ بلخ کے ایک آدمی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے ایمان کے متعلق سوال کیا، آپ رحمہ اللہ نے اس آدمی سے کہا: تو اس بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں کہتا ہوں کہ ایمان قول ہے۔ فرمایا: تیری دلیل کیا ہے؟ وہ بولا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ [مریم: ۹۶]

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کیے ہیں۔''

اس نے واو کو ایمان اور عمل کے درمیان فصل بنایا کہ ایمان قول ہے اور عمل اس کے شرائع و احکامات ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: تیرے نزدیک واو فصل ہے، کہا: ہاں، فرمایا: تب تو دو الٰہوں کی عبادت کرتا ہے، ایک الٰہ کی مشرق میں اور ایک کی مغرب میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ [الرحمن: ۱۷]

''وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور وہ رب ہے دونوں مغربوں کا۔''

وہ آدمی غضب ناک ہو گیا اور بولا: سبحان اللہ!! کیا تو نے مجھے بت پرست بنا دیا؟ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: بلکہ تو نے خود ہی اپنے آپ کو ایسا بنایا ہے، اس نے کہا: کیسے؟ فرمایا: تیرے اس خیال سے کہ واو فصل ہے۔ وہ آدمی بولا: میں نے جو کہا: اس سے اللہ سے معافی مانگتا ہوں، بلکہ میں تو ایک ہی رب کی عبادت کرتا ہوں، نیز آج کے بعد یہ نہ کہوں گا کہ واو فصل ہے، بلکہ کہوں گا: ایمان قول اور عمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا رہتا ہے۔

ربیع نے کہا: چنانچہ اس نے امام شافعی رحمہ اللہ کے دروازے پر بہت دولت لٹائی اور امام شافعی رحمہ اللہ کی کتابوں کو جمع کیا اور مصر سے سنی بن کر نکلا۔

سخاوت اور ایثار کی نعمت

مزنی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے شافعی رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی فیاض اور سخی نہیں دیکھا۔ میں ان کے ساتھ عید کی رات مسجد سے نکلا اور میں ان کے ساتھ ایک مسئلے پر تبادلہ خیالات کر رہا تھا، یہاں تک کہ ان کے گھر کا دروازہ آ گیا، ایک غلام درہموں سے بھرا ایک تھیلا لے کر آیا اور بولا: میرے آقا آپ کو سلام کہتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: یہ تھیلا قبول فرما لیں، انھوں نے قبول کیا اور اپنی آستین میں لے لیا، مجلسِ علم سے ایک آدمی آیا اور گویا ہوا: اے ابوعبداللہ! اسی سے میری بیوی نے بچہ جنا ہے اور میرے پاس کوئی چیز نہیں، انھوں نے وہ تھیلا اسے تھما دیا اور خود اوپر چڑھ گئے، حالاں کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

ہم نے اپنی بدعت ترک کی اور ان کی اتباع کر لی

ابو ثور رحمہ اللہ نے کہا: جب امام شافعی رحمہ اللہ عراق میں تشریف لائے تو

حسین کرابیسی میرے پاس آیا، وہ میرے ساتھ اصحابِ رائے کے ہاں آتا جاتا رہتا تھا اور کہا: ایک اہلِ حدیث شخص آیا ہے، جسے فقہ کا بڑا دعوی ہے، ہم اس سے تمسخر کرتے ہیں، چنانچہ ہم چلے گئے اور حسین نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، امام شافعی رحمہ اللہ مسلسل یہی کہتے رہے:

"قال اللّٰہ وقال الرسول ﷺ"

''اللہ کا یہ فرمان ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔''

یہاں تک کہ ہم پر گھر کو تاریک کر دیا، ہم نے اپنی بدعت کو چھوڑ دیا اور ان کی اتباع اختیار کر لی۔

ان کا دنیا میں زہد اسی طرح تھا

عبداللہ بن محمد نے کہا: ہارون الرشید نے امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے ایک ہزار دینار کا حکم دیا، جنھیں انھوں نے قبول کر لیا، ہارون الرشید نے اپنے خادم سراج کو پیچھے جانے کا حکم دیا، امام شافعی رحمہ اللہ مٹھی بھر بھر کر دیتے رہے، دیتے رہے، یہاں تک کہ گھر کے قریب آ گئے اور اب ان کے پاس صرف ایک مٹھی بچی تھی، وہ اپنے غلام کو دے دی اور فرمایا: اس سے فائدہ حاصل کرو۔ سراج نے جا کر ہارون الرشید کو بتایا تو وہ کہنے لگا: وہ بے فکر ہو گئے اور اپنی کمر کو مضبوط کر لیا۔

کتاب وسنت کو ترک کرنے والے کی یہ سزا ہے

زعفرانی نے کہا: ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اہلِ کلام کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں لاٹھیوں سے مارا جائے، اونٹوں پر

سوار کر کے قبائل کا چکر لگایا جائے اور آواز لگائی جائے: یہ اس کی سزا ہے جس نے کتاب و سنت کو ترک کیا۔

اللہ کا تقوی اختیار کرنا تجھ پر لازم ہے

ربیع نے کہا: امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ربیع! لوگوں کی رضا جوئی ایسی غایت ہے جسے پایا نہیں جا سکتا۔ تیرے لیے ضرور ہے کہ جو تیرے لیے بہتر ہو اسے لازماً اختیار کرو۔ لوگوں کی رضا مندی حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

جان لو! جس نے قرآن کا علم حاصل کیا، وہ لوگوں کی نظروں میں جلیل القدر بن گیا، جس نے حدیث سیکھی اس کی طبیعت نرم ہو گئی، جس نے حساب سیکھا، اس کی رائے معزز ہو گئی، جس نے فقہ سیکھی اس کی قدر و منزلت اونچی ہو گئی اور جس نے اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا نہ کیا، اس کو علم نے کچھ نفع نہ دیا، ان تمام کا دار و مدار تقوی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی امرا کے اتالیق کو وصیت

نہشل بن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: امام شافعی رحمہ اللہ کو ایک دن ہارون الرشید کے بعض حجروں میں لے جایا گیا، تا کہ امیر المومنین کے پاس جانے کی اجازت لے لیں، آپ کے ساتھ خادم سراج بھی تھا، اس نے آپ کو ہارون کے بیٹوں کے اتالیق ابو عبدالصمد کے پاس بٹھا دیا اور بولا: اے ابو عبداللہ! رحمہ اللہ یہ امیر المومنین کے بچے ہیں اور یہ ان کے اتالیق ہیں، اگر آپ اسے ان کے متعلق کچھ وصیت کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ ابو عبدالصمد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: امیر المومنین کے بچوں کی اصلاح سے قبل پہلا کام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کر، کیونکہ ان بچوں کی آنکھیں تیری آنکھوں سے بندھی ہوئی ہیں، ان کے نزدیک اچھی چیز وہ ہے جسے تو اچھا سمجھتا ہے اور قبیح ان کے نزدیک وہی ہو گی جسے تو ترک کر دے گا، انھیں اللہ کی کتاب کی تعلیم دے، لیکن ان کو پُر خبر نہ کر کہ اس سے اکتا جائیں اور نہ قرآن کی تعلیم ترک کرنا کہ یہ اس سے دور ہو جائیں گے، پھر انھیں ایسے اشعار بیان کر جو سب سے پاکیزہ ہوں اور ایسی احادیث جو زیادہ شرف والی ہوں، انھیں ایک علم میں مضبوط ہونے سے پہلے دوسرے علم کی طرف ہرگز نہ لے چل، کیونکہ کانوں میں کلام کا اژدہام فہم کو گمراہ کر دینے والا ہوتا ہے۔

سچا بھائی چارہ اسی طرح ہوتا ہے

یونس بن عبد الاعلی نے کہا: ایک دن امام شافعی رحمہ اللہ نے مجھے کہا: اے یونس! اگر تجھے تیرے دوست کے متعلق ایسی خبر پہنچائی جائے، جسے تو ناپسند کرتا ہے تو جلد دشمنی کرنے اور دوستی کا بندھن توڑنے سے بچ، ورنہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو شک کی بنیاد پر یقین کو ختم کر لیتے ہیں، بلکہ اپنے دوست سے ملاقات کر اور اسے کہہ: مجھے تیری جانب سے ایسی ایسی بات پہنچی ہے، یہ زیادہ مناسب ہے کہ تو پہنچانے والا کا نام ذکر کر دے، اگر وہ انکار کر دے تو اس سے کہہ: تو ہی زیادہ سچا اور نیکو کار ہے، اس سے زیادہ ہرگز کچھ مت کہنا اور اگر وہ اس بات کا اعتراف کر لے اور تو عذر کی کوئی صورت دیکھے تو اس کا عذر قبول کر

لے۔ اگر کوئی عذر سمجھ نہ آئے تو اس سے کہہ: جو خبر مجھے پہنچی ہے تیرا اس سے کیا مقصد تھا؟ اگر وہ کوئی عذر اور وجہ بیان کرے تو تُو قبول کر لے اور اگر عذر کی کوئی شکل بیان نہ کرے اور تیرے لیے راستہ تنگ ہو جائے تو اسی وقت اس کی کوتاہی خیال کر، جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے، پھر تجھے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کی مثل بدلہ لے لے زیادتی کے بغیر اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور معافی تقوے کے لیے زیادہ موثر اور کرم میں زیادہ بلیغ ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾

[الشوریٰ: ٤٠]

''اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''

اگر تیرا نفس تجھ سے بدلہ لینے پر منازعت کرے اور اکسائے تو اس دوست کے پہلے وقت کو یاد کر، صرف ایک کوتاہی سے اس کے گزشتہ احسانات کو مت بھول۔ یہ بعینہٖ ظلم ہے، ایک نیک آدمی کہا کرتا تھا: ''اللہ اس پر رحم کرے جس نے میرے گناہ پر مجھ سے بدلہ لیا اور میرے حق میں کمی کی اور نہ مجھ پر زیادتی کی۔'' اے ابو یونس! اگر تیرا کوئی دوست ہو تو اپنے ہاتھ اس کے ذریعے مضبوط کر، بے شک دوست بنانا بہت مشکل ہے اور اس کو جدا کرنا بڑا آسان ہے۔ ایک نیک آدمی دوست کی مفارقت کو اس بچے سے تشبیہہ دیا کرتا تھا جو کنویں میں ایک بڑا پتھر پھینکتا ہے، اس پر پھینکنا بڑا آسان ہوتا ہے، لیکن بڑے لوگوں کے لیے اس پتھر کو نکالنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ میری تیرے لیے وصیت ہے۔ والسلام

ایک گراں قدر نصیحت

یونس بن عبدالاعلیٰ نے کہا: جب میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: اے یونس! لوگوں سے گھٹن کا شکار ہونا حصولِ عداوت کا موجب ہے اور ان سے کشادہ روئی سے پیش آنا برے ہم نشینوں کو لانے کا باعث ہے، لہٰذا تو گوشہ نشین ہونے اور خندہ پیشانی کے درمیان رہ، لوگوں کی رضا جوئی ایسی غایت ہے جسے پایا نہیں جا سکتا اور ان سے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں، تجھ پر لازم ہے کہ اس چیز کو اختیار کر جو تجھے نفع دے، بس اس کے ساتھ وابستہ ہو جا۔[1]

لوگوں کے متعلق حسنِ ظن رکھنا

ربیع نے کہا: امام شافعی رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو میں گیا اور کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ آپ کی کمزوری کو قوت میں بدل دے۔ فرمایا: اے ابومحمد! اگر اللہ نے میری کمزوری کو میری قوت پر طاقت دے دی تو وہ مجھے ہلاک کر دے گی۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! میں نے صرف خیر کا ارادہ کیا تھا، فرمایا: اگر تو اللہ سے میرے خلاف بد دعا بھی کرتا تو میں یہی کہتا کہ تو نے محض خیر ہی چاہی ہے۔

کیا یہ درست نہیں کہ ہم بھائی بھائی رہیں، اگرچہ کسی مسئلے پر اتفاق نہ کر سکیں

یونس صدفی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے زیادہ عقل مند کوئی نہیں دیکھا۔ ایک دن میں نے کسی مسئلے پر ان سے مناظرہ کیا، پھر ہم جدا ہو گئے

[1] السیر (۱۰/۸۹)

تو بعد ازاں وہ مجھے ملے تو میرا ہاتھ تھام لیا، پھر فرمایا:

اے ابوموسیٰ! کیا یہ صحیح نہیں کہ ہم بھائی بھائی بنے رہیں، اگرچہ کسی مسئلے پر باہم اتفاق نہ کر سکیں۔[1]

مرض الموت میں امام شافعی رحمہ اللہ کی گفتگو

مزنی رحمہ اللہ نے کہا: میں اس مرض میں، جس میں امام شافعی رحمہ اللہ وفات پا گئے، ان کے پاس گیا اور گویا ہوا: اے ابوعبداللہ! آپ نے کیسے صبح کی؟ انھوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں، اپنے بھائیوں سے جدا ہونے والا ہوں، اپنے برے عمل سے ملاقات کرنے والا ہوں اور اللہ پر وارد ہونے والا ہوں، نا معلوم میری روح جنت کی طرف جاتی ہے کہ اسے مبارک باد دوں یا آگ کی طرف جاتی ہے کہ اس سے تعزیت کروں، پھر رو پڑے اور یہ اشعار پڑھنے لگے:

ولما قسا قلبي وضاقت مذاهبي
جعلت رجائي دون عضوك سلما

”اور جب میرا دل سخت ہو گیا اور میرے راستے تنگ پڑ گئے، میں نے اپنی رجا و بیم کو تیری معافی کے آگے سیڑھی بنا لیا۔“

تعاظمني ذنبي فلما قرنته
بعفوك ربي كان عفوك أعظما

”مجھے میرا گناہ بہت بڑا محسوس ہوا، لیکن جب میں نے اس کا اے

[1] السیر (۱۰/۱٦)

میرے رب! تیری عفو کے ساتھ تقابل کیا تو تیری عفو ہی بڑی نکلی۔''

فما زلت ذا عفو عن الذنب لم تزل
تجود و تعفو منة وتكرما

''تو سدا گناہ کو معاف کرنے والا رہا، تو ہمیشہ احسان اور تکریم کرتے ہوئے سخاوت کرتا اور درگزر کرتا رہا۔''

فإن تنتقم مني فلست بآليس
ولو دخلت نفسي بجرمي جهنما

''اگر تو مجھ سے انتقام لے اور میرے جرم کے باعث مجھے جہنم رسید کر دے تو بھی میں ناامید ہونے والا نہیں ہوں۔''

ولو لاك لم يغو بإبليس عابد
فكيف وقد أغوى صفيك آدما

''اور اگر تو نہ ہوتا تو کوئی عابد ابلیس سے دھوکا نہ کھاتا، کیسے کہ کھاتا؟ کہ یقیناً اس نے تیرے انتخاب کردہ آدم (علیہ السلام) کو دھوکا دے دیا۔''

وإني لآتي الذنب أعرف قدره
وأعلم أن الله يعفو ترحما

''اور یقیناً میں گناہ کا ارتکاب کرتا ہوں، اس کی قدر پہچانتا ہوں اور جانتا ہوں کہ بے شک اللہ رحم کرتے ہوئے معاف کر دیتا ہے۔''[1]

ایک واعظ کا دل چسپ واقعہ

جعفر بن محمد طیالسی نے کہا: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ

[1] المناقب (۲/۱۱۱)

نے رصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی تو ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ہمیں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی، انھیں عبدالرزاق نے، انھیں معمر نے وہ قتادہ سے اور وہ انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ كَلِمَةٍ طَيْراً، مِنْقَارُهُ مِنْ ذَهَبٍ، وَرِيْشُهُ مِنْ مَرْجَانٍ))

''جس نے لا إله الّا اللّٰه کہا تو اللہ ہر کلمے سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے، جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں۔''

پھر وہ شروع ہوا اور تقریباً بیس اوراق کا قصہ بیان کیا، امام احمد، امام یحییٰ کی طرف اور یحییٰ، احمد کی طرف دیکھنے لگے اور کہا: کیا تو نے اسے یہ قصہ بیان کیا ہے؟: وہ کہتے: واللہ! میں نے اسے اسی لمحے سنا ہے، پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ وہ فارغ ہوا اور اپنا راستہ لینے لگا تو امام یحییٰ نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر آؤ، وہ انعام وصول کرنے کے خیال سے فوراً چلا آیا۔ انھوں نے کہا: تجھے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟ وہ بولا: احمد رحمہ اللہ اور ابن معین رحمہ اللہ نے، انھوں نے کہا: میں یحییٰ ہوں اور یہ احمد ہیں، ہم نے تو کبھی یہ حدیث سنی تک نہیں، اگر یہ جھوٹ ہے اور یقیناً ہے تو پھر ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف سے سناؤ۔

وہ بولا: تو یحییٰ بن معین ہے؟ کہا: ہاں، اس نے کہا: میں ہمیشہ سے سنتا تھا کہ یحییٰ بن معین بڑا احمق ہے، لیکن اب پتا چلا ہے، گویا تم دونوں کے علاوہ روئے ارض پر کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہیں؟ میں نے تم دونوں کے علاوہ سترہ ایسے لوگوں سے حدیث لکھی ہے، جن کے نام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں۔

اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی آستین اپنے چہرے پر رکھی اور کہا: اسے چھوڑ دیں، وہ اس طرح کھڑا ہوا، گویا ان دونوں سے استہزا کر رہا ہو۔[1]

اگر میں لوگوں سے کوئی شے قبول کرتا ہوتا تو تجھ سے بھی وصول کر لیتا

امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ذکر کیا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں، پھر کہا:

وہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور تقریباً دو سال کا عرصہ قیام کیا۔ مجھے یہ خبر پہنچی کہ ان کا خرچہ ختم ہو گیا ہے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کے پیچھے کھڑا کیا، میرے اور ان کے ساتھ کوئی اور نہ تھا، میں نے کہا: بات یہ ہے کہ ہمارے پاس دینار جمع نہیں رہتے، جب غلہ فروخت کرتے ہیں تو اسے کسی چیز میں لگا دیتے ہیں، مجھے بیویوں کے پاس سے بیس دینار ملے ہیں، آپ یہ لے لیں، مجھے امید ہے کہ ان کے خرچ کرنے تک ہمارے پاس مزید کچھ مہیا ہو جائے گا۔

عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا: احمد رحمہ اللہ فرمانے لگے: اے ابو بکر! اگر میں لوگوں سے قبول کرتا ہوتا تو تجھ سے بھی ضرور قبول کر لیتا۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ کے کپڑوں کی چوری کا قصہ

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: امام احمد جب یمن میں تھے تو ان کے کپڑے

---

[1] السير (۱۱/۳۰۱)

[2] ابن أبي يعلى الحنبلي طبقات الحنابلة (۱/۲۰۹)

چوری ہو گئے۔ آپ اپنے گھر ہی میں بیٹھ رہے اور دروازہ بند کر دیا۔ اصحابِ حدیث نے آپ کو مفقود پایا تو چلے آئے اور معاملہ دریافت کیا، آپ نے بتا دیا تو اس پر انھوں نے سونا پیش کیا، لیکن آپ نے ٹھکرا دیا اور صرف ایک دینار قبول کیا، تاکہ ان کے لیے اُجرت پر حدیث لکھ سکیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے لیے دینار کے عوض بہ طور اجرت کتب نقل کیں۔[1]

اللہ تعالیٰ ان کبار ائمہ و اعلام پر رحمت فرمائے

ہلال بن علا نے کہا: امام شافعی، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مکے میں پہنچے تو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ امام شافعی رحمہ اللہ چت لیٹ گئے اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ بھی گدی کے بل دراز ہو گئے، جب کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جب صبح ہوئی تو شافعی فرمانے لگے: میں نے مسلمانوں کے لیے دو سو مسائل اخذ کیے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں نے نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سو جھوٹوں کو بھگایا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں نے کئی رکعتیں ادا کیں، جن میں قرآن مجید ختم کیا۔[2]

اگر لوگ اچھے انداز سے سوال کریں تو ہم کسی ایک کو محروم نہ رکھیں

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: عبدالملک بن مروان کے پاس ایک گنوار آ کھڑا

---

[1] البداية والنهاية (١٠/٣٢٩)

[2] مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي رحمہ اللہ (ص: ٣٥٧، ٣٥٨)

ہوا، اس نے سلام کہا اور بولا: اللہ آپ پر رحم کرے، تین سال ہم پر گزرے ہیں، رہا ایک تو اس نے مال مویشی ہلاک کر دیے، رہا دوسرا تو اس نے گوشت پگھلا دیا۔ رہا تیسرا تو وہ ہڈی تک پہنچ گیا ہے اور آپ کے پاس زرِ کثیر ہے۔ اگر وہ مال اللہ کا ہے تو اللہ کے بندوں کو بھی دیجیے اور اگر آپ کا ہے تو صدقہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

چنانچہ اس نے اسے دس ہزار درہم دیے اور کہا: اگر لوگ اس بہتر انداز سے سوال کریں تو ہم کسی کو بھی حرماں نصیبی کا شکار نہ ہونے دیں۔

ایک ہزار دینار کے بجائے دو ہزار دینار

حسن بن محمد کاتب کا بیان ہے کہ ارجان میں قیام گزینی کے عرصے کے دوران میں ایک تاجر میرا پڑوسی تھا، جو جعفر بن محمد کے نام سے معروف تھا، میں اس سے بڑا مانوس تھا، اس نے مجھے بیان کیا کہ میں ہمیشہ حج کرتا رہتا تھا اور ایک سفید پوش، مفلس، حسینی، علوی آدمی کے ہاں پڑاؤ ڈالا کرتا تھا، اس طرح اس سے لطف وکرم سے پیش آتا اور اس کی مزاج پرسی کرتا۔

ایک سال میں حج سے پیچھے رہ گیا، پھر گیا تو اسے دیکھا کہ وہ بڑا مال دار ہو چکا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس مال وثروت کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا: اتفاق سے میرے پاس چند درہم اکٹھے ہو گئے تھے تو پہلے سال ہی میں نے شادی کرنے کے متعلق سوچ بچار کی، کیونکہ میں مجرد تھا، جیسا کہ تجھے معلوم ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ مجھ پر فریضہ حج بھی عائد ہوتا ہے، سو میں نے پہلے حج ادا کرنے کو ترجیح دی اور اللہ عزوجل پر بھروسا کیا کہ وہ اس کے بعد میرے لیے

شادی بھی آسان کر دے گا۔ جب حج کے لیے گیا اور طوافِ قدوم کیا اور اپنی سواری اور جو کچھ میرے پاس تھا اسے ایک گھر میں رکھا اور اس کا دروازہ مقفل کیا اور منی کی طرف نکل گیا۔ جب واپس لوٹا تو گھر کا دروازہ کھلا تھا اور گھر سارا خالی تھا۔ میں حیران و ششدر رہ گیا کہ اتنی سخت مصیبت آئی کہ کبھی نہ آئی تھی۔

پھر میں نے کہا: یہ تو اور بھی بڑا ثواب ہے، غم کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ میں نے اللہ عزوجل کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ گھر میں بیٹھ گیا۔ میرے پاس کوئی حیلہ نہ تھا، ضمیر بھیک مانگنے کی اجازت بھی نہ دیتا تھا۔ میں لگاتار تین دن بیٹھا رہا اور کوئی چیز نہ چکھی۔ جب چوتھا دن تھا تو سحری کے وقت ہی کمزوری شروع ہوگئی اور مجھے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا، مجھے میرے نانا رسول ﷺ کی حدیث یاد آئی:

((مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ))

''آبِ زم زم اسی کام کے لیے ہے جس نیت سے پیا گیا۔''

چنانچہ میں اس کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ پانی نوش کر لیا اور واپس پلٹا، میں بابِ خلیل پر آرام کے لیے آنا چاہتا تھا۔

اسی دوران جب کہ میں چل رہا تھا، اچانک مجھے راستے میں ٹھوکر لگی جس سے انگلی کو تکلیف ہوئی، میں اسے پکڑنے کے لیے جھکا تو میرا ہاتھ سرخ رنگ کی چمڑے کی ایک کمر سے باندھنے والی تھیلی کو جا لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور جب میرے ہاتھوں میں آئی تو مجھے ندامت محسوس ہوئی۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ گری ہوئی چیز کا جب اعلان نہ کیا جائے، تو وہ حرام ہوتی ہے۔

میں نے کہا: اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو میں ہی اسے ضائع کرنے والا قرار پاؤں گا، ضروری ہے کہ اس کا اعلان کروں، شاید اس کا مالک جب لوٹے تو مجھے کچھ ہبہ کر دے اور میں حلال روزی حاصل کرسکوں، میں اپنے گھر آیا، تھیلی کو کھولا تو اس میں دینار تھے، جو دو ہزار سے اوپر تھے۔ میں نے اسے بند کیا اور مسجد حرام کی طرف لوٹ آیا اور حطیم کے پاس بیٹھ گیا۔ بھوک کی وہی حالت تھی۔ رات اپنے گھر میں اسی کیفیت میں گزار دی، پھر صفا و مروہ کی طرف لوٹ آیا، وہاں اعلان کیا، سارا دن گزر گیا اور میرے پاس کوئی نہ آیا۔ میں بہت ناتواں ہو گیا اور اپنی جان کے لالے پڑ گئے، بوجھل اور مشقت اٹھا کر پلٹا، یہاں تک کہ بابِ ابراہیم خلیل پر بیٹھ گیا، پلٹنے سے پہلے بولا: میں پکارنے سے کمزور پڑ گیا ہوں اور یہیں بابِ ابراہیم ہی پر متمکن ہوں، تم جسے دیکھو کہ گم شدہ چیز کا متلاشی ہے، اسے میری طرف بھیج دو۔

جب مغرب کا وقت قریب آیا اور میں اسی جگہ تھا، اچانک ایک خراسانی شخص گم شدہ چیز کی تلاش میں تھا، میں نے پکارا اور کہا: اس کی نشانی بتا دو، اس نے تھیلی کی نشانی بتائی اور دیناروں کا وزن اور تعداد بھی ذکر کر دی۔ میں نے کہا: اگر میں تیری ایسے آدمی کی طرف راہنمائی کروں، جو تھیلی دے دے تو کیا تو مجھے ایک سو دینار بہ طورِ انعام دے گا؟

اس نے کہا: نہیں۔

میں نے کہا: پچاس دینار؟ کہا: نہیں۔

میں نے کہا: دس دینار؟ بولا: نہیں

میں کم کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک دینار تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا: جس

کے پاس تھیلی ہے، اگر وہ ایمان داری اور ثواب کے لیے واپس کرتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ خود ہی دیکھ لے اور واپس جانے کے لیے مڑا۔ میرے اوپر ایک عظیم خیال وارد ہوا اور میں نے خاموش رہ جانے کا ارادہ کرلیا، پھر اللہ سے ڈر گیا اور اس بات کا خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں خراسانی غائب نہ ہو جائے۔ میں چلایا: واپس آ جاؤ، ساتھ ہی تھیلی نکالی اور اس کے ہاتھوں میں تھما دی، اس نے لی اور چل دیا۔ میں بیٹھا رہا۔ مجھ میں گھر تک چلنے کی بھی سکت نہ تھی۔

وہ شخص تھوڑی دیر ہی غائب رہا، پھر آن ٹپکا اور بولا: تو کس علاقے اور کن لوگوں سے تعلق رکھتا ہے؟ میں نے کہا: عرب کا ایک آدمی ہوں اور کوفے سے میرا تعلق ہے۔

کہا: ان میں سے کن سے ہے اور اختصار سے بتا؟ میں نے کہا: حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہوں، اس نے کہا: تیرا حال اور مال کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اس کی ساری دنیا میں صرف اسی چیز کا مالک ہوں، جسے تو دیکھ رہا ہے اور اپنے رنج و محن کا سارا قصہ سنا ڈالا، نیز جو تھیلی کے متعلق اس سے طمع کیا تھا اور ناتوانی و کمزوری کس درجہ پہنچ چکی تھی، اس کا حال بھی سنا دیا۔

اس نے کہا: تیرے مال اور نسب کی صحت کے متعلق کون بتا سکتا ہے، تاکہ میں تیرے جمیع امور کا نگران بن سکوں؟ میں نے کہا: کمزوری کے باعث میں تو چل نہیں سکتا، البتہ تو مطاف کے پاس جا اور کوفیوں کو آواز دے اور کہہ کہ ایک علوی آدمی جو تمھارے علاقے سے تعلق رکھتا ہے، باب ابراہیم پر ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کوئی آئے اور اس کا حال بتائے، سو جو آئے اسے لے آؤ۔

چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گیا، پھر آیا تو اس کے ہمراہ کوفیوں

کی ایک جماعت تھی، سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ سب میرے حال کو پہچانتے ہیں۔ وہ کہنے لگے: اے شریف آدمی! کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ آدمی میرا حال اور نسب معلوم کرنا چاہتا ہے، میرے اور اس کے درمیان کوئی معاملہ ہے، تم جو کچھ جانتے، ہو اسے بتا دو۔ انھوں نے کہا: اس کو میرے نسب کی صحت اور مفلسی سب کچھ بتا دو۔

وہ آدمی چلا گیا اور واپس آیا تو بعینہٖ وہی تھیلا تھا، جس طرح میں نے اسے دیا تھا۔ وہ بولا: یہ ساری کی ساری رقم لے لو، اللہ تیرے لیے برکت ڈالے۔ میں نے کہا: اے شخص! جو کچھ تو نے کیا ہے وہ کافی نہیں ہے اور اب تو استہزا بھی کر رہا ہے، جب کہ میں جان کنی کے عالم میں ہوں؟ اس نے کہا: معاذ اللہ! یہ تیری ہی ہے، اللہ کی قسم!

میں نے کہا: پھر ایک دینار کا بخل کیوں کیا اور اب ساری کی ساری دے رہے ہو؟ کہا: تھیلی میری نہیں ہے، میرے لیے جائز نہ تھا کہ تجھے کچھ بھی دیتا، کم یا زیادہ، یہ مجھے میرے علاقے کے ایک شخص نے دی تھی اور کہا تھا کہ میں عراق یا حجاز میں کسی علوی شخص کو تلاش کروں، جو حسینی ہو، فقیر اور سفید پوش ہو۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں یہ مال ایسے شخص کے سپرد کر دوں گا، یہ صفات تجھ سے پہلے کسی شخص میں مجتمع نہیں ہوئیں، جب تجھ میں اکٹھی ہوگئیں اور ساتھ ہی تیری امانت کا مشاہدہ بھی کر لیا اور تیرے فقر، عفت اور صبر کو بھی جانچ لیا اور تیرا نسب بھی میرے نزدیک درست ٹھہرا تو تجھے آواز دے دی۔

میں نے کہا: اللہ تجھ پر رحم کرے، اگر تو پورا اجر چاہتا ہے تو ایک دینار لے اور میرے کھانے کے لیے کچھ خرید کر لا اور ابھی میرے پاس لے آ۔ اس

نے کہا: مجھے تیری طرف ایک حاجت ہے۔ میں نے کہا: بولو!

کہا: میں ایک مرفہ الحال آدمی ہوں، جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے، اس میں میرا کچھ حق نہیں ہے، جیسا کہ میں نے تجھے بتا دیا ہے، میری گزارش ہے کہ میرے ساتھ میرے گھر چلو، کوفے تک تم میری مہمانی میں رہو گے اور تمھارے دینار بھی پورے کے پورے رہیں گے۔

میں نے کہا: مجھے ذرہ حرکت کی تاب نہیں، جیسے ہوسکتا ہے مجھے اٹھا لے جاؤ۔

وہ ایک ساعت غائب ہوا اور سواری لے آیا اور مجھے اپنے گھر لے گیا، فوراً جو تھا مجھے کھلا دیا، اگلے دن مجھے لباس دیا اور بہ نفسِ نفیس میری خدمت مدارات کرتا رہا، پھر کوفے میں اپنے محلے میں لے آیا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو اس نے مزید دینار دیے اور بولا: انھیں زادِ راہ بنا لے، یہ تھوڑی سی پونجی ہے، پھر میں اس سے جدا ہوا اور دعا کرنے لگا اور شکریہ ادا کیا اور ابھی تک تھیلی کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

میں میانہ روی سے دینار خرچ کرنے لگا، یہاں تک کہ ایک سستی زمین ملی، جو میں نے اس تھیلی کی رقم سے خرید لی، اس سے غلہ حاصل ہوا اور پھل اور میوے بھی ملے۔ اب میں اللہ عزوجل کی عظیم نعمتوں میں ہوں اور میں نے خیرِ کثیر پا لی ہے، والحمد للہ علی ذلك.[1]

راستے میں موت

یہ معلوم ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی چیز میں سعادت سمجھتا ہے۔ کچھ مال

---

[1] مختصر الفرج بعد الشدة للإمام التنوخي (ص: ۳۰۰-۳۰۳)

اکٹھا کرنے میں خوش بختی جانتے ہیں، کوئی اعلیٰ ڈگریاں اور بڑے عہدوں کے حصول میں، کوئی بے حیائی اور فحاشی میں، کچھ شراب نوشی اور منشیات کے بے دریغ استعمال میں، اس کے باوجود سعادت نہیں پاتے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى﴾ [طٰهٰ: ١٢٤-١٢٧]

"اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بلاشبہ اس کے لیے گزران تنگ ہوگی اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا تھا۔ ارشاد ہوگا: اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تُو نے وہ بھلادیں اور اسی طرح آج تو بھی بھلادیا جائے گا اور جو حد سے بڑھ گیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے اور یقیناً آخرت کا عذاب شدید تر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔"

چنانچہ حقیقی سعادت ایمان اور توحید کے سائے میں ہوتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً

طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

[النحل: ۹۷]

”جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بخشیں گے اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر و ثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے، جو وہ کیا کرتے تھے۔“

اس سعادت کی تلاش نے تین نوجوانوں کو آمادہ کیا کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں جدے سے مدینے آئیں، لیکن تو کیا سمجھتا ہے وہ اس لیے چلے تھے کہ مسجد نبوی میں لیلۃ القدر تلاش کریں، قرآن پڑھیں اور قیام اللیل کریں؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ کسی ہوٹل میں موسیقی اور گانے کی محفل برپا کرنے گئے تھے۔ فجر سے تھوڑی دیر سے پہلے جب یہ محفل اختتام پذیر ہوئی تو انھوں نے موذن کی آواز سنی، جو رمضان کے ایک اور دن کے آغاز کی خبر دے رہا تھا، لوگ رک گئے، لیکن یہ تین نہ رکے اور پورا رمضان، جیسا کہ ان کی عادت تھی روزہ نہ رکھا، جب جدے کی طرف نکلنے لگے تو ایک نے مذاق کرتے ہوئے کہا: مدینے کو چھوڑنے سے پہلے نماز فجر پڑھ لیں؟ وہ بولے: نہیں، ہرگز نہیں پڑھیں گے۔

گاڑی انھیں لے کر چلنے لگی اور یہ مساکین نہیں جانتے تھے کہ ملک الموت ان کے انتظار میں ہے۔ گاڑی الٹ گئی اور ایک خوفناک حادثہ پیش آیا، اس کے بعد کہ جب وہ موسیقی کی محفل سے آ رہے تھے، نماز پڑھی نہ روزہ رکھا تھا، بلکہ بہ آواز بلند کہا تھا: ہم ہرگز نماز نہیں پڑھیں گے۔ دو تو موقعے پر مارے گئے اور ایک بچ گیا۔ یہ اللہ عزوجل کا فضل تھا اور یہی حادثہ اس کی توبہ کا باعث بن گیا۔

میں اللہ جل وعلا سے دعا گو ہوں کہ وہ اس نوجوان اور مسلمانوں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی توبہ قبول فرمائے۔

وہ گر کر مر گیا جب وہ گانا گا رہا تھا

ایک کہتا ہے: آج رات میں ایک شادی کی تقریب میں تھا۔ وہ ایک بند ہال تھا جس میں نیم عریاں مرد وزن کا اختلاط تھا۔ محفل شروع ہوئی اور ایک گلوکار اسٹیج کے ڈائس پر آ گیا اور گانا شروع کر دیا، اس کے بعد کہ جب وہ گانے کا فقرہ مکمل کر چکا تو اچانک حاضرین میں سے ایک، جو گلوکار ہی تھا، لوگ اسے بھی کہنے لگے کہ وہ کھڑا ہو اور گانا سنائے، اس نے کہا: میں نے گانا چھوڑ دیا ہوا ہے، انھوں نے قسم ڈال دی کہ کھڑا ہو اور ضرور گا، چنانچہ وہ اٹھا، باجا پکڑا، اسٹیج پر چڑھا اور گانا شروع کر دیا اور لوگ تالیاں بجانے لگے، جب ایک گانا پورا کر چکا تو لوگوں نے دوسرے گانے کی فرمایش کر دی اور وہ گانے لگا، اچانک اس نے باجا چھوڑ دیا اور وہ اس کے سامنے گر گیا، پھر خود بھی اسٹیج کے اوپر گر گیا۔ لوگ گھبرا گئے، اسٹیج پر چڑھنے اور اسے ہلانے لگے، لیکن انھوں نے دیکھا کہ مر چکا ہے!!

وہ منشیات کے سبب اپنے بچے کو ذبح کر دیتا ہے

وہ منشیات نوشی کرتا تھا، یہاں تک کہ اس کا خوگر ہو گیا۔ یہ سب اس کے برے دوستوں کی وجہ سے تھا۔ روز وہ اپنی بیوی کے پاس آتا تو اسے برا بھلا کہتا، گالی دیتا اور زدوکوب کیا کرتا۔ ایک دن جب شراب نوشی کے بعد اپنے گھر پہنچا تو بیوی کو دیکھا کہ وہ اس کے شیر خوار بچے کو دودھ پلا رہی ہے، جب بچہ رویا

تو خاوند نے کہا: اسے خاموش کروا! ماں نے بچے کو خاموش کروانے کی کوشش کی، لیکن وہ چپ نہ ہوا۔

اب اس کا شرابی شوہر کہنے لگا: اگر تو نے بچے کو خاموش نہ کروایا تو میں ابھی اسے قتل کر دوں گا، چنانچہ اس نے پہلے سے بھرپور کوشش کی، لیکن بچہ چپ نہ ہوا۔ اچانک خاوند اٹھا اور بچے کو جو اس کے پستان پر تھا، جھپٹ لیتا ہے اور باورچی خانے کی طرف لپکتا ہے تاکہ چھری پکڑے۔ بیوی چلائی اور پڑوسیوں کو آواز دی: بچاؤ! وہ بچے کو قتل کرنے والا ہے، بچاؤ! وہ بچے کو قتل کرنا ہی چاہتا ہے۔ لوگ بھاگے آئے، لیکن وہ تب داخل ہوئے جب شرابی خاوند اپنے شیر خوار بچے کی گردن اتار چکا تھا اور پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔

اب وہ باقی ماندہ زندگی جیلوں کی سلاخوں کے درمیان گزار رہا ہے، یہ سب کچھ منشیات کے استعمال سے ہوا۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.

ہم برے خاتمے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں

ایک بڑی عمارت میں لوگ جیسا کہ ان کی مصالح اور حاجات تھیں، آتے جاتے تھے، لیکن ایک دن کسی نے منزل سے بدبو سونگھی، لیکن پتا نہ چلا کہ کہاں سے آرہی ہے۔ بدبو دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ عمارت کے رہائشیوں نے طے کیا کہ بدبو کے پھوٹنے کی جگہ کا پتا لگائیں گے۔ جب دیکھا تو وہ ایک فلیٹ سے آرہی تھی، انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، انھوں نے پولیس کو فون کیا تو پولیس کی گاڑی آ گئی، سپاہی اوپر چڑھے، دستک دی، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، اس پر انھوں نے دروازہ توڑ

دیا، تو ایسا حادثہ جو عقلیں گم کر دے۔

انھوں نے ایک بڑی عمر کا آدمی پایا، جس کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ وہ مر چکا تھا، پیٹ پھولا ہوا تھا اور ٹانگیں کھڑی تھیں، وہ عریاں تھا، جیسے اس کو اس کی ماں نے جنا تھا، اصل حادثہ یہ نہیں، حادثہ یہ تھا کہ وہ آدمی ہاتھ میں ڈش کا ریموٹ پکڑے ہوئے تھا اور اس نے ڈش اور ٹیلی ویژن کو ایک رسوا کن جنسی سائٹ پر کھولا ہوا تھا، تا کہ عریاں مناظر دیکھ سکے، اسے معلوم نہ تھا کہ ملک الموت اس کے انتظار میں ہے، اس دوران جب کہ وہ اس حالت میں تھا، ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ ڈش اسی سائٹ پر کھلی ہوئی تھی۔

اے لوگو! جو حیا سوز فلموں کے چنگل میں پھنسے ہو، کیوں تم ڈرتے نہیں کہ تمھارا خاتمہ بھی ایسا ہی کر دیا جائے گا اور ملک الموت اس حالت میں تمھاری روحیں قبض کر لے؟!!

سنو آؤ! ہم سب اللہ کی طرف رجوع کریں اور اللہ جل و علا کی معصیت سے دور رہنے کی بھرپور کوشش کریں۔

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچا لو

اعمال نامی ارب پتی آدمی ایک بڑے ہوٹل کے ہائی فلور پر، جو جزائر کے بحرِ متوسط کے کنارے پر واقع ہے، بیٹھا تھا اور اپنی زندگی کے متعلق سوچ رہا تھا، اس نے اپنی ساری زندگی مال کمانے، تجارت کرنے اور انجانے عالم کی گردشوں میں کاٹ دی تھی، یہاں تک کہ ارب پتی بن گیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اپنی عمر کی جو راتیں اس نے دنیا کے ہوٹلوں میں گزار دی تھیں وہ ان

راتوں سے کہیں زیادہ تھیں جو اپنے گھر میں بسر کی تھیں، وہ اپنے کنبے کو یاد کر رہا تھا، اپنی خوب رو چھوٹی بیوی کو اور اپنے اس بیٹے کو، جو عن قریب اس کا چارج سنبھال لے گا اور اس کی کمپنی اور دیگر امور کی نگرانی کرے گا۔

اعمال نامی شخص یاد کرنے لگا کہ اس کا بیٹا تعلیم کے کون سے سال میں ہے؟ لیکن جان نہ سکا، اسے بس اتنا علم تھا کہ وہ انجینئرنگ کالج میں ہے، اس خواب کے دوران میں اس کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ قاہرہ سے کال آرہی تھی اور اندازے سے ہٹ کر بات کرنے والا اس کا سگا بھائی تھا۔

اس نے کہا: فوراً آ جاؤ، تمھاری بیوی نزع کے عالم میں ہے۔ ارب پتی شخص نے کہا: اسے ابھی ہوائی جہاز کے ذریعے یورپ لے جاؤ، میں اس کی زندگی چاہتا ہوں۔

اعمال آج پہلی مرتبہ رویا تھا، ایک لمحے میں اس کی آرزوئیں ختم ہو کر رہ گئیں، لیکن وہ بیوی کی زندگی کے لیے سارا سرمایہ لگانے کو تیار رہے۔

قاہرہ کے ائیر پورٹ پر اس کا بڑا بھائی اس کے انتظار میں ہے، اس نے کئی سالوں سے اس سے ملاقات نہ کی۔ مصروف ہی رہا، یہاں تک کہ اپنے اکلوتے سگے بھائی کی زیارت سے بھی، جب اس نے سلام کہا تو وہ بولا: خود پہ قابو رکھنا، وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئی ہے اور وہ رو پڑا۔ دیر تک اشک بہائے، آنسوؤں کے درمیان ہی اپنے بھائی سے پوچھا: کیسے فوت ہوئی اور کہاں ہے؟

اس نے کہا: پوسٹ مارٹم روم میں۔ خاوند نے کہا: پوسٹ مارٹم روم میں؟!!

کہا: ہاں اور جنازہ کل ہے، اس لیے موخر کیا، تا کہ تم اسے الوداع کرنے والوں

میں شامل ہوسکو۔ اعمال نے کہا: میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ ماں کے غم کی شدت سے یہاں پہنچ نہیں پایا اور اس نے خوفناک آدمی کی طرح چپ سادھ لی۔

اعمال کے سامنے اپنی اہلیہ کے ساتھ بیتے ہوئے یادگار ایام کی کیسٹ چلنے لگی اور وہ ماضی کے لمحات میں کھو گیا۔ وہ اس کے ساتھ نسیم صبح کے جھونکے کی طرح تھی، اس کا بھائی گاڑی کو اعمال کے گھر کے راستے کے بجائے دوسری طرف لے گیا، وہ بولا: کہاں؟ بھائی نے کہا: پہلے میرے گھر کی طرف، کہا: کیوں؟ کیا تم کچھ چھپا رہے ہو؟ بھائی نے کہا: نہیں، البتہ میں تجھ سے امید کرتا ہوں کہ تم مجھ سے اختلاف نہیں کرو گے اور ساتھ ہی بھائی رو پڑا۔ دونوں بھائی صالون کے کمرے میں داخل ہوگئے او دروازہ بند کر دیا گیا۔ اعمال نے کہا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہاں موت سے بھی کوئی بڑا سانحہ پیش آیا ہے۔ بھائی نے کہا: حادثہ بہت دل گیر ہے، اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔

مجھے پولیس آفیسر نے فون کیا اور مجھ سے فوراً موقع پر حاضر ہونے کا مطالبہ کیا، میں گیا تو تیرے بیٹے کو میں نے اس حال میں پایا کہ کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور لباس پر خون کے دھبے تھے، حواس باختگی کے عالم میں وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے، قریب تھا کہ میرا دل رک جاتا، میں نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟ تیرے بیٹے نے میری طرف دیکھا اور میرے سینے پر گر گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میں نے پولیس والے سے پوچھا تو اس نے ایک جملہ کہا کہ میں گم گشتہ ہو کر زمین پر آ گرا۔ وہ بولا اور میں سمجھ گیا کہ دائمی شرابی نے اپنی ماں کا خون کر دیا۔ اعمال نے چیخ ماری اور اپنے بھائی کی بات غور سے سننے لگا اور ایسے کلمات کہے جو ٹوٹے دل سے نکل رہے تھے: آہ! یقیناً میری زندگی ختم ہوگئی۔

باپ نے لگاتار سانحہ سننا شروع کر دیا، اس کے اکلوتے بیٹے نے باورچی خانے والی چھری کے ساتھ اپنی ماں پر وار کیے، یہاں تک کہ وہ چل بسی، پھر وہ پولیس کے پاس چلا گیا اور فقط دو جملے کہے: میں فلاں بن فلاں ہوں، میں نے اس چھری سے اپنی ماں کا خون کیا ہے، اس کے بعد کلام کرنے سے انکار کر دیا اور کسی سوال کا جوب دینے سے منکر ہو گیا، انھوں نے تلاشی لی تو ہیروئین کا نسخہ برآمد ہوا، عدالت نے میت کے پوسٹ مارٹم کا حکم دے دیا، پھر اس کی تدفین کی، یہی حادثہ پیش آیا۔

اعمال نے کہا: اس نے قتل کیوں کیا؟ بھائی نے کہا: ابھی تک کوئی نہیں جانتا۔ جنازے کی رسوم پوری ہو گئیں اور آدمی نے اپنی اہلیہ کو قبر تک الوداع کہا۔ اس دوران میں اخبارات، پولیس اور عدالت سب اس جرم پر آمادہ کرنے والے سبب کو جاننے سے ہار گئے، البتہ ایک اخبار نے رسائی کی اور کہا: یہ نوجوان بات کرنے سے انکار کرتا ہے، بلاشبہہ سبب وہ ہیروئین ہے، جیسا کہ اس کی کچھ مقدار اس سے برآمد بھی ہوئی ہے۔ وہ مال کا ضرورت مند تھا، اپنی مرفہ الحال ماں سے مانگا تو اس نے انکار کر دیا تو اس نے چھری سے ڈرایا، لیکن وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی، کیونکہ ماں تھی کہ اس کا بیٹا اس پر چھری اٹھائے گا، وہ انکار پر ڈٹی رہی، اس نے تہدید اور ڈانٹ کو عملی شکل دے دی اور اپنی ماں کو قتل کر دیا۔ جب اس نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کیا تو حادثاتی ہول ناکی سے اب کچھ ہوش میں تھا، اب ندامت کا احساس ہوا اور پھانسی کے انتظار میں چپ ہی ہو گیا۔ اس حادثے نے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا اور نوجوان کی خاموشی کے سامنے کئی ایک تفصیلات بنتی چلی گئیں۔ یہ نوجوان انجینئرنگ کالج

سے فارغ کر دیا گیا، جب کہ وہ ہیروئن کا اسیر بن چکا تھا۔

ارب پتی باپ نے صبح اپنے بیٹے کی طرف جانے سے قبل یہ تحریر پڑھی اور اپنے آپ سے سوال کیا: اے اعمال! تو کہاں تھا؟ تیرا بیٹا کالج سے نکال دیا گیا اور تو نہیں جانتا؟ تیرا بیٹا ہیروئن کا عادی بن گیا اور تجھے کچھ علم نہیں؟ کاش! یہ سب مال جو میں نے اکٹھا کیا، ضائع ہو جائے اور میرا کنبہ واپس لوٹ آئے، پھر وہ آدمی اپنے بیٹے کی طرف چل دیا۔ یہ باپ بیٹے کی ایک موثر ملاقات تھی، اس کے بعد کہ پہرے دار نے دروازہ بند کر دیا اور خاموشی چھا گئی تھی، اسے بیٹے نے کاٹا جب کہ اپنے باپ کے سینے پر گر گیا اور کہنے لگا: میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اور بھی شدت سے سینے کے ساتھ چپکا لیں، میں اس کا محتاج ہوں، اس سے محروم ہوں، زندگی کتنی سخت ہے، افسوس کہ میرے حواس گم ہو گئے تھے، ہوش تب آیا جب میری ماں کے خون کا پہلا فوارہ نکل چکا تھا، قطعاً وہ اس کی مستحق نہ تھی، مجھے چھوڑیے کہ میں آپ کے سینے پر رونا چاہتا ہوں، میں نے کبھی آنسو پہچانے نہ تھے، اعمال نہیں جانتا تھا کہ کیا کہے؟ کیا وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ہم دردی کرے کہ جس نے اس کی شریکۂ حیات کو قتل کر دیا ہے؟ اس موقف نے اس کے خیالات میں خلل واقع کر دیا، بلکہ ان جذبات میں زلزلہ برپا کر دیا۔

نوجوان اپنے باپ کو بیان کرنے لگا:

میں نے ہیروئن کو تسلی اور تسکین کے لیے پیا تھا، لیکن اس نے میری ہر چیز فنا کر دی، بلند نظری، اخلاق، مجھے اور میرے دائمی شرابی دوستوں کو جرم کی طرف دھکیل دیا۔ ہم نے چوریاں کیں، میں نے اپنی ماں کی کتنی چوریاں کیں اور کتنی بار اس نے خادمہ پر تہمت لگائی؟ یہاں تک کہ اسے پتا چل گیا کہ میں ہی

ہیروئن استعمال کرتا ہوں، اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں باز نہ آیا تو عن قریب وہ آپ کو بتا دے گی۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ رک جاؤں گا، لیکن میرے تمام تصرفات مجھے رسوا کر دیتے اور ہیروئن خریدنے کی میری ضرورت بڑھتی چلی گئی۔ ماں نے کہا کہ میں کسی علاج کے لیے علاج گاہ میں داخل ہو جاؤں، لیکن میں نے انکار کر دیا۔ بڑی ندامت سے بولا:

یہاں تک کہ جرم والا دن آ گیا۔ ہیروئن خریدنے کے لیے مجھے مال کی اشد ضرورت تھی، میں نے ایک ہزار پاؤنڈ مانگا اور بہانہ کیا کہ میری گاڑی دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی ہے، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اچانک ہیروئن کی شدید طلب نے میرے سر میں جنونی سوچ کو دھکیل دیا، میں نے اسے دھمکی دے دی کہ اگر اس نے مجھے ایک ہزار پاؤنڈ نہیں دیے تو میں تجھے خبر دے دوں گا کہ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ تعلقات استوار کیے ہوئے ہے۔

اس پر اس نے مجھے تھپڑ رسید کیا اور میرے چہرے پر تھوک دیا۔ اچانک جنونی اور جھوٹی سوچ ایک واقعاتی صورت کے مشابہ میرے سامنے اس طرح آ گئی کہ گویا میری ماں حقیقی طور پر کسی غیر مرد کے ساتھ ہے۔ ہیروئن نے اس طرح وہم کو حقیقت بنا دیا اور میرے سامنے معاملات سنجیدہ ہو گئے اور میں نے تصور کیا کہ جو کچھ کہ عاشق معشوقہ کے درمیان ہوا کرتا ہے اور معشوقہ میری ماں تھی، اس مرتبہ واجب تھا کہ وہ مر جاتی، میں جلدی سے باورچی خانے گیا اور چھری لے آیا اور اس خائن عورت سے ایک ہزار پاؤنڈ مانگے تو اس نے انکار کر دیا، نتیجتاً یہ بھیانک حادثہ رونما ہوا، اپنے وجود کے اعتبار سے سب سے معزز عورت مر گئی۔

نوجوان نے اپنے قصے کو ختم نہ کیا تھا کہ باپ بغیر کلام کیے اور الوداع

کہے کمرے سے نکل گیا۔ بیٹے نے باپ کو پکارا، لیکن باپ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک بار پکارا... پھر... پھر... وہ یہ کہہ رہا تھا، تو ہی سبب ہے، تو ہی وجہ ہے اور دائمی نشے کا انکار کر رہا تھا، یقیناً اس کا باپ ہی سبب ہے، اس نے اسے ان تمام کاموں کے درپے کیا، نگرانی نہ کرنے کے سبب، نوجوان کو عدالتوں کے سپرد نہ کیا گیا، وہ اپنی باقی ماندہ عقل بھی کھو بیٹھا تھا، اس کو ذہنی معذوروں کے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، وہ ہر سامنے آنے والے کو یہی کہتا: تو ہی سبب ہے اور میری ماں تو دنیا کی سب سے معزز عورت تھی، میری ماں دنیا کی سب سے معزز عورت تھی۔

اسی محلے میں ایک مسجد ہے، جب تو اس میں نماز ادا کرنے کے لیے داخل ہو گا تو اندر جاتے ہی اچانک ایک سفید چادر میں لپٹے ہوئے آدمی سے ملے گا جو اپنے سامنے اللہ کی کتاب کو رکھ کر پڑھ رہا ہو گا۔ جب وہ تلاوت ختم کرے گا تو ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لے گا: الٰہی! مجھے بخش دے، درگزر فرما، یا رب العالمین! یہ آدمی وہی اعمال ہے، اس نے منشیات کی روک تھام اور انسدادِ منشیات کے لیے اپنی کل پونجی صدقہ کر دی ہے اور اللہ کے گھر میں ایک جگہ اختیار کر لی ہے، تا کہ وہ اس پر رحم کرے۔

جب تو اس کے پہلو میں نماز ادا کرے گا تو وہ تیرے ساتھ پرتپاک مصافحہ کرے گا اور بڑے لطف و کرم سے تجھ سے تھوڑا سا ٹائم لے گا، پھر پوری بسط و تفصیل سے یہ قصہ بیان کرے گا اور زار و قطار روئے گا اور ساتھ ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہو گا، پھر تجھ پر ایک حیران کن سوال پھینکے گا: اس سب کا ذمے دار کون ہے؟ کون ہے؟ کون ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [التحريم: ٦]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جنھیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔''

اور جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ))

''اللہ کے دین کا لحاظ رکھ، اللہ تیری حفاظت کرے گا۔''

حرام عشق کا بدترین انجام

عادل تلون مزاجی اور آوارگی کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک اوباش نوجوان تھا۔ اس کی سوچ وفکر کا محور بس اپنی لذت رانیوں اور شہوتوں کا کھیل کھیلنا تھا۔ ٹیلی فون کے راستے سے اسے ایک قیمتی شکار ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ یونیورسٹی کی طالبہ رباب تھی، جو اس کے نرم گفتار اور میٹھے کلمات کے آگے مطیع ہو گئی تھی، رباب اس کی محبت پر یقین کر بیٹھی تھی اور اس کے دل میں چھپے رذیل گھٹیا ارادوں سے واقف نہ تھی۔ وہ اس کی خوب صورت عبارتوں کی مطیع ہو گئی تھی، جس میں اسے شادی کے آشیانے کی آرزوئیں دلاتا۔ وہ متعدد بار ایک دوسرے کو ملے، وہ اپنی عیاری اور خباثت کے باعث وقتاً فوقتاً اسے اپنے

ساتھ گاڑی میں سوار کر لیتا، یہاں تک کہ وہ اس پر مطمئن ہو گئی۔

کچھ عرصے بعد اسے دعوت دی کہ وہ گھر دیکھے جو شادی کے بعد اس کے لیے تیار کر رکھا ہے، اسے کالج سے صبح کے وقت لے گیا کہ دوپہر کے وقت واپس چھوڑ جائے گا۔ دونوں عاشق فلیٹ کی جائے قیام تک پہنچ گئے۔ رباب قریب قریب قدم اٹھاتی اس کی طرف چڑھ رہی تھی، گویا کوئی دنبی ہو، جسے قصاب ابدی نیند سلانے کے لیے جا رہا ہو، پھر وہ بیٹھ گئے اور محبت کے کلمات کا تبادلہ کرنے لگے۔ رباب ایمان کے چشمے سے سیراب نہیں تھی، بلکہ ایمان سے خالی تھی اور اس کا جمال اس پر نحوست تھا، اس کے بعد گناہ کے پنجوں نے اس کے چہرے سے حیا کو پھاڑ دیا اور وہ دونوں زنا کی بے حیائی میں واقع ہو گئے۔

جب عادل کے گناہ گار محبت کی کھیتی کو کاٹنے کے بعد چند منٹ گزر گئے تو اپنی دوست سے کہنے لگا: میں ابھی ایک ضروری کام کے لیے جانے لگا ہوں اور جلد واپس آؤں گا، تم پریشان مت ہونا۔ رباب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی: دیر نہ کرنا، میں دوپہر کے وقت سے پہلے اپنے والد کے آنے سے قبل کالج واپس جانا چاہتی ہوں، پھر وہاں وہ واقعہ رونما ہوا جس کی عادل کو توقع نہ تھی کہ جب وہ اپنی گاڑی پر سوار ہوا اور سبک رفتاری سے چلا تو راستے میں کسی ڈرائیور کی گاڑی سے ٹکرا گئی، ٹریفک پولیس آ گئی اور ایک عادل کو مخاطب ہو کر بولا: یہ پاگلانہ تیزی کیسی ہے؟ پھر اسے جیل بھیجنے کا حکم دیا، تا کہ اس معاملے میں غور وخوض کیا جائے۔

ادھر رباب نے عادل کا بہت زیادہ انتظار کیا اور اپنے معاملے میں بڑی حیران ہو گئی، بہ طورِ خاص کہ اس کا والد ابھی اسے کالج کے سامنے سے ریسیو کرنے والا تھا، تا کہ اپنے ساتھ واپس لے جائے۔ اب کیا حل ہے؟ اس کے

پاس اس فلیٹ کی چابی نہیں تھی۔ اگر اس کے باپ کو پتا چل گیا تو وہ کیا کرے گی؟ بلاشبہہ وہ غیرت میں آ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

وہ فلیٹ کے کونوں کھدروں میں چکر کاٹنے لگی کہ کوئی راستے میں مل جائے، اس کے بغیر کوئی راہ نہ تھی کہ اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور کڑوے آنسو پیے۔ رہا عادل تو اس نے ٹریفک پولیس سے چند لمحوں کے لیے فون کرنے کی اجازت لی، تا کہ اپنے جگری یار حامد کو فون کر سکے، جسے اس نے وہ کچھ بتا دیا جو اس کی معشوقہ کے ساتھ کر چکا تھا اور کہا کہ وہ جلدی اسے لے جائے، تا کہ وہ بچ سکے، نیز اس کے باپ کو پتا چلنے سے پہلے اسے کالج پہنچا دے، وگرنہ بڑی رسوا کن مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ لڑکی حامد ہی کی بہن ہے!!!

حامد کے پاس اس فلیٹ کی چابی تھی، کیوں کہ وہ وہاں لہو ولعب اور فسق و فجور میں عادل کا ہم نوا ہوا کرتا تھا۔ حامد نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا، پھر دروازہ کھول دیا اور رباب نے اپنے آنسوؤں کے پیچھے اپنے بڑے بھائی حامد کو دیکھا، جو اس کے سامنے کھڑا تھا، اپنے بھائی کی گھورنے والی آنکھ، جو اس باختگی اور چیخ پر اس کی نظر پتھرا گئی اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی: اے بے حیا، بدکارہ تو نے ہمارے شرف وعزت کے ساتھ کیا کیا؟ پھر بالوں سے اسے کھینچا اور زور سے پھینکا۔ وہ سر کی ہڈیوں کے بل گری اور کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، بڑے واسطے وسیلے ڈالنے لگی اور آنسو اس کے چہرے کو تر کر رہے تھے، وہ کہہ رہی تھی: رحمت، معذرت، اے حامد! میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گی! اس جیسا کام نہیں کروں گی، اس نے جواب دیا اور اس

کے سر سے خون ٹپک رہا تھا، بے شک تیری موت ہمارے لیے بہتر ہے، اے فاجر! تو نے اپنی حرکت سے ہماری پیشانیوں کو ذلیل کر دیا، پھر اس نے چھری اٹھائی اور اس کے سینے میں پے در پے کئی وار کر دیے۔ وہ میلی محبت کو کچلنے لگا اور وہ ایسے چلا رہی تھی کہ جگر پاش پاش ہو جائے، یہاں تک خون سے لت پت بے جان وجود زمین پر جا گرا۔

یہ حرام عشق کا بدترین انجام تھا!!

یقیناً یہ ایک الم ناک واقعہ ہے

یہ ایک درد ناک قصہ ہے، جسے ہم آپ کے لیے بیان کر رہے ہیں، تاکہ غافل بیدار ہو اور عاصی نصیحت پکڑے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرفہ الحال نوجوان جو ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اللہ نے جن کے لیے پردہ پوشی، عمدہ بابرکت رزق لکھا تھا، وہ کہتا ہے: جب سے ہم نے ہوش سنبھالا، سعادت اور محبت سے بھرا ایک گھر ہمیں اکٹھا کرتا تھا۔ میری ایک بہن تھی جو مجھ سے ایک سال بڑی تھی، اس کا نام سارہ تھا۔ اپنے والد کے بعد میں ہی گھر کا دوسرا نگہبان تھا اور سارے مجھ پر بھروسا کیا کرتے تھے۔ میں نے تعلیم جاری رکھی، یہاں تک کہ سیکنڈ ائیر میں چلا گیا اور میری بہن تھرڈ ائیر میں پہنچ گئی۔ میرے باقی بھائی بھی ہمارے ہی راستے اور ڈگر پر چل رہے تھے، میری خواہش تھی کہ انجینئر بنوں گا۔ میری ماں اختلاف کرتی اور کہتی کہ پائلٹ بنو گے۔ میرا باپ میری حمایت میں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں جس شعبے میں چاہوں، اسپیشلا ئزیشن کروں، جب کہ میری بہن سارہ چاہتی تھی کہ وہ دین اور ادب کی ٹیچر بنے، لیکن افسوس ان خوابوں اور آرزوؤں کے لیے، کتنے ہی

اشخاص ہیں کہ ان کی زندگی خوابوں کے شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے ہی تمام ہو جاتی ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں کہ احوال وظروف کے پیشِ نظر اپنے خواب پورے نہیں کر سکتے اور کتنے ہی ایسے افراد ہیں جو اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دے سکتے ہیں، لیکن وہ ہماری طرح ہوتے ہیں۔ ہم جیسا کوئی نہ ہو۔ ہمارے خواب ایسے بکھرے کہ اسے سچا نہیں کہا جا سکتا، نہ کوئی عقل مند اور نہ کوئی پاگل اس کا تصور کرسکتا ہے، نہ کسی بشر کے دل پر کھٹک سکتا ہے۔

سکول میں میرا تعارف کچھ ایسے دوستوں سے ہوا، جو شہد کی طرح تھے، ان کی بات شہد کی مانند تھی، ان کے معاملات شہد کی مانند تھے، بلکہ اس سے بھی شیریں، میں اپنے گھر والوں سے چھپ کر کئی بار ان کی رفاقت میں گیا۔ میری تعلیم جاری تھی، حالات درست تھے اور بہترین جا رہے تھے۔ میں پوری کوشش صرف کرتا کہ اپنی پڑھائی اور دوستوں کے درمیان روابط رکھوں۔ پہلے سمیسٹر میں مَیں ایسا کر سکا، پھر میں نے چھٹیاں شروع کر دیں۔ افسوس یہ چھٹیاں نہ ہوتیں اور اللہ ایسی تعطیلات نہ لوٹائے۔ وہ ایسے دن تھے کہ میرے باپ نے دیکھا کہ میرا گھر سے نکلنا زیادہ ہو گیا ہے اور میرا گھر کی طرف توجہ نہ دینا بڑھ گیا ہے، اس نے مجھے ملامت کی، میری ماں نے ڈانٹا، لیکن سارہ میرا دفاع کرنے لگی، کیوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور میرے سخت دل باپ کی مار سے ڈرتی جب وہ غضب ناک ہوتا اور مارتا تھا۔

بے کار شب و روز لگا تار گزرتے رہے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کا انجام کیا ہو گا تو میں خودکشی کر لیتا، بلکہ اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اور ایسے دن رات نہ گزارتا، لیکن اللہ کا ارادہ تھا، میں اور میرے ساتھی ایک بلڈنگ

کی کسی ملحقہ منزل پر تھے، اس نے ہمیں فلم بینی اور کھیلنے کے لیے بلایا تھا، ہم مغرب سے لے کر رات گیارہ بجے تک بیٹھے، ان دنوں میرے گھر آنے کا وقت وہی ہوتا تھا، لیکن گھر والے نے مجھ سے آدھا گھنٹا مزید بیٹھنے کی درخواست کی کہ پھر ہم سب گھروں کو چلے جائیں گے، کیا تم جانتے ہو کہ اس آدھے گھنٹے کی کیا قیمت تھی؟ وہ میری زندگی، میرے ماں باپ اور میرے سارے کنبے کی زندگی تھا، ہاں وہ سب کے سب اسی آدھے گھنٹے کی قیمت تھے ہماری زندگی کے لیے اور خوش بختی سے ابدی بدبختی میں منتقل ہونے کے لیے، بلکہ یہ آدھا گھنٹا ایسی گھڑی تھی جس نے میرے لیے شعلہ زن آگ میں داخل ہونے کے لیے بنیاد فراہم کی کہ جس میں کوئی محروم ہی داخل ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں قصے سے باہر نکل آیا ہوں۔

ساتھیوں میں سے ایک نے چائے کی کیتلی تیار کی، تاکہ وقت گزار سکیں، وہ چائے لایا اور ہم نے نوش کی۔ ہم باہم گفتگو کر رہے، ہنسی مذاق کر رہے اور باتیں بھی کر رہے تھے، لیکن پینے کے تھوڑی دیر بعد ہم گرنے لگے، قہقہے لگانے اور ہر رنگ کی قے کرنے لگے، ہم سب جی ہاں! ہم سب، ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہوا، یہاں تک کہ ہم سے ہر فرد بیدار ہوا، گھر والا اٹھ کھڑا ہوا اور جو ہم نے کیا اس پر ہمیں ملامت اور سرزنش کی، ہم اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ پتا نہ تھا کہ کیا ہوا ہے؟ کیوں اور کیسے ہوا؟ جس نے ہمارے لیے چائے تیار کی ہم نے اسے ڈانٹا تو وہ بولا: یہ ایک مذاق تھا۔ چنانچہ ہم نے کپڑے اور جگہ کو صاف کیا اور اپنے اپنے گھروں کی طرف نکل کھڑے ہوئے، میں چڑیوں کی چہچہانے کی آوازوں

کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا، سب لوگ سوئے ہوئے تھے، سوائے میری بہن سارہ کے، اس نے مجھے پکڑا اور اپنے کمرے کی طرف چل دی، مجھے نصیحت کی اور دھمکایا کہ یہ آخری بار ہے کہ میں گھر سے لیٹ ہوا ہوں، میں نے اس سے وعدہ کر لیا، لیکن مسکین جانتی نہ تھی کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے، کاش! وہ مجھے گنجایش نہ دیتی، کاش! وہ مجھے مارتی، بلکہ مجھے قتل کر دیتی اور مجھے معافی نہ دیتی۔

کچھ دنوں کے بعد ہم ایک دوست کے ہاں اکٹھے ہوئے تو وہی مذاق دوبارہ کہنے لگے، کیونکہ وہ ہمیں پسند آنے لگا تھا اور ہم اسی کے عاشق ہو گئے تھے، ہمارے دوست نے کہا: وہ قیمتاً آتا ہے، اکیلا آدمی نہیں لے سکتا، چنانچہ ہم مل کر وہ کیپسول خرید لائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کیا تھے؟ وہ منشیات تھیں، وہ نشہ آور چیزوں کا مذاق تھا اور ہمیں معلوم نہ تھا۔ ہمارے ایک نشے کے مذاق نے ہمیں ہلاکت کی طرف دھکیل دیا۔

ہم نے پلان بنایا کہ ہر دو ہفتوں بعد باری باری ایسا کیا کریں گے، البتہ کیپسول مل کر خریدا کریں گے۔ دن گزرتے گئے اور میں سکول میں بھی ناکام ہو گیا۔ میں ایسے ہو گیا کہ نشے اور اپنے ساتھیوں سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ سالانہ نتائج میرے سارے گھر والوں کو رسوا کرنے کے لیے آ گئے، لیکن اس بات کی آسانی ہوئی کہ سارہ کامیاب ہوئی اور ممتاز نمبروں میں پاس ہو گئی۔ سارہ تمام اخلاص کے ساتھ مبارک ہو! میں نے کہا، اس کے برعکس کہ جو غم مجھے لاحق ہو چکا تھا، میں نے اسے کہا اور یہ پہلی مرتبہ تھی اور ایسے آخری بار بھی میں نے پوری گہرائی اور بھرپور خوشی سے کہا: سارہ تمھاری اس کامیابی کے موقع پر تم کیا چاہتی ہو کہ میں تمھارے لیے خریدوں؟ تم جانتے ہو کہ اس نے کیا جواب دیا؟ گویا وہ

میرے اور میرے ساتھیوں کے ساتھ موجود ہوتی ہو، جیسے وہ ہمیں پہنچانتی ہو، بولی: میرے بھائی! میں تجھ سے صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنی ذات کے لیے ہوش میں آ جاؤ، اللہ کے بعد تم ہی میرا سہارا ہو۔

اس دن اس نے یہ محض چند کلمات کہے، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ میری باقی ماندہ زندگی میں سخت ترین نشانے ہوں گے۔ کاش! وہ یہ الفاظ نہ کہتی۔ کاش! میں اس سے نہ پوچھتا، اے سارہ! کون سی عزت اور اعتماد کی امید رکھتی ہو؟ کون سا بھروسا اور عزت چاہتی ہو! حسبي الله و نعم الوكيل!

سارہ معلمات کے مکتب میں داخل ہوگئی اور اس نے خوب محنت کی، جب کہ میں فیل در فیل ہوتا چلا گیا، اندھیروں سے مزید اندھیروں کی طرف، برائی سے اور زیادہ برائی کی طرف، لیکن میرے گھر والے نہیں جانتے تھے۔ ہم شوریدہ سری میں بہت دور نکل گئے، یہاں تک کہ نشے سے دو دن سے اوپر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے دوست، بلکہ مردود دشمن نے، بلکہ مردود شیطان نے کہا کہ یہاں ایسی بھی منشیات ہیں جو زیادہ جوش، مٹھاس اور لمبی مدت والی ہیں، چنانچہ ہم نے تلاش کیں اور ہمیں مل گئیں، اس کے لیے ہم نے زرِ کثیر لٹایا۔ یہ سب ہمارے باپوں کی جیبوں سے تھا، نامعلوم وہ اس ضیاع میں شریک ہیں یا نہیں؟ نیز ان پر کوئی بوجھ اور گناہ ہے یا نہیں؟

ایک مرتبہ جب کہ میں گھر لوٹا، سارہ نے میری حالت کو محسوس کیا اور میرے معاملے میں مشکوک ہوگئی اور مجھے سونے کے لیے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو میرے کمرے میں آ گئی، مجھے نصیحت کی اور دھمکی دی کہ اگر حقیقتِ حال سے آگاہ نہ کیا تو راز افشا کر دوں گی۔ اچانک ماں آ گئی اور ہماری بحث منقطع ہوگئی۔ کاش! وہ نہ آتی،

شاید میں اپنی بہن کے سامنے اعتراف کر لیتا اور میری مدد کرتی، پر ماں نے مجھے کسی کام پر بھیج دیا اور اب میں اپنی بہن سے بھاگنے اور ڈرنے لگا کہ جو معاملہ ایک سال سے زائد عرصے سے چھپائے ہوئے ہوں کہیں ظاہر نہ ہو جائے۔

میں ایک دوست کو ملا اور پھر دوسرے کے گھر چلے گئے، ہم نے گناہ میں حصہ لیا اور جو رونما ہوا میں نے ان کو بتایا،اس پر ہم نصیحت اور لوگوں کی باتوں سے ڈر گئے، ہم نے سوچا، بلکہ ہمارے شیطان نے سوچا اور ایک نے مجھے کہا: میرے پاس حل ہے، تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟ اس نے کہا: ہم اسے بھی اپنی صف میں شامل کر لیتے ہیں، (اللہ اسے قیامت کے دن فرعون اور ہامان کی صف میں شامل کرے) ہم اسے بھی کیپسول دے دیتے ہیں، پھر وہ ہمارے ہاتھوں میں ہوگی اور کبھی ہمیں رسوا نہ کر سکے گی۔ میں نے انکار کر دیا کہ وہ بڑی پاک دامنہ، شریف اور پیاری سارہ ہے، وہ میری بہن ہے، لیکن انھوں نے مجھے وسوسہ ڈالا اور کہا: اسے کچھ نقصان نہیں ہو گا، تم اس کے لیے فقط اپنے گھر میں لے جانا اور وہ عزت و اکرام والی ہی رہے گی۔ تمھیں معلوم ہے کہ اس کی تاثیر کیا ہے؟ چنانچہ نشے کے زیرِ اثر اور ان شیاطین اور میرے شیطان کے بہکاوے سے میں نے موافقت کر لی اور ان کے ساتھ ہر چیز کو ترتیب دے دیا۔ میں گھر گیا تو وہ سامنے آئی اور پوچھ گچھ کرنے لگی، میں نے کہا: میرے لیے چائے بناؤ، میں ہر چیز کا اعتراف کرلوں گا۔ مسکین چلی گئی اور اسی امید میں تھی کہ میری مشکل حل کر دے گی، لیکن میرے دفاع میں ہزار شیطان تھے۔ میرا ارادہ اس کی ساری زندگی اجاڑنے کا تھا۔ وہ چائے لائی تو میں نے کہا: میرے لیے اور اپنے لیے بھی ڈال، پھر میں نے کہا: ایک پانی کا گلاس لاؤ، وہ

گئی اور جوں ہی کمرے سے نکلی، اللہ کی قسم کھاتا ہوں! غیر شعوری طور پر میری آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا، میں نہیں جانتا یہ اس کے مستقبل کے الم کا آنسو تھا، میں نہیں جانتا کہ وہ میری روح تھی، جو آنکھ سے جھانک رہی تھی، نامعلوم میرا ضمیر تھا، نامعلوم وہ میری غفلت تھی کہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیشہ کے لیے راز کو چھپا دیا۔

میں نے اس کے کپ میں مکمل کیپسول ڈال دیا، وہ آئی اور مسکرا رہی تھی اور میں اسے اپنے سامنے چھوٹے بکری کے بچے کی طرح دیکھ رہا تھا، جو بالکل صاف نیت سے بھیڑیوں کے جنگل میں داخل ہو جائے، اس نے میرے اشک دیکھے، پونچھنے لگی اور بولی: مرد رویا نہیں کرتے۔ میری غم گساری کرنے لگی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں نادم ہو رہا ہوں، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ میں اس پر رو رہا ہوں نہ کہ اپنے آپ پر، اس کے مستقبل پر آنسو بہا رہا ہوں، اس کی ہنسی پر، اس کی آنکھوں پر، اس کے صاف اور پاکیزہ دل پر، میں نے کہا: چلو آؤ، پہلے چائے نوش کرتے ہیں، پھر آرام سے باتیں کریں گے، پھر اس نے پی لی، کاش! اس نے نہ پی ہوتی۔ کاش! وہ چائے نہ بناتی، لیکن میں بیٹھا باتیں کرنے لگا، یہاں تک کہ اس کے حواس باختہ ہونے لگے، میں کبھی ہنستا اور کبھی روتا، مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہو گیا، ہنستا اور روتا، میرے آنسو میرے رخساروں پر تھے، ابلیس مجھے وسوسے ڈالنے لگا کہ میں بھاگ جاؤں، ابھی میرے ماں باپ کے سامنے جب وہ اپنی بہن کی حالتِ زار دیکھیں گے تو راز کھل جائے گا۔ میں بھاگ کر اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا اور انھیں اس مصیبت کی خوش خبری سنائی، جو کر چکا تھا۔ سب نے مجھے مبارک باد دی۔ دشمنوں نے ارادہ کر لیا تھا اور بولے: یہ کام تو کوئی

مرد ہی کر سکتا ہے، آج سے ہمارے قائد تم ہو، اس جگہ کے مالک، حکم دینے والے، روکنے والے، ہم تمھاری ہر بات پر لبیک کہیں گے، چنانچہ ہم وہ رات سو گئے، دوپہر کے وقت میں کپکپانے لگا اور اپنے دل سے پوچھنے لگا: میں نے کیا کر دیا؟ میرے ہاتھوں نے کیا ارتکاب کیا؟

وہ سب دوست مجھ سے کہنے لگے: ہم سب سے پہلے اس کا علاج کریں گے اور اس نشے کی سخاوت کرتے رہیں گے۔ دو دنوں کے بعد میرے والد نے جب کہ میں ان سے کٹ گیا، میرے متعلق پوچھنا شروع کر دیا، میں نے اپنے دوستوں کو بھیجا کہ گھر کے حالات معلوم کریں، کیسے ہیں؟ کیونکہ میں اپنے والد اور بہن سے خائف تھا، انھوں نے اطمینان دلایا کہ ہر چیز مکمل ہے اور کچھ نہیں ہوا، کچھ دنوں کے بعد میری بہن آئی اور مجھ سے وہ چیز مانگی جو میں نے اس کی چائے میں ڈالی تھی، وہ اسے پسند آئی تھی اور وہ مزید چاہتی تھی، لیکن میں نے انکار کر دیا، اس پر وہ منت سماجت کرنے لگی اور میری قدم بوسی پر اتر آئی، جیسا کہ میں اپنے دوستوں سے مانگتے وقت کرتا تھا، میں نے اس پر رحم کھایا اور اسے دے دیا، ایسا بہت دفعہ ہوا، پھر اس کے تعلیمی حالات خراب ہونے لگے، یہاں تک کہ گھر والوں کے سامنے بغیر کسی واضح سبب کے پڑھائی چھوڑ دی، انھوں نے بھی صبر کر لیا کہ بیٹی نے بالآخر گھر ہی میں بیٹھنا ہوتا ہے، چنانچہ اس نے کبھی تو مجھ سے چھوٹے بھائی کی طرف آرزوؤں کا رخ موڑا اور کبھی ہائے! یہ کتنی ناپسندیدہ تھی کہ جب میرے پاس پونجی ختم ہوگئی تو میں نے اپنے ایک دوست سے مانگی، اس نے انکار کر دیا الا یہ کہ اگر تم جانتے ہو کہ اس کی شرط کیا تھی؟ حسبي اللّٰه و نعم الوكيل ....

اس کی شرط یہ تھی کہ وہ میری بہن سارہ سے زنا کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کر دیا اور اس سے جھگڑ پڑا۔ ہمارے موجودہ ساتھی صلح کی کوشش کرنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: اس میں کوئی چیز نہیں اور ایک مرتبہ کا کوئی نقصان نہیں، اس نے پوچھا: اگر تیری بہن موافقت کرتی ہے تو تجھے کیا نقصان ہے؟ تجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی!! وہ سب میرے برخلاف اس کے ساتھ ہو گئے، میں نے اس سے کہا: تو سب سے پہلا تھا جو مجھے کہہ رہا تھا۔ میں اس کی دوا اور علاج کے لیے تیرے ساتھ ہوں اور آج دوستی کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے تو مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے، اس نے منہ بھر کر کہا: کون سی دوستی اور کون سا علاج؟ میں ہر چیز بھول گیا اور ہم باہم جھگڑ پڑے اور میں نے کئی دنوں کے لیے وہ فلیٹ چھوڑ دیا، میں نے صبر کیا، جب کہ میری بہن مجھ سے مانگنا شروع ہو گئی، جب کہ میرے پاس کچھ نہ تھا اور نہ اس کے سوا کوئی راستہ تھا۔ میری بہن کی حالت بگڑتی جا رہی تھی، اس کا سب کچھ ضائع ہو چکا تھا، وہ مجھ سے مانگ رہی تھی چاہے کیپسول کا ٹکڑا ہی ہو، شیطان نے مجھے وسوسہ ڈالا کہ میں اس سے پوچھوں، اگر وہ موافقت کرتی ہے تو کوئی نقصان نہ ہو گا اور نہ کسی کو پتا چلے گا، تو وہ اور فقط میرا ساتھی ہو گا، نیز میں اس سے یہ مطالبہ کروں گا کہ وہ وعدہ کرے کہ اس بات کا ذکر کسی دوسرے شخص سے نہیں کرے گا۔ میں نے اس کے ساتھ وضاحت کر دی اور کہا: جس شخص کے پاس وہ چیز ہے، وہ تجھے چاہتا ہے کہ تو اس کے سامنے آئے اور پھر جو ہم چاہتے ہیں وہ بغیر مال کے ہمیں دے دے گا، ہم لوٹ آئیں گے اور پھر کبھی دوبارہ جانے کے محتاج نہیں ہوں گے، وہ بغیر تردد کے فوراً بولی: میں موافقت کرتی ہوں، چلو چلتے ہیں!!

چنانچہ میں نے اور میری بہن نے نکلنے کا منصوبہ بنایا۔ ہم نکلے اور میں اپنی بہن کو اپنے دوست کے پاس لے گیا اور اس کے فلیٹ میں بیٹھ گئے، اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں چلا جاؤں، یہاں تک کہ کام پورا ہو جائے، میں چلا گیا اور کچھ دیر بعد آیا تو اچانک میری بہن میرے دوست کے فلیٹ میں نیم عریاں تھی۔ اپنے حال سے مغلوب تھی، میں چاہتا تھا کہ کاش! ہیروئن کی خوشبو ہو، ہم اکٹھے بیٹھ گئے، میں، میرا دوست اور میری بہن، ظہر سے لے کر عشا کے بعد تک باتیں کرنے، شراب پینے اور بدکاری میں لگے رہے۔ پھر میں اور میری بہن گھر لوٹ آئے اور ایسے کہ کوئی چیز تھی جو گزر گئی، میں اپنی بہن سے کہنے لگا: یہ پہلی اور آخری مرتبہ تھی، لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ میرا پلید دوست میری بہن سے عہد و پیمان کر لے گا اور اسے اپنے خاص رابطہ نمبر دے دے گا کہ جب چاہے وہ اسے دے گا، جس کی وہ محتاج ہو... مجھے کچھ علم نہ تھا، کئی دن بیت گئے، میں اپنی بہن کو دیکھتا کہ اپنی گزشتہ روٹین سے ہٹ کر گھر سے نکلتی ہے، وہ اور میری چھوٹی بہن کسی بھی عذر سے بازار یا ہسپتال کا بہانہ کر کے چلی جاتیں، یہاں تک کہ دوسری مرتبہ مکتب کے لیے فارم پر کرنے لگی، مسکین باپ نے پوری طاقت اور ہر معرفت سے کوشش کی، تا کہ نئے سرے سے وہ ادارے میں چلی جائے، سارا کنبہ اس کی دوبارہ پڑھائی اور اس اہتمام پر خوش ہو گیا۔

میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے پاس تھا، اس نے کہا: عن قریب ہم اپنے ایک دوست کی ملاقات کے لیے جائیں گے، ہم گئے تو ہائے مصیبت! میں نے اپنی بہن کو اس کے پاس پایا، وہ اس کی بانہوں کا ہالہ بنی ہوئی تھی، میں غصے

سے پھوٹ پڑا، میری بہن کھڑی ہوئی اور بولی: تیرے لیے کوئی فکر نہیں، میں اپنی زندگی میں آزاد ہوں! میرے دوست نے مجھے ساتھ لیا اور مجھے وہ قاتل زہر دیا جو انسان کو ہر عزیز اور ہر وہ چیز بھلا دیتا ہے جس کا وہ مالک ہو، بلکہ اسے اس کی نظر میں سب سے گھٹیا، معمولی اور رذیل چیز بنا دیتا ہے۔

ہم اپنے ساتھی کے لیے لوٹ پڑے اور میں بھی چل پڑا۔ وہ میرے بہن کے ساتھ کھیلنے لگے اور میں جانور کی طرح ان کے درمیان تھا، بلکہ اس سے بھی بدتر، عصر کے ساتھ ہی گھر کی طرف لوٹے، میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کروں، عزت جا چکی تھی، مال ختم ہو چکا تھا، شرف مٹی میں مل چکا تھا، مستقبل بھی تاریک ہو چکا تھا، عقل غائب ہو چکی تھی اور ہر چیز جا چکی تھی، ؎

ہوش و حواس، تاب وتواں داغؔ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

میں جب نشے سے ہوش میں آتا تو روتا اور جب نشے سے مست ہوتا تو ہنستا، جانوروں کی زندگی، بلکہ اس سے بھی ذلیل، گھٹیا، پست اور نکمی زندگی، ایک منحوس وقت اور میری ساری زندگی ہی نحوست ہے۔ ایک دن، دن کے نو بجے اچانک پولیس نے میرے والد کو فون کیا اور کہنے لگے: فوراً حاضر ہو جاؤ، وہ چلا آیا، وہاں ایک بڑی مصیبت تھی، جس کو میرا باپ برداشت نہ کر سکا اور اس کے چند ایام کے بعد ہی چل بسا، میری ماں سے قوتِ گویائی چھین لی گئی، تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟ تم جانتے ہو؟ میری بہن ایک نوجوان کے ساتھ، شہر سے باہر ایک پرفضا مقام پر تھی، وہ نشے کی حالت میں تھے، ان کو حادثہ پیش آ گیا اور دونوں فوراً ہلاک ہو گئے۔

ہائے یہ کیسی مصیبت تھی! جس سے پتھر بول پڑیں، جو چٹانوں کو رلا دے۔ ہائے! اس کا انجام، اے سارہ! تو نے اسے کیوں دیکھا؟ اسے کیوں پسند کیا؟ اس کی کیوں آرزو کی؟ پاکیزہ سارہ بدکارہ بن گئی۔ شریف سارہ زانیہ بن گئی۔ پاک مومن سارہ فاحشہ بن گئی۔ یا اللہ! میں نے اپنی بہن کے ساتھ اس راستے میں کیا کیا؟ میں نے اسے جہنم کی آگ تک پہنچا دیا۔ یا رب! میں کیا کروں؟ الٰہی! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو اس کے بدلے مجھے پکڑ اور مجھے سزا دے۔ یا رب! بے شک تو جانتا ہے کہ وہ مظلومہ ہے، میں نے ہی اس پر ظلم کیا ہے، میں نے ہی اسے سیدھے راستے سے دور کیا ہے اور اسے کچھ علم نہ تھا۔ وہ میری اصلاح چاہتی تھی اور میں نے اسے خراب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نشہ آور اشیا پر، ان کے راستے اور استعمال کرنے والوں پر لعنت کرے۔ میرا باپ چند ایام کے بعد فوت ہو گیا۔ میری ماں اسی دن سے قوتِ گویائی سے محروم ہو گئی اور میں ابھی تک سیاہ راستے پر ہوں۔ میرے بھائی ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر ہیں۔

اس کے ایک عرصے بعد میں نے سوچا کہ توبہ کر لوں اور میں صبر نہ کر سکا، اپنی ماں سے اجازت لی کہ میں تفریح کے لیے باہر جانا چاہتا ہوں، اس میں کئی مہینے لگ سکتے ہیں، اس خیال سے کہ یہ سب بھلا سکوں، چنانچہ میں علاج کے لیے ہسپتال میں داخل ہو گیا، تب کہ جب اپنی زندگی کو منہدم کر چکا تھا، اپنے کنبے کی زندگی کو اور اپنی بہن سارہ کی زندگی کو برباد کر چکا تھا۔ اے سارہ! اللہ تجھ پر رحم کرے، الٰہی! اسے بخش دے، وہ نہیں جانتی تھی، الٰہی! اس پر رحم فرما، وہ مسکینہ تھی، یا رب! اس کے بدلے مجھے پکڑ لے۔

میں نے علاج کا پختہ ارادہ کر لیا اور جب انھوں نے مجھ سے نشے کے

متعلق پوچھا تو میں نے کہا کہ وہ باہر سے آیا ہے اور یہ منشیات کا استعمال میرے سفر میں پیش آیا تھا۔ چند ماہ کے بعد میں نے اپنے نشے کے مرض سے علاج کر لیا، لیکن کس کے بعد کہ جب میں نے ہر رسی کو کاٹ دیا جو ہماری خوش بخت اور خوش گوار زندگی کی ضامن تھی۔ میں واپس لوٹا تو میرے گھر والے اس پر گزارہ کر رہے تھے جو لوگ انھیں دے جاتے۔ میری ماں نے ہمارا گھر فروخت کر دیا اور کرائے پر دوسرا مکان لے لیا۔ کشادہ اور وسیع بنگلے کے بعد ایک فلیٹ کی طرح جس میں تین کمرے تھے، جب کہ ہم آٹھ افراد تھے نیز عزت، نعمت اور فراوانی زندگی کے بعد تنگی اور لوگوں سے مانگنے کی طرف، میرے پاس کوئی علم تھا نہ ہنر، میرے بھائی مجھ سے چھوٹے تھے، نصف اخراجات پورے نہ ہونے کے باعث تعلیم چھوڑ دی تھی، میرے گھر والے، جب بھی میری بہن سارہ کا نام لیا جاتا تو اس پر لعنت کرتے، گالیاں دیتے اور خوب جرح کرتے، کیونکہ جو کچھ ہوا اس کا سبب وہی تھی۔ وہ اس کے لیے آگ اور ہلاکت کی بد دعا کرتے۔ میرا دل اس پر کٹ کٹ جاتا، کیوں کہ وہ مظلوم تھی۔

میں طاقت نہیں رکھتا تھا کہ ان کو برے دوستوں کے متعلق آگاہ کروں کہ جنھوں نے میری اور میری بہن کی زندگی برباد کی، کیونکہ اگر میں ان کے متعلق خبردار کرتا تو میرے گھر والوں کو، میری بہن، باپ، ماں ، ہماری بدنامی، عزت اور شرف کے متعلق زخم جو ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے، پھر سے ہرے ہو جاتے، کیونکہ پھر انھیں پتا چل جاتا کہ میں ہی اصل سبب ہوں اور ان کے زخم بڑھ جاتے، نیز فسادی دوست اگر میں ان کی خبر دیتا ہوں تو جلد ہی مجھے ہلاک کر دیں گے۔

میں اپنے معاملے میں حیرت زدہ ہوں، میں ہر وقت روتا ہوں اور کسی کو

میرے متعلق احساس نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فرض ہے کہ مجھے پتھروں سے سنگ سار کر دیا جائے اور یہ بھی ناکافی ہے جو میں نے کیا اور جس کا سبب بنا، یہ اس کا کفارہ نہیں بن سکتا۔

میرے بھائیو! دیکھو، میں نے کیا کیا؟ بے شک وہ نشہ آور اشیا شیطان کے کچوکے ہیں، وہ منشیات ہی ہیں، جو تمام خباثتوں کی جڑ ہے، وہ پھیلنے والی برائی ہے، اس نے کتنے ہی گھر فساد سے بھر دیے، کتنے ہی انسان در بدر کر دیے، کتنے ہی کنبے بکھیر دیے۔

اے میرے بھائیو! ہنسو نہ، تعجب کرو، بلکہ کہو: اے الٰہی! دشمنوں کو خوش نہ کر، اے میرے بھائیو! عبرت حاصل کرو اور جسے پہنچانتے ہو، اس تک میرا قصہ پہنچا دو، شاید اللہ میرے قصے کے باعث، چاہے ایک شخص کو ہی ہدایت دے دے، اس کے ذریعے اپنی اس بڑی خطا کا کفارہ دینا چاہتا ہوں، وہ گناہ کے جس کی بخشش کی مجھے کوئی امید نہیں، میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ میری بہن سارہ کے لیے شب و روز دعا گو رہو! شاید اللہ تمھاری دعاؤں سے اس پر مہربانی فرما دے۔

ویڈیو کیسٹ، جس نے میری زندگی برباد کر دی

ایک دوشیزہ جو یونیورسٹی کے مرحلے میں تھی، اس کی تین بہنیں ہیں، ایک ہائی کلاس میں جب کہ دو مڈل میں پڑھتی ہیں۔ باپ سبزی فروش ہے اور محنت کرتا ہے، تا کہ ان کے لیے زندگی کا لقمہ کما سکے۔ یہ لڑکی یونیورسٹی کی پڑھائی میں بڑی قابل ہے۔ اچھے اخلاق اور عمدہ ادب میں معروف ہے۔ تمام

کلاس فیلوز اس سے محبت کرتی ہیں اور اس کے قریب ہونے کا شوق رکھتی ہیں کہ وہ ممتاز حیثیت سے فائق ہے۔

اس دوشیزہ نے کہا:

ایک دن میں یونیورسٹی کے گیٹ سے نکلی تو اچانک ایک نوجوان میرے سامنے تھا، وہ میری طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے مجھے پہنچانتا ہو۔ میں نے اس پر کچھ توجہ نہ دی، لیکن وہ پیچھے ہو لیا۔ پست آواز اور بچگانہ کلمات سے میرے ساتھ باتیں کرنے لگا، مثلاً: اے خوب رو... میں آپ سے شادی کا خواہاں ہوں، میں بڑی دیر سے آپ کا پیچھا کرتا ہوں، آپ کے اخلاق اور ادب کو پہچانتا ہوں۔ میں تیز چلی تو میرے قدم لڑکھڑانے لگے، میری پیشانی پسینے سے شرابور ہو گئی، اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا اور میں مدہوش اور انتہائی پریشانی کے عالم میں گھر پہنچی۔ اس موضوع پر سوچتی رہی اور خوف، گھبراہٹ اور بے چینی سے اس رات سو نہ سکی۔

اگلے دن، میرے یونیورسٹی سے نکلتے وقت، میں نے اسے گیٹ کے سامنے پایا، وہ مسکرا رہا تھا، اس کا مجھ سے چھیڑ خوانی کرنا اور پیچھے چلنا کئی بار ہوا اور اس کام کی انتہا اس چھوٹے خط پر ہوئی جو اس نے گھر کے دروازے کے پاس پھینک دیا، میں نے اسے اٹھانے میں تردد کیا، لیکن اٹھا لیا، میرے ہاتھ کپکپا رہے تھے، اسے کھولا اور پڑھا تو اچانک اس میں محبت بھرے کلمات، جنونِ عشق، نیز جو اس نے مجھے تنگ اور پریشان کیا تھا، اس کی معذرت کی تھی۔

میں نے کاغذ پھاڑا اور پھینک دیا کچھ دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو اچانک وہی نوجوان، خوب صورت کلام سے بول رہا تھا:

آپ نے خط پڑھ لیا یا نہیں؟ میں نے کہا: اگر تم نہیں سدھرے تو میں اپنے گھر والوں کو بتا دوں گی اور تباہی تمھاری ہو گی۔ ایک گھڑی بعد دوبارہ فون کر دیا، پیار جتانے لگا کہ میرا مقصد بڑا نیک ہے، وہ قرار پانا اور شادی کرنا چاہتا ہے، نیز وہ بڑا مال دار ہے، عن قریب میرے لیے ایک محل بنائے گا اور میری تمام آرزوؤں کو پورا کرے گا، وہ اکلوتا ہے اس کے خاندان میں سے کوئی باقی نہیں بچا... اور ... اور ... اس پر میرا دل نرم پڑ گیا اور اس سے بات چیت کرنے لگی اور بے تکلفی اختیار کرنے لگی۔ اب میں ہر وقت ٹیلی فون کی منتظر رہتی۔ یونیورسٹی سے نکلتے وقت اسے تلاش کرتی کہ شاید اسے دیکھ پاؤں، لیکن بے سود، ایک دن یونیورسٹی سے نکلی تو اچانک وہ میرے سامنے تھا۔ میں خوشی سے پھٹ پڑی، پھر میں اس کے ساتھ گاڑی میں گھومنے کے لیے نکلنا شروع ہو گئی۔ میں بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہتی اور وہ میری طرف دیکھتا رہتا، پھر ہمیں جہنم کے ڈھانپنے والے عذاب نے ڈھانپ لیا، مجھے اس کے سوا کچھ پتا نہیں کہ میں محض اس نوجوان کا پکڑا ہوا شکار بن چکی تھی اور سب سے عزت والی جس چیز کی مالک تھی، اسے کھو بیٹھی تھی۔ میں جنون زدہ کی طرح اٹھی تو نے میرے ساتھ کیا کیا؟

تم ڈرو نہیں، تم میری بیوی ہو۔ میں تمھاری بیوی کیسے ہوں؟ تم نے میرے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ میں عن قریب عقد کر لوں گا۔

میں لڑکھڑاتی ہوئی اپنے گھر گئی، میری پنڈلیاں مجھے اٹھا نہیں رہی تھیں، آگ میرے وجود میں شعلہ زن تھی، الٰہی! میں نے کیا کر دیا۔ کیا میں پاگل ہو گئی ہوں؟ مجھ پر کیا مصیبت پڑی؟ دنیا میری آنکھوں کے آگے اندھیر ہو گئی۔ میں روتی اور کڑوے اشک پیتی۔ میں نے پڑھائی چھوڑ دی اور انتہا درجے کی بدحال

ہوگئی۔ گھر والوں میں سے کوئی بھی اصل معاملے کو پہچاننے میں کامیاب نہ ہو سکا، لیکن میں ایک وعدے سے لٹکی تھی، جو اس نے بہکایا تھا اور وہ اس کا میرے ساتھ شادی کا وعدہ تھا، کئی دن بیت گئے، اس کے بعد کیا ہوگا؟

اچانک ایسا حادثہ ہوا، جس نے میری زندگی داؤ پر لگا دی۔ فون کی گھنٹی بجی تو دور سے اس کی آواز آ رہی تھی اور مجھے کہہ رہا تھا: میں ایک اہم کام کے لیے تجھ سے ملنا چاہتا ہوں، میں خوش ہوگئی اور نعرہ لگایا اور خیال کیا کہ اہم چیز شادی کے امور کو ہی انجام دینا ہوگا۔ میں اسے ملی تو وہ بد کلامی اور ترش روئی سے پیش آیا، اس کے چہرے سے درشتی کے نشانات ہویدا تھے، وہ جلدی سے کہہ رہا تھا: ہر چیز سے پہلے یہ بات ہے کہ تم کبھی شادی کے متعلق مت سوچنا، ہم بغیر کسی قید کے اکٹھے رہیں گے۔

میں نے لاشعوری طور پر ہاتھ اٹھا دیا اور اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کی آنکھوں سے شرار جانے لگے، میں نے کہا: میں سمجھتی تھی کہ تم اپنی غلطی کی اصلاح کرو گے، لیکن میں نے تجھے ایسا آدمی پایا جو بد اخلاق ہے اور جلدی سے گاڑی سے نیچے اتر آئی اور رونے لگی، وہ بولا: تھوڑی دیر مہربانی فرما کر رکیں تو میں نے اس کے ہاتھ میں ایک ویڈیو کیسٹ دیکھی، وہ اسے بے باکانہ اپنی انگلیوں کے کناروں سے اٹھائے ہوئے تھا اور متکبرانہ الفاظ سے کہہ رہا تھا: میں عن قریب اس کیسٹ کے ذریعے تجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا، میں نے کہا: اس کیسٹ میں کیا ہے؟

وہ بولا: میرے ساتھ آؤ تا کہ اسے دیکھ سکو، یہ تیرے لیے بڑا حادثہ ہوگا، اس کے ساتھ چلی گئی، تا کہ کیسٹ دیکھ سکوں، میں نے وہ مکمل فلم دیکھی تو جو کچھ

حرام کام ہمارے درمیان ہوا تھا، وہ اس میں ریکارڈ تھا۔ میں نے کہا: اے بزدل! تو نے یہ کیا کیا؟ اے گھٹیا انسان! اس نے کہا: ہم پر خفیہ کیمرے نصب تھے، جو ہر حرکت اور پست آواز کو ریکارڈ کر رہے تھے، تیری تباہی کے لیے یہ کیسٹ مجھے اسلحے کا کام دے گی، الا یہ کہ تو میرے احکامات کے تابع اور میرے اشارات کی فرمانبردار ہو۔ میں رونے اور چلانے لگی، کیونکہ صرف میرا معاملہ نہ تھا، بلکہ میرے سارے کنبے کا معاملہ تھا۔ میں اس کے ہاتھ میں قیدی تھی۔ وہ مجھے ایک آدمی سے دوسرے کی طرف منتقل کرتا رہتا اور رقم بٹورتا۔ میں دلدل میں گر چکی تھی اور زندگی کو تباہی کی طرف لے جا چکی تھی، جبکہ میرا کنبہ میرے کرتوتوں سے بے خبر تھا۔ انھیں مجھ پر مکمل بھروسا تھا۔

کیسٹ پھیل گئی اور میرے چچا کے بیٹے کے ہاتھ لگ گئی اور معاملہ کھل گیا اور راز افشا ہو گیا، میرے باپ اور سارے کنبے کو پتا چل گیا، رسوائی سارے شہر میں منتشر ہو گئی اور ہمارا گھر عار سے لتھڑ گیا، میں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑی ہوئی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے والدین اور بہنیں دوسرے شہر نقل مکانی کر گئے ہیں، رسوائی بھی ان کے ساتھ پیچھے چلی گئی ہے، مجالس میں یہی موضوعِ گفتگو بن گیا اور وہ کیسٹ ایک نوجوان سے دوسرے نوجوان کی طرف منتقل ہونے لگی۔

میں رذالت میں ڈوبی بدکار عورتوں کے درمیان رہنے لگی، یہ گھٹیا شخص ہی سب سے پہلے مجھے یہ رخ دینے والا تھا، ہاتھ میں گڑیا کی طرح وہ مجھے حرکت دیتا اور میں خود حرکت نہ کر سکتی تھی۔ یہ نوجوان متعدد گھروں کی تباہی اور اٹھتی عمر کی دوشیزاؤں کے مستقبل کی ویرانی کا باعث بنا تھا۔

میں نے انتقام کا عزم کر لیا۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا تو وہ نشے سے دھت تھا، میں نے موقع غنیمت جانا اور اسے چھرا گھونپ دیا، میں نے انسانی صورت میں ابلیس کو قتل کر دیا اور لوگوں کو اس کی برائیوں اور فسادات سے بچا لیا۔ میرا انجام یہ ہوا کہ میں اب پابندِ سلاسل اور سلاخوں کے پیچھے ہوں، ذلت اور محرومی کے گھونٹ پی رہی ہوں، اپنے فعلِ بد پر، نیز اپنی اس زندگی پر جس میں کوتاہی سے کام لیا، نادم ہوں۔

میں جب بھی ویڈیو کیسٹ کو یاد کرتی ہوں تو مجھے خیال آتا ہے جیسے کیمرے ہر جگہ میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ میں نے اپنا یہ قصہ سپردِ قلم کر دیا ہے، تاکہ ہر دوشیزہ کے لیے عبرت اور نصیحت بنے کہ جو چکنے اور بھڑکیلے الفاظ کے پیچھے ہانکے جا رہی ہے۔

گناہ کی نحوست

ہم بڑی عمدہ حالت اور خوش گوار ماحول میں اکٹھے رہے تھے، میاں بیوی، سعادت کی زندگی گزار رہے تھے، میرے پاس قناعت اور رضا تھی۔ ہماری بچی گھر کا چراغ تھی، اس کے قہقہے کلیوں کو پھاڑتے تھے، یقیناً وہ لہلہاتا خوشبودار پھول تھی۔ جب رات چھا جاتی اور چھوٹی سو جاتی تو میں اپنے خاوند کے ساتھ نوافل پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی۔ وہ مجھے امامت کرواتا اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتا، سکینت اور خشوع میں اشک بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے۔ گویا میں انھیں سن رہی ہوں، وہ یہ کہتے ہوئے بہہ رہتے ہوں، میں فلاں مرد اور فلاں عورت کا ایمان ہوں۔

ایک دن، ہم نے ارادہ کیا کہ گھر میں رقم زیادہ ہو جائے، میں نے اپنے خاوند کو تجویز دی کہ ہم سودی شیئرز خرید لیتے ہیں، تا کہ مال بڑھ جائے اور ہم بچوں کے لیے اسے ذخیرہ کر لیں، چنانچہ ہم نے اس میں سب جمع پونجی رکھ دی، یہاں تک کہ الماری کا زیور بھی۔ پھر مارکیٹ کے شیئرز ارزاں ہو گئے اور ہم نے کمی محسوس کی، دینار درہم میں بدل گیا اور ہم نے غموں کا پیالہ پیا، ہمارے قرضے اور مطالبات بڑھ گئے، ہمیں معلوم ہو گیا کہ یقیناً:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة: ٢٧٦]

'''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے۔''

ایک غم زدہ رات جب کہ سیف خالی تھی، میں اپنے خاوند کے ساتھ لڑ پڑی، میں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا تو وہ چلایا، تجھے طلاق ہے!! تجھے طلاق ہے!! میں رو پڑی۔ چھوٹی بھی روئی، بہتے اشکوں کے پار مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمیں طاعت نے اکٹھا کیا اور معصیت نے جدا کر دیا۔

یہ دوسرا قصہ ہے

میں شادی کی محفلوں کی بڑی دلدادہ تھی۔ میں ایک باپردہ خاتون تھی۔ میرا خاوند اکثر شادی کی محفلوں میں اختلاط سے ڈرایا کرتا تھا۔ جب سب عورتیں ہوتیں تو میں پردہ اتار دیتی اور رقص و سرود میں شریک ہو جاتی۔ میں بہت خوب روتھی اور پسند کرتی تھی کہ اس رات عورتوں سے سنوں کہ میں دلہن سے بھی حسین ہوں، اس طرح میں پندار سے بھر جاتی۔

میرا خاوند ہر مرتبہ مجھے گھر سے باہر بے پردہ ہونے سے روکنے کی تاکید

کرتا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث یاد دلاتا رہتا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَزَعَتْ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا فَقَدْ هَتَكَتْ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا مِنْ سِتْرٍ)) [1]

"جو عورت بھی اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کہیں اپنا کپڑا اتارتی ہے تو یقیناً اپنے اور رب کے درمیان کے پردے کو پھاڑ دیتی ہے۔"

ایک دن میرے خاوند نے خلیج کی بعض ریاستوں کی طرف سفر اختیار کیا، وہاں کسی ایک ریلوے کمپارٹمنٹ میں دو نوجوان خلیجی ریاستوں کی دوشیزاؤں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ان میں سے زیادہ خوب رو کون ہے؟ چنانچہ ایک کھڑا ہوا اور خاص میرے شہر کی ایک ویڈیو کیسٹ لے کر آیا، جو اس نے خطیر رقم خرچ کر کے خفیہ طور پر خریدی تھی، اس میں ایک شادی کی محفل تھی، میرا خاوند ٹھٹھر کر رہ گیا جب اس نے مجھے گاتے رقص کرتے، زلفیں بکھیرے ہوئے دیکھا اور میرا آدھا سینہ بھی عریاں تھا۔

وہاں موجود لوگ میرے حسن و جمال کے متعلق شہوت انگیز جملے بولنے لگے، وہ رہ نہ سکا اور غصے سے وہاں سے نکل آیا، وہ سفر سے لوٹا تو میرے اور اس کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی، جس کا اختتام طلاق پر ہوا، اب میں عذاب اور تباہی میں ہوں، ہر جگہ غلطی مجھے دھتکار رہی ہے۔

دنیا سے بچ جاؤ، عورتوں سے بچ جاؤ

ہم ایک کشتی پر ہم نشیں بنے، جس کے ذریعے ملکوں میں اللہ کا رزق

[1] صحیح الجامع (٢٧١٠)

تلاش کرنے کے لیے گھوم رہے تھے، اس پر ایک صالح، دل کا صاف اور عمدہ اخلاق والا نوجوان تھا، ہم دیکھتے کہ تقوی اس کے چہرے کے خدوخال پر دمکتا، نور اور روئیدگی اس کے رخ پر مرتسم تھی۔ تو اسے صرف باوضو، نماز پڑھتے ہوئے یا نصیحت و راہنمائی کرتے ہوئے دیکھے گا، اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو اذان کہتا اور ہمیں نماز پڑھاتا، اگر کوئی پیچھے رہ جاتا یا لیٹ ہو جاتا تو اس کی سرزنش کرتا اور راہنمائی کرتا۔ وہ تمام اسفار میں ہمارے ساتھ اس خوبی سے مرصع رہا۔

سمندر نے ہمیں ہند کے جزیروں میں سے ایک جزیرے کی طرف پھینک دیا۔ ہم وہاں اتر پڑے۔ جہاز ران اپنی روٹین کے مطابق کچھ دن ٹھہر جاتے، جن میں آرام کرتے اور طویل مشقت کے بعد ستا لیتے، مسافر بھی شہر کے بازاروں میں گھومتے رہتے، تاکہ اپنے گھر والوں اور بیٹوں کے لیے ملنے والی عجیب اور انوکھی اشیا خرید سکیں، پھر رات کو کشتی کی طرف واپس پلٹ آتے، ان میں ایک گروہ تھا جنھیں اللہ نے گمراہ کر دیا تھا۔ وہ لہو ولعب اور بے حیائی کے اڈوں کا رخ کرتے، یہ نیک طینت نوجوان کبھی کشتی سے نیچے نہیں اترتا تھا، بلکہ ان ایام میں کشتی میں قابلِ اصلاح چیزوں کی درستی کرتا، رسیوں کو بٹتا اور جوڑتا، لکڑیوں کو درست اور مضبوط کرتا، نیز اپنے اس وقت میں ذکر، قراءت اور نماز میں مشغول رہتا۔

اس کی آنکھ اشکوں سے پھٹ پڑی اور ڈاڑھی تر بہ تر ہو گئی۔ جب ایک سفر میں، جب کہ نوجوان اپنے انھی کاموں میں مشغول تھا، اچانک اس کا ایک ساتھی مسافر جس نے اپنے نفس کو خواہش کا غلام بنا لیا تھا اور نیک اعمال کے بجائے برے اعمال میں اور بلند اخلاق کی جگہ پست اخلاقی میں مشغول ہو چکا

تھا، اس سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا:

میرے دوست! تو کیوں کشتی میں بیٹھا رہتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا؟!! تو کیوں نہیں اترتا، تاکہ اپنی دنیا کے علاوہ اور دنیا بھی دیکھ سکے، دل کھولنے والی اور نفس کو انس دینے والی چیزیں دیکھ! میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ بے حیائی، اللہ کے غضب والی جگہوں اور نائٹ کلبوں میں جاؤ، نہیں اے بھائی! لیکن آ! اور اژدھا سے کھیلنے والے کو دیکھ، کیسے اس کے ساتھ کھیلتا ہے اور ڈرتا نہیں، ہاتھی پر سوار ہونے والے کی طرف دیکھ، وہ کیسے اس کی سونڈ کو سیڑھی بناتا ہے، پھر اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے اوپر چڑھتا ہے، یہاں تک کہ ہاتھی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیتا ہے۔ ہائے! اگر تو دیکھے کہ جو شخص گرم سلاخوں پر چلتا ہے اور جو انگارہ کھاتا ہے جیسے کھجور ہو اور جو شخص سمندر کا پانی پیتا ہے اور اسے بہ آسانی نگل جاتا ہے، جیسے مشروب پی رہا ہو، اے میرے بھائی! اتر اور لوگوں کو دیکھ! نوجوان نے جو کچھ سنا، اس سے اس کے دل نے حرکت کی اور بولا:

کیا اس دنیا میں جو کچھ تو کہہ رہا ہے، سب موجود ہے؟

برے دوست نے کہا: ہاں، بلکہ اس جزیرے میں اتر اور جو تجھے اچھا لگے، وہ دیکھ! صالح نوجوان اپنے ساتھی کے ساتھ اتر پڑا۔ وہ شہر کے بازاروں اور سڑکوں میں گھوم رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسے چھوٹے اور تنگ راستوں میں لے کر داخل ہو گیا، وہ راستہ انھیں ایک چھوٹے گھر تک لے گیا، وہ آدمی گھر میں داخل ہو گیا اور نوجوان سے کہا کہ اس کا انتظار کرے، مزید کہا: میں تھوڑی دیر بعد آ رہا ہوں، لیکن! کسی صورت میں بھی اس گھر کے قریب مت آنا، نوجوان دروازے پر بیٹھ گیا اور قراءت اور ذکر میں وقت کاٹنے لگا، اچانک

وہ بلند قہقہہ سن رہا تھا اور اس سے ایک عورت ظاہر ہوئی جس نے حیا اور مروت کی اوڑھنی اتار پھینکی تھی۔

افسوس!! یہ تو وہی دروازہ ہے جس میں وہ آدمی داخل ہوا تھا، نوجوان کے دل میں حرکت پیدا ہوئی، وہ دروازے کے قریب ہوگیا، جو کچھ گھر میں محوِ گردش تھا، وہ کان لگا کر سننے لگا، اچانک اس نے ایک شور سنا اور دروازے کے سوراخ سے دیکھا، ایک نظر کے بعد دوسرے لگائی، پھر اس کی طرف سے پے در پے متعدد نظریں ہوئیں، وہ ایسی چیز دیکھ رہا تھا جس سے مانوس تھا نہ پہلے کبھی دیکھی تھی، پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور جب اس کا ساتھی نکلا تو جلدی سے اس کی جانب لپکا اور انکار کرتے ہوئے کہنے لگا: یہ کیا؟!! تجھ پر افسوس!! اس کام پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے اور اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ آدمی بولا: اے اندھے اور غافل! خاموش ہو جاؤ، یہ چیز تیرے کام کی نہیں۔

راوی کا بیان ہے: رات کی پچھلی گھڑی ہم کشتی میں واپس چلے آئے، لیکن نوجوان اس رات بیدار رہا، جو کچھ دیکھا تھا اس کی سوچ میں مشغول رہا، شیطان کا تیر اس کے دل میں پیوست ہوگیا تھا اور نظر نے اس کے دل کی باگ پر قبضہ جما لیا، ابھی فجر پھوٹی ہی تھی اور صبح ہویدا ہونا چاہتی تھی کہ سب سے پہلے کشتی سے اترنے والا وہی تھا، اس کے دل میں بس یہی بات تھی کہ دیکھے گا، ایک بار دیکھا، پھر دوسری بار، یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا اور سارا دن وہیں گزرا، اگلا دن بھی اسی طرح، جہاز کے کپتان نے اسے گم پایا تو اس کے متعلق پوچھا: موذن کہاں ہے؟ ہمارا نماز کا امام کہاں ہے؟ وہ صالح نوجوان کہاں چلا گیا؟ ملاحوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس کی

تلاش کے لیے پھیل جائیں، اس طرح کپتان کے علم میں وہ شخص آ گیا جو اسے اس جگہ لے کر گیا تھا۔ کپتان نے اسے حاضر کیا اور خوب زجر و توبیخ کی اور کہا: تو اللہ سے نہیں ڈرتا، اس کے عذاب سے خوف نہیں کھاتا؟؟ جا اور اسے لے کر آ، وہ گیا، پھر گیا لیکن بلاسود، اس کو لانے میں کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ وہ ان کے ساتھ آنے سے انکار کر دیتا، کپتان سے یہی ہو سکا کہ آدمیوں کا ایک گروہ بھیجا کہ اسے زبردستی گھسیٹ کر لے آئیں اور کشتی میں پھینک دیں۔

راوی نے کہا: جہاز مختلف ملکوں کی طرف لوٹنے کے لیے موجزن ہو گیا اور ملاح اپنے کام میں لگ گئے، وہ نوجوان کشتی کے ایک کونے کھدرے میں لگ گیا، رونے لگا اور آہیں بھرنے لگا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ گریہ زاری کی شدت سے اس کے دل کی شریانیں پھٹ جاتیں، وہ کھانا پیش کرتے، لیکن وہ انکار کر دیتا۔ وہ کئی دن اپنی اسی بری حالت پر رہا۔ ایک رات اس کا رونا اور درد بھری آہ و زاریاں حد سے بڑھ گئیں اور کشتی والوں میں سے کوئی بھی نہ سو سکا، چنانچہ کپتان اس کے پاس آیا اور کہا: اے شخص! اللہ سے ڈر، تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تمھارے رونے نے ہمیں بے چین کر رکھا ہے، ہم سو بھی نہیں سکتے، تجھ پر افسوس، کس نے تیری حالت بدل دی، تیرے لیے ہلاکت ہو، تجھ پر کون سی آفت آن گری۔ نوجوان نے اسے جواب دیا اور وہ کفِ افسوس مل رہا تھا: مجھے چھوڑ دے، تجھے نہیں پتا کہ مجھے کیا پیش آیا ہے؟ کپتان نے کہا: تجھے کیا ہوا ہے؟ تب نوجوان نے اپنے ستر سے کپڑا ہٹا دیا اور اچانک اس کی شرم گاہ سے کیڑے گر رہے تھے۔ کپتان حیرت زدہ اور بے کل ہو گیا اور بولا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یہ کیا ہے؟ کپتان اٹھ کر چلا گیا، فجر سے کچھ دیر پہلے کشتی والے نے

ایک بلند چیخ سے، جس نے ان کو بیدار کر دیا، اٹھ بیٹھے، آواز کی طرف نکلے تو اس نوجوان کو مرا ہوا پایا، وہ اپنے دانتوں سے کشتی کی لکڑی کو پکڑے ہوئے تھا، قوم نے إنا للّٰه وإنا إلیه راجعون پڑھا اور اللہ سے اس کے اچھے خاتمے کا سوال کیا اور نوجوان کا قصہ عبرت حاصل کرنے والے کے لیے باقی رہ گیا۔

ایڈز کی مجلس میں خوش آمدید

یہ اس نوجوان کا قصہ ہے جس کا مشغلہ بازاروں میں اترنا اور عورتوں سے نظر بازی کرنا تھا، تا کہ پسند کا شکار حاصل کر سکے۔

ایک دن یہ نوجوان بازار کی طرف گیا اور غضب کی حسین وجمیل دوشیزہ دیکھی، جو اسے پسند آ گئی۔ یہ سوچنے لگا کہ کسی طرح اس سے ہم کلام ہو، لیکن وہ خود ہی اس کے قریب چلی آئی اور ٹیلی فون کا نمبر طلب کیا۔ وہ شیطانی اور جادوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں نے فون نمبرز کا تبادلہ کر لیا۔

کئی دن بیت گئے اور وہ دونوں ہمیشہ ملتے رہے، ایک دن وہ کہنے لگی کہ وہ ایک بڑی کمپنی کی مالک اور مطلقہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مصر چلے اور وہاں اس کے عوض تجارتی اور کاروباری عہدو پیمان کرے، نیز اس نے اسے یک طرفہ ٹکٹ، ہوٹل میں ریزرویشن نمبر اور اخراجات کے لیے دس ہزار مصری پاؤنڈ دیے، نوجوان نے موافقت کی اور سفر کے لیے پاسپورٹ حاصل کر لیا۔ وہ نوجوان کہتا ہے: میرے سفر کرنے سے پہلے اس نے مجھے فون کیا اور مصر کا ٹیلی فون نمبر دیا اور کہا: جب تم مصر پہنچ جاؤ تو اس نمبر پر فون کرنا، تا کہ تیرے پاس آدمی آئے جو تیرے ساتھ اسی تجارت کے لین دین کا عہد و پیمان کر سکے۔

اس نے کہا: میں سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں نے ہوٹل میں جا کر کھانا تناول کیا اور اس نمبر پر فون کیا جو میں نے اس لڑکی سے لیا تھا، اچانک بڑا حادثہ ہوا کہ وہی اس فون پر بات کر رہی تھی: اس سرپرائز کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ میں چاہتی ہوں کہ تم اسی ہوٹل کے فلاں نمبر کمرے میں آ جاؤ۔

اس نے کہا: میں اس کی طرف چلا گیا اور اسے انتہائی عریاں ملبوسات میں دیکھا، شیطان ہمارا تیسرا تھا، میں اس پر گر گیا۔ وہاں دس دن رہا اور بے حیائی کا بازار گرم رہا، پھر اپنے ملک واپس چلا آیا، ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ میرا بھائی مجھے اگلے دن اندرونِ ملک سفر پر لے جانے کا خواہاں تھا۔ میں نے موافقت کی اور اس کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو گیا، بھسم کر دینے والی گھڑی آن پہنچی، ہماری گاڑی الٹ گئی تھی، میں تو صحیح سالم باہر آ گیا، لیکن میرے بھائی کو بلڈ چاہیے تھا، ڈاکٹر نے پوچھا: تیرا بلڈ گروپ کیا ہے؟ میں نے بتایا تو وہ کہنے لگا: تیرے بھائی کا بھی یہی گروپ ہے۔ اس نے پہلے تھوڑا سا خون نکالا، تاکہ چیک کر سکے کہ اس میں کوئی بیماری تو نہیں ہے، ایک لمحے کے لیے غائب ہو گیا، پھر واپس لوٹا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ تو اللہ کی تقدیر پر ایمان رکھنے والا ہے۔ میں گھبرا گیا اور کہا: کیا ہوا؟ کیا میرا بھائی چل بسا، ڈاکٹر نے کہا: ہرگز نہیں، وہ تو زندہ ہے، لیکن تجھے ایڈز کا مرض لاحق ہے۔

کیا؟ میں گھبرا گیا اور محسوس کرنے لگا کہ دنیا میری نگاہوں میں تاریک ہو گئی ہے۔ میں نکلا اور پاگلوں کی طرح اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ چند ایام بعد میرا بھائی اس حادثے کے بعد فوت ہو گیا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ اس کی وفات کے غم میں روؤں یا اپنے ایڈز کے مرض پر؟ اچانک میں نے ٹیلی فون کی

آواز سنی اور وہی لڑکی بات کر رہی تھی: تم کہاں ہو؟ میں تمھاری مشتاق ہوں، میں نے اس سے کہا: میں تمھارے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتا کیوں کہ میرا بھائی ایک حادثے میں فوت ہو گیا ہے۔ وہ بولی: زندہ مرنے والوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، آؤ ہم مل کر مزے اڑائیں۔

میں نے کہا: میں ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہوں، اچانک وہ کہہ رہی تھی، ایڈز کے مرض میں؟ کیا تم شادی شدہ ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا تم میرے علاوہ کسی اور عورت سے بھی بے حیائی کرتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، وہ ہنسی اور بولی: تب تو میں ہی تجھ میں مرض پہنچانے کی واحد وجہ اور سبب ہوں، ایڈز کی مجلس میں خوش آمدید۔

نوجوان گھبرا گیا، ایسی گھبراہٹ کہ جس کا کسی انسان کے دل پر اس کا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا، وہ بڑی سخت زندگی گزارنے لگا، وہ موت کا منتظر تھا اور کسی کو اپنا مرض بتانے کی بھی تاب نہ تھی، اس کا خاندان اسے شادی پر زور دیتا، وہ تیس سال سے تجاوز کر چکا تھا، لیکن انکار کر رہا تھا اور انھیں اس کے انکار کا سبب معلوم نہ تھا۔ اس کی زندگی انتہا درجے کی بدبختی میں چلی گئی تھی۔

یہ ایک سبق ہے جسے میں ہر اس شخص کے لیے بیان کر رہا ہوں، جو حرام لطف تلاش کرتا ہے، اس کا نتیجہ یہی ہے، اس تاریک راستے کی یہی انتہا ہے۔ آگاہ رہو! حلال اور طیب سے اللہ جل وعلا نے جو حلال کیا ہے وہ کتنا خوب صورت ہے۔

دیور موت ہے

وہ روزی کی تلاش میں رہتا اور دن کے ساتھ رات کو بھی اس کے لیے

بھٹکتا پھرتا جس کے ساتھ وہ منسلک ہو چکا تھا، پھر اس کی اولاد بھی زیادہ ہو گئی تھی، وہ ٹیکسی چلانے پر لاچار ہو گیا، تاکہ اپنی آمدن بڑھا سکے۔ ایک دن جب کہ روزی کی تلاش میں تھا، مغرب سے کچھ دیر پہلے ایک ایشیائی عورت اسے ہسپتال پہنچانے کے لیے روک رہی تھی، جب ہسپتال کے ملازمین نے دیکھا کہ اس کی حالت بڑی سنجیدہ ہے تو ڈرائیور سے اس کا رابطہ نمبر لے لیا، چند لمحوں کے بعد انھوں نے اسے فون کیا اور فوراً حاضر ہونے کو کہا، جب اس نے سبب پوچھا تو بولے: تیری بیوی نے ایک بچہ پیدا کیا ہے، اس نے غصے میں جواب دیا: میری بیوی میرے ساتھ گھر میں ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ بولے: بہر حال تم فواراً آ جاؤ، جب وہ ہسپتال میں پہنچا تو کہا: یہ کیسا تکلیف دہ نکتہ ہے جو تم نے میرے بارے میں بولا ہے؟ اللہ کا شکر ہے کہ میری بیوی نے تمھاری بات نہیں سنی۔ اگر سن لیتی تو گھر میں قیامت کھڑی ہو جاتی۔

وہ کہنے لگے: ہم نے کوئی نکتہ نہیں کہا، تاکہ تجھے پریشان کریں، جب ہم نے اس عورت سے جسے تم پہنچا کر گئے تھے، پوچھا کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور، جو ابھی مجھے چھوڑ کر گیا تھا۔ کہا: میں اللہ کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، یہ کیسا اتہام ہے؟ صحیح ہے کہ ''مصائب تیرے پاس آتے ہیں اور تو سو رہا ہوتا ہے'' اس نے تہمت سے نکلنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ ان سے کہا کہ اس کا اور بچے کا بلڈ لیں اور چیک کریں، جب وہ اس کام پر لگ گئے اور رزلٹ کے انتظار کے دوران میں اس کا ہاتھ دل پر تھا، وہ اپنے رب سے دعا کر رہا تھا کہ اسے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا: آپ کی اذیت رسانی اور ہمارے ساتھ مشغول ہونے پر افسوس

ہے، آپ کا بلڈ بچے کے موافق نہیں ہے، نہ ہی آپ کبھی بچے کے باپ بن سکتے ہیں، کیوں کہ آپ بانجھ ہیں...!!

آدمی بولا: یہ نکتہ تو پہلے سے بھی زیادہ پریشان کن ہے، میں کئی سالوں سے شادی شدہ ہوں اور میرے چھے بچے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ میں بانجھ ہوں!! دوبارہ چیک اپ کرو اور اس بارے میں ان پر سختی کی تو انھوں نے دوبارہ چیک اپ کیا اور ڈاکٹر پہلے رزلٹ کی تاکید کرتے ہوئے بولا: بھائی! میں نے کہا تھا کہ تم بانجھ ہو، بچے کے باپ نہیں بن سکتے ؟؟!!

آدمی ایک مصیبت سے نکلا تھا کہ دوسری میں داخل ہو گیا۔ ؎

مجھے ایک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ
اک دریا سے پار اترا تو میں نے دیکھا

جب اس نے معاملے کی چھان پھٹک اور تحقیق کی تو وہ اس کا بھائی تھا جو اتنے طویل سالوں سے اس کی بیوی سے تعلقات استوار کیے ہوئے تھا، جب کہ وہ اپنے مال اور اہل کے متعلق اسے امین سمجھتا تھا، چنانچہ دونوں نے اپنے بدنما اور بھیانک جرم کا اعتراف کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [ابراهيم: ٤٢]

''ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ۔''

اور نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

قال النبي ﷺ: ((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ: أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ، اَلْحَمْوُ أَخُ الزَّوْجِ أَوْ أَقَارِبُهُ)) [1]

''نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دیور کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا: دیور تو موت ہے۔''

حمو خاوند کے بھائی اور قریبی رشتے دار کو کہتے ہیں۔

وہ اپنے بچے کو دسویں منزل سے پھینک دیتی ہے

انور یونیورسٹی سے انجینئر بن کر فارغ ہوا تو باپ نے اس کے لیے ایک بڑا آفس کھولا اور ایک گاڑی عنایت کی، نیز اس کی شادی کے موقع پر ایک بڑا ہاتھی دینے کا وعدہ کیا۔ انور کا والد ایک ٹھیکیدار تھا، وہ خستہ حال سرکاری عمارتوں کی تعمیرِ نو پر مامور تھا۔ ایک لیڈی انجینئر سرکاری عمارتوں کی نگران اعلیٰ تھی۔ وہ انتہائی حسین و جمیل تھی۔ انور کا باپ اس پر فریفتہ ہو گیا اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے مابین عاشقانہ تعلقات استوار ہو گئے، اس میں شخصی مصلحتوں کے ساتھ ساتھ حیوانی شہوتیں اور جذبات بھی تھے۔ عمر کے فرق کے باوجود لیڈی انجینئر اور ٹھیکیدار کے تعلقات پروان چڑھ گئے۔ انور کا باپ لیڈی انجینئر پر خوب تحائف لٹایا کرتا، شیطان نے اس میں اضافہ کیا اور دونوں بے حیائی میں گر گئے، عزتوں کو پامال کیا اور بغیر کسی خوف اور حیا کے حرام میں ڈوب گئے۔ شیطان ایسے روابط کی نگہداشت کرتا، انھیں بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔ لیڈی انجینئر اور

[1] رواه البخاري و مسلم

انور کے ٹھیکیدار باپ کے درمیان متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور وہ حاملہ ہو گئی۔ لیڈی انجینئر نے اپنے عاشق کو آگاہ کیا کہ وہ حمل کے دوسرے مہینے میں ہے اور اسے اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ٹھیکیدار اپنی پیرانہ سالی کے باوجود چونکہ لذتِ حرام کا شیفتہ ہو چکا تھا اور اس دلدل کا دلدادہ بن گیا تھا، اسے ایک خبیث اور شیطانی تجویز سوجھی اور وہ یہ کہ اپنی معشوقہ انجینئر کا حمل ساقط کروا دے اور اپنے بیٹے انجینئر انور سے اس کا نکاح کر دے۔

لیڈی انجینئر بھی ٹھیکیدار کی طرح شیطانی گروہ میں سے تھی جو اپنے جذبات کی تسکین اور شہوت رانیوں کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا اس نے بھی اس شیطانی تجویز کی موافقت کر لی اور حمل ساقط کروا دیا۔ اب ٹھیکیدار ہر انداز اور بھر پور کوشش سے اپنے بیٹے کو لیڈی انجینئر سے نکاح کرنے پر قائل کرنے لگا، لیکن بیٹے نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ جب وہ یونیورسٹی میں اس کا کلاس فیلو تھا تو وہ اس کے دیگر دوستوں کے ساتھ قابلِ اعتراض روابط اور چال چلن سے خوب واقف تھا، لیکن اس کے ٹھیکیدار باپ نے اسے دھمکی دی، ناراض ہو گیا اور کہا: میں اسے تمام اختیارات سے محروم کر دوں گا اور گاڑی، دفتر اور ہاتھی وغیرہ سب کچھ واپس لے لوں گا، سب منصوبے ختم کر دوں گا!

انور اپنے باپ کی تہدید پر مطیع ہو گیا اور عاشق والد کی کوشش سے لیڈی انجینئر اور انور کا نکاح منعقد ہو گیا۔ کچھ دن گزرے اور لیڈی انجینئر اور اس کے خاوند کے باپ کے درمیان پھر وہ تعلق بحال ہو گیا، وہ امید سے ہو گئی، اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا حمل اس کے انجینئر خاوند انور سے ہے یا اس کے باپ سے !! اس نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔

پھر یوں ہوا کہ حیا سوز باپ کے لیے فضا ساز گار ہو گئی۔ وہ اپنے بیٹے کو ٹھیکیداری کے معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے دور دراز شہروں میں بھیج دیا کرتا تھا، تا کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ بے حیائی میں ڈوبا رہے۔ لیڈی انجینئر دوسری مرتبہ حاملہ ہو گئی، لیکن اس مرتبہ اسے پورا وثوق تھا کہ وہ اپنے خاوند کی عدمِ موجوگی میں اس کے ٹھیکیدار باپ ہی سے حاملہ ہوئی ہے۔

لیڈی انجینئر نے اب بھی دو جڑواں بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تولد کیے!! وہ اپنے شوہر کے ٹھیکیدار باپ کے ساتھ حرام تعلق کو استوار کیے رہی اور ٹھیکیدار بھی اسے اور اس کے بچوں کو، مال و دولت سے کھلا دیتا اور ان کی نگہداشت کرتا۔

ایک دن فریب خوردہ بیٹا بڑے اہم کام پر تھا، لیکن روٹین سے ہٹ کر جلدی آ گیا اور اپنے باپ کی گاڑی گیراج میں کھڑی دیکھی۔ وہ اوپر کی منزل کی طرف چڑھ گیا، جہاں سونے والے کمرے تھے، اس نے اپنے باپ کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا، جب وہ دونوں یوں بیٹھ کر باہم جام نوشی کر رہے تھے، جو حرام تعلق ہی کا اشارہ کرتا تھا، جب انھوں نے اسے محسوس کیا تو فوراً نارمل کیفیت میں بیٹھ گئے، گویا ان کے درمیان کچھ نہیں ہوا۔ انجینئر تازہ دم ہوا اور اس نے یہ معلوم کر لیا کہ اس کے باپ اور بیوی کے درمیان حرام تعلق استوار ہے، لیکن اس نے انتظار کیا کہ پہلے اپنی بیوی سے پوچھ گچھ کر لے اور اس کا باپ یہاں سے اپنے گھر چلا جائے، لہٰذا انور نے اپنا غصہ چھپا لیا۔ صبح کے وقت اپنی بیوی سے جو رات دیکھا تھا، اس کے متعلق پوچھنے لگا تو ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ اس نے بیوی پر تہمت لگا دی کہ یہ بچے میرے نہیں ہیں۔ یہ حرامی بچے ہیں۔ بیوی نے اس کے چہرے پر تھوک دیا اور اس پر نامردی کی

تہمت لگائی۔ انور اس حال میں نکلا کہ شر اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا، اس نے اپنے باپ کے گھر کا قصد کیا اور سارا معاملہ کھول دیا، باہمی قدریں مضمحل اور عہد و پیمان ٹوٹ گئے۔

رہی بدنصیب بیوی تو وہ جنونی ہوگئی اور اس پر ہسٹیریا کی کیفیت چھا گئی، جس سے عقل جاتی رہی اور اعصاب گم ہو گئے، وہ یکے بعد دیگرے اپنے بچوں کو دسویں منزل سے نیچے پھینکنے لگی، لوگوں کی حواس باختگی اور منتوں کے باوجود اس نے ایسا کر دیا، کیونکہ غضب اور جنون نے اسے اندھا کر دیا تھا اور اسے بچوں پر کوئی شفقت اور پیار نہیں آیا۔

پسند کی شادی اور ایک عجیب مصیبت

ایک آدمی نے نکاح کیا اور اللہ نے اسے اولاد عطا فرمائی، پھر اس نے دودسری شادی کا ارادہ کرلیا، لیکن اس بات سے ڈر گیا کہ اگر پہلی بیوی کو پتا چل گیا تو اس سے طلاق کا مطالبہ کرے گی اور اولاد سے محروم کر دے گی، چنانچہ اس نے خفیہ نکاح کرلیا اور کسی کو آگاہ نہ کیا۔

ماہ و سال گزرتے رہے، پھر اس نے پہلی بیوی کے بیٹے اور دوسری بیوی کی بیٹی کو یونیورسٹی میں داخل کروایا اور یہ بھی نوشتہ تقدیر تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور باہم پسند کی شادی کرلیں، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ دورانِ تعلیم خاندان والے انھیں شادی نہ کرنے دیں گے۔

عجیب بات یہ تھی کہ انھوں نے عقدِ نکاح کیا اور اپنے ناموں میں مکمل مطابقت دیکھی۔ نوجوان نے لڑکی سے کہا: اس محبت، خلوص اور چاہت کی طرف

دیکھو کہ دونوں ناموں میں بھی حدِ کمال تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ جب لڑکی نے اپنے پیٹ میں حمل محسوس کیا تو نوجوان سے کہا کہ وہ اس کے گھر آئے اور ضابطے اور قانون کے مطابق گھر والوں سے اس کا رشتہ مانگے اور اس سے صحیح شرعی نکاح کرے اور ایسا وقت بتا دیا جس میں اس کا باپ گھر میں موجود ہوتا تھا۔

نوجوان اس کے گھر چلا گیا اور دروازہ کھلا ہی تھا کہ نوجوان نے اپنے باپ کو پایا کہ وہی دروازہ کھول رہا ہے۔

نوجوان نے لڑکی سے پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ اس کا باپ ہے، جب نوجوان کو حقیقتِ حال کا پتا چلا تو اس نے اوپر والی منزل سے کود کر خودکشی کر لی، باپ زمین پر جا گرا اور اسے دل کا دورہ پڑ گیا اور جب لڑکی کو اس حقیقت سے آگاہی ہوئی تو وہ نفسیاتی مریض ہوگئی اور یادداشت اور قوتِ گویائی سے محروم ہوگئی۔

یہ ہر اس شخص کے لیے کڑوا پھل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۲۳۔۱۲۷]

''جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بلاشبہ اس کے

لیے گزران تنگ ہو گی اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالاں کہ میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا تھا اور جو حد سے بڑھ گیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے اور یقیناً آخرت کا عذاب شدید تر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔‘‘

بیٹی کی پسند کی شادی پر باپ کے دماغ کی شریان پھٹ گئی

ایک دوشیزہ کہتی ہے: یونیورسٹی میں میرا اور میرے کلاس فیلو کا میل جول بڑا جذباتی تھا، جو سب کی نظروں کا مرکز تھا، گویا یونیورسٹی عشق و محبت اور شیفتگی کے لیے ایک وسیع و عریض میدان میں تبدیل ہو گئی۔

وہ کہتی ہے: جب نوجوان رشتے کے لیے میرے والد کے پاس آیا تو والد نے انکار کر دیا، کیونکہ نوجوان کے مادی وسائل شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ ہم نے یہ طے کیا کہ لو میرج (Love Marriage) کر لیں اور دونوں خاندانوں کو بعد میں اطلاع دیں۔ جب امتحانات ختم ہو گئے اور ہمیں اپنی کامیابی کی اطلاع مل گئی تو میں نے اور اس نے دونوں خاندانوں کو فون کیا کہ اکٹھے ہی انھیں پاس ہونے اور پھر شادی کی خبر سے آگاہ کر دیں۔

وہ بیان کرتی ہے: میں نے فون کا ریسیور اس نوجوان کو دیا، جس نے مجھ سے لو میرج کی تھی، تاکہ میرے والدین کو ہماری شادی کی خبر سنائے، جب اس نے اطلاع دی تو میری ماں نے بلند چیخ ماری جسے میں نے سنا اور میں اس کے

پاس ہی کھڑی تھی۔ مسکین ماں زمین پر ڈھیر ہوگئی، پھر باپ جلدی سے اپنی زمین پر گری ہوئی بیوی کی طرف بڑھا اور پوچھا: کیا خبر ہے؟ کیا ہماری بیٹی فوت ہوگئی ہے؟ وہ بولی: کاش! وہ مرجاتی۔ تیری بیٹی نے شادی کر لی ہے!!

جب مسکین باپ کو علم ہوا تو وہ بھی زمین پر جاتا رہا اور ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ ایمرجنسی روم سے ڈاکٹر نکلا، تا کہ ان کو بتلائے کہ ان کے باپ کی دماغ کی شریان پھٹ گئی ہے جو کہ آدھے وجود کے فالج کا سبب بنی۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله.

وہ دائمی شراب نوشی کے بعد سجدے کی حالت میں دم توڑ گیا

وہ معاصی اور گناہوں میں حد سے تجاوز کرنے والا ایک نوجوان تھا جو نافرمانیوں کی کثرت اور فحاشی کے کام کرتا، بلکہ معاملہ با ایں جا رسید کہ اپنے ماں باپ کو زدوکوب کیا کرتا تھا۔ جب اس کے اور گھر والوں کے درمیان رہن سہن محال ہوگیا تو انھوں نے چھت کے اوپر ایک کمرہ بنا دیا کہ وہ تنہا اسی میں رہے۔

ایک دن چار نوجوانوں نے پروگرام بنایا کہ اس گناہ گار بھائی کے پاس جائیں، تا کہ اسے نصیحت کرسکیں، وہ اس کے بالا خانے کی طرف چڑھ گئے اور اسے نشے میں مدہوش اور گم گشتہ عقل پایا تو وہ اس کے پاس بیٹھ گئے، اس سے بات کی، لیکن اسے ان کے متعلق کچھ شعور نہ تھا، وہ اس کے ساتھ بیٹھے رہے، یہاں تک کہ اسے تھوڑا افاقہ ہوا، پھر اللہ کی رحمت، جنت اور جہنم کے تذکروں سے اسے نصیحت کرنے لگے۔ اچانک وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں قبل یہ باتیں نہیں سنی تھیں ...

وہ اسے اپنے ساتھ لے کر چل پڑے، وہ مسافر تھے اور اس شہر سے کوچ کر گئے، وہ ایک مسجد میں اترے۔ وہ نوجوان بھی توبہ کا اعلان کرتے ہوئے ان کے ساتھ تھا، لیکن منشیات کے اثرات لگاتار اس کے لیے بڑی مشقت پیدا کر رہے تھے، یہاں تک کہ ایک رات وہ چلایا: کھڑے ہو جاؤ اور مجھے رسی سے باندھ دو، مجھے خطرہ ہے کہ میں منشیات کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوں گا۔

انھوں نے کہا: آؤ ہم تجھے ہسپتال لے جاتے ہیں، وہ بولا: نہیں، بلکہ مجھے باندھ دو، چنانچہ انھوں نے مضبوطی سے اسے باندھ دیا، لیکن اس کے باوجود وہ اس قید سے نجات پانے کی طاقت رکھتا تھا، وہ ان کے سامنے بیٹھا شدتِ الم سے روتا رہا۔

پندرہ دن تک وہ اسی حالت میں رہا اور منشیات ترک کرنے کی تکلیف سہتا رہا، لیکن وہ اپنی توبہ میں سچا تھا۔ ہم ایسے ہی گمان کرتے ہیں اور اللہ پر کسی کا تزکیہ نہیں کرتے۔ پندرہ دن کے بعد اللہ نے اسے منشیات کے آثار سے راحت دے دی۔ وہ اسے ہسپتال کی طرف لے گئے، جب ڈاکٹر نے چند رپورٹس لیں تو کہنے لگا: ممکن نہیں کہ اس نوجوان کو منشیات کی عادت رہی ہو!!

یہ نوجوان تین ماہ اپنے گھر والوں سے غائب رہا، رہے اس کے گھر والے تو انھوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، کیونکہ وہ اس سے اکتا چکے تھے، انھوں نے یہی سمجھا کہ پکڑا گیا ہوگا یا کسی حادثے میں کام آ گیا ہوگا، تاکہ اس کے گھر والے اس سے آرام پاسکیں۔

وہ تین ماہ کے بعد اپنے خاندان کے گھر کی طرف جاتا اور دروازے پر دستک دیتا ہے۔ ماں نے دروازہ کھولا، تاکہ اپنے بیٹے کو دیکھے جو تین ماہ سے

گم تھا، اس نے دیکھا کہ بیٹے کا چہرہ بدلا ہوا، رونق اور بشاشت بڑھی ہوئی، خوب صورتی چھائی ہوئی اور وقار امنڈا ہوا ہے، وہ ماں کی طرف بڑھا تا کہ اسے بوسہ دے اور اس کے گلے لگے، وہ ساتھ ہی رونے لگا اور اس سے درخواست گزار ہوا کہ مجھے معاف کر دے، ماں نے کہا: بیٹا! میں نے تجھے معاف کر دیا۔

ماں سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھوں کی بنی ہوئی روٹی کھاؤں، ماں کھڑی ہوئی، کھانا بنانے لگی اور وہ کھڑا ہوا، نماز کے لیے تکبیر کہی، قراءت کی، رکوع کیا، سر اٹھایا اور سجدہ ریز ہو گیا اور طویل سجدہ کیا۔ ماں کھانا لے کر آئی، تا کہ اپنے بیٹے کو سجدے کی حالت میں دیکھے، وہ پھوٹ پھوٹ کر اس خوشی سے رونے لگی کہ اللہ نے اس کے بیٹے کو ہدایت سے نوازا ہے، لیکن اس نے سجدہ طویل کر دیا اور لمبا کر دیا، ماں نے آواز دی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا، پھر اسے حرکت دی تو وہ سجدے کی حالت میں فوت ہو چکا تھا!!

اس کے پڑوس اور گھر والے آ گئے، تا کہ اس نوجوان کو جس نے غایت درجہ کی گناہ گار اور فسادی زندگی گزاری تھی، بہ حالتِ سجدہ جان جانِ آفریں کے سپرد کرتے ہوئے دیکھ لیں۔

انھوں نے جیب ٹٹولی اور اس کے کاغذات نکالے تو اچانک اس میں وصیت لکھی ہوئی تھی، کیا تم جانتے ہو کہ اس کی وصیت کیا تھی؟ اس کی وصیت یہ تھی کہ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی ماں اس کا کفن تیار کرے اور اس کا جنازہ علاقے کے وہ نوجوان اٹھائیں، جنھیں وہ نیکی اور تقوے کو اختیار کرنے سے پہلے جانتا تھا، پھر اس کا والد اسے دفن کرے۔

اللہ نے جس کے لیے روشنی نہیں بنائی، اس کے لیے کوئی روشنی نہیں

وہ ایک مسجد کا موذن ہے اور خلیج کی کسی ریاست میں رہتا تھا، وہ مُردوں کو غسل دینے میں مصروف تھا، تاکہ اجر وثواب کما سکے۔

وہ کہتا ہے: ایک رات دو بجے کے بعد اچانک میرا دروازہ بڑی سختی سے کھٹکا، میں کھڑا ہوا اور دروازہ کھولا تو اچانک پڑوسی ایک خوفناک حادثے کی خبر دے رہے تھے، جس میں تین صالح نوجوان چل بسے تھے، ان کی گاڑی الٹ گئی تھی اور سب کے سب کام آ گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ انھیں غسل دے دیا جائے، تاکہ فجر کے فوراً بعد ان کا جنازہ پڑھا جا سکے۔ موذن کہتا ہے: میں ان کے ساتھ چل دیا اور طے پایا کہ قبرستان کے قریب والے غسل والے کمرے میں انھیں غسل دیا جائے۔

وہ کہتا ہے: جب ہم نے غسل دینے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ اس کمرے میں روشنی کا بندوبست نہیں ہے۔ ایک آدمی نے تجویز دی کہ ایک گاڑی کو قریب کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں غسل دیتے ہیں، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

موذن کہتا ہے: جونہی میں پہلے نوجوان کو غسل دینے لگا تو اچانک اس کی شہادت والی انگلی اشارۂ توحید کے ساتھ اٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی انگلی کو دبانے کی کوشش کی، لیکن نہ کر سکا، لیکن اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو یوں لگا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ بالکل یہی کچھ دوسرے نوجوان کے ساتھ بھی ہوا۔ جیسے ہی تیسرے نوجوان کو غسل دینے لگا تو ایسا حادثہ رونما ہوا کہ کسی بشر کے دل پر کھٹک

بھی نہیں سکتا، اس کے چہرے سے عجیب روشنی پھوٹ رہی تھی، یہاں تک کہ بعض حاضرین نے مشورہ دیا کہ گاڑی کی لائٹ بند کر دی جائے اور اسے اس نور میں غسل دیا جائے، جو اس کے چہرے سے ٹپک رہا ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور: ٤٠]

''اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔''

ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ نوجوان حسنِ خاتمہ پر فوت ہوئے ہیں، لیکن ان میں سے افضل یہ نوجوان تھا، جس کے چہرے سے نور ہویدا تھا۔

ہمیں بھی اللہ جل وعلا کی فرمانبرداری میں ہر لحظہ غنیمت جاننا چاہیے، تاکہ ہمارا خاتمہ بھی سعادت مندوں والا ہو، نیز ان انوار والوں میں سے ہو جائیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [التحریم: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو، شاید تمھارا رب تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس دن جب اللہ نبی کو اور

اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، وہ کہیں گے: (اے) ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [الحديد: ١٢]

''اس دن آپ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، (کہا جائے گا) آج تمھیں ایسے باغات کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔''

کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟

فارس کے ایک دانا بزرگ بزرجمہر نے کہا:

ایک ایرانی بڑھیا تھی اور ایران کے فرمان روا کسریٰ کے محل کے پڑوس میں اس کی جھونپڑی میں اس کا ایک مرغا تھا۔ وہ دوسری بستی کی طرف عازمِ سفر ہونے لگی تو اس نے دعا کی: اے رب! میں مرغا تیرے سپرد کرتی ہوں۔ جب چلی گئی تو کسریٰ نے جھونپڑی کو گرانا چاہا، تا کہ اپنے محل اور باغ کو وسیع کر سکے، اس کی فوج نے مرغے کو ذبح اور جھونپڑی کو گرا دیا، بڑھیا لوٹی تو آسمان کی

طرف رخ کر کے کہنے لگی: یا رب! میں غائب ہوگئی تھی تو تو کہاں تھا؟ اللہ نے اسے انصاف لے کر دیا اور اس کے لیے انتقام لیا، چنانچہ کسریٰ کے بیٹے نے چھرا پکڑ کر اپنے باپ پر چڑھائی کر دی اور اس کے بستر پر اسے قتل کر دیا۔

ہم برے خاتمے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں

مصر میں ایک نیک موذن تھا، ایک دن منارے پر اذان دینے کے لیے چڑھا تو اس نے منارے سے ایک حسین و جمیل نصرانی عورت دیکھ لی اور وہ اس کے فتنے میں مبتلا ہو گیا، اس کی طرف گیا تو وہ تعلق قائم کرنے سے رک گئی، وہ بولا: میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا: تو مسلمان ہے اور میں نصرانی ہوں، میرا باپ نہیں مانے گا، اس نے کہا: میں نصرانی ہو جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگی: اب قبول کر لے گا اور راضی ہو جائے گا، چنانچہ آدمی نصرانی ہو گیا اور لڑکی والوں نے نکاح کا وعدہ کر لیا، اسی دن جب وہ کسی کام سے چھت پر چڑھا تھا، اس کا قدم پھسلا اور گر کر مر گیا اور وہ اس کو پا سکا اور نہ اپنے دین میں کام یاب ہوا۔

ہم برے خاتمے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں!!

ے

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

شعلہ زن قبرستان

مصر کے قدیم قبرستان کا پہرے دار آدھی رات کو قبرستان کے گیٹ پر کھڑا تھا تو اس نے قبروں سے اٹھتی ہوئی آگ دیکھی، پھر گھنا دھواں نکلنے لگا

جس سے آسمان اَٹ گیا۔ پہرے دار عبدالغفار خوف سے کپکپانے لگا اور جو آنکھ سے دیکھا اس کی تصدیق نہ کر پایا۔ بھاگتا ہوا قریبی پولیس چوکی کی طرف گیا اور انھیں حادثے کی خبر دے رہا اور کہہ رہا تھا: بے شک چوروں نے قبرستان کو آگ لگا دی ہے!

تقریباً دس منٹ بعد پولیس اور فائر بریگیڈ والے پہنچ گئے اور آگ بجھانے لگے، انھوں نے آگ بجھا دی اور دبیز دھواں ختم ہو گیا، لیکن وہ سب گھبرا کر رہ گئے، جب انھوں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد آگ دوبارہ لگ گئی ہے اور پہلی مرتبہ سے بڑھ کر ہے، پھر تھوڑی دیر ٹھہری رہی، کسی نے نہیں بجھائی۔

پولیس والے قبریں کھودنے لگے، شاید کسی نشانی پر مطلع ہو سکیں، لیکن پرانے ڈھانچوں کے سوا کچھ نہ پایا، نہ قبروں کے اندر آگ کا کوئی سراغ ملا اور انھیں اس عجیب وغریب حادثے کی تفصیلات میسر نہ آ سکیں۔

کائنات میں ایسے راز ہائے سر بستہ ہیں کہ انھیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

جنت کے طلب گار

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مخلص وزیر رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ تھا جب کہ وہ مدینے کے گورنر مقرر ہوئے تھے، انھوں نے مجھے لباس خریدنے کے لیے بھیجا تو میں پانچ سو درہم کا کپڑا خرید لایا، جب انھوں نے دیکھا تو فرمایا: یہ بہت عمدہ ہے، اگر اتنا ارزاں قیمت نہ ہوتا۔ جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو مجھے کپڑا خریدنے کے لیے بھیجا تو میں نے پانچ درہم کا لباس خریدا، جب اسے دیکھا تو فرمایا: یہ بہت اچھا ہے

اگر اتنا گراں قیمت نہ ہوتا تو!

رجاء رحمہ اللہ نے کہا: جب میں نے ان کی بات سنی تو رو پڑا۔

عمر رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: اے رجاء! تجھے کون سی چیز رلا رہی ہے؟ میں نے کہا: مجھے آپ کا چند سال قبل کا لباس اور جو کچھ آپ نے فرمایا تھا، وہ یاد آ گیا، اس پر عمر رحمہ اللہ نے فرمایا: اے رجاء رحمہ اللہ! بے شک میرا بڑا خواہش مند دل ہے، مجھے جو چیز بھی حاصل ہوئی، دل نے اس سے بڑھ کر مزید عمدہ اور اعلیٰ چیز کی تمنا کی، میرے دل نے آرزو کی کہ میں اپنی چچا زاد فاطمہ بنت عبدالملک سے نکاح کروں تو کرلیا، پھر میرا دل گورنری کا خواہش مند ہوا تو وہ مجھے مل گئی، میرے دل نے خلافت کی انگڑائی لی تو وہ بھی حاصل ہوگئی اور اب اے رجاء! میرا دل جنت کا مشتاق ہے، سو امید کرتا ہوں میں اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں۔

مجھے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ابھی میرے پاس سے میرے خلیل جبریل علیہ السلام نکلے ہیں اور فرمایا ہے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، بے شک اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جس نے سمندر میں واقع ایک پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو سال اللہ کی عبادت کی ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی تیس ہاتھ ہے، جب کہ دریا کو ہر طرف چار ہزار فرسخ گھیرے ہوئے ہیں، اللہ نے اس کے لیے انگلی کے عرض بہ قدر ایک چشمہ جاری کر دیا ہے جس سے میٹھا پانی نکلتا ہے جو

پہاڑ کے نشیب میں ٹھہر جاتا ہے، نیز انار کا ایک درخت ہے جو ہر رات اس کے لیے انار اگاتا ہے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے، اس نے موت کے وقت اپنے رب سے سوال کیا کہ اسے سجدے کی حالت میں موت دے اور زمین کو اور نہ ہی کسی اور فساد برپا کرنے والی چیز کو موقع دے تاآنکہ اللہ اسے اٹھائے تو وہ سجدے ہی میں ہو۔

جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے ایسا ہی کیا ہے اور ہم جب اترتے اور آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اس کے پاس سے گزرتے ہیں، ہم اس کے متعلق یہ علم بھی رکھتے ہیں کہ اسے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا، اللہ فرمائیں گے: میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو، وہ کہے گا: اے میرے رب! بلکہ میرے عمل کی وجہ سے، اللہ فرمائیں گے: میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ کہے گا: یا رب! بلکہ میرے عمل کے باعث، اللہ فرمائیں گے: میرے بندے پر میری نعمت اور اس کے عمل کا موازنہ کرو، تو صرف ایک آنکھ کی نعمت پانچ سو سال کی عبادت کا احاطہ کر لے گی اور باقی سارے جسم کی نعمت اس پر زائد ہو گی۔

اللہ فرمائیں گے: اسے واپس لاؤ! اسے اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا تو اللہ فرمائیں گے: اے میرے بندے! تجھے کس نے پیدا کیا؟ تُو تو کچھ نہ تھا؟ کہے گا: تو نے یا رب! اللہ فرمائیں گے: پانچ سو سال کی عبادت کے لیے تجھے کس نے قوت دی؟ کہے گا: تو نے یا رب! پھر فرمایا جائے گا: موجوں کے درمیان پہاڑ میں تجھے کس نے اتارا اور کھارے پانی میں سے میٹھے پانی کا چشمہ کس نے نکالا اور تیرے لیے ہر رات انار اگایا، حالانکہ وہ سال بھر میں صرف

ایک مرتبہ پھل لاتا ہے، تو نے دعا کی کہ سجدے کی حالت میں موت آئے، تو کس نے ایسے ہی کیا؟ کہے گا: تو نے یارب! اللہ فرمائے گا: یہ میری رحمت ہے، اپنی رحمت ہی سے تجھے جنت میں داخل کروں گا۔ میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو، تو بہت اچھا بندہ تھا اے میرے بندے چنانچہ اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

باب 3

معجزات اور کرامات

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ اچانک چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے گر گیا اور دوسرا اس کے آگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا:

((اِشْهَدُوْا)) [1] ''تم گواہ ہو جاؤ۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انھیں چاند کا دو ٹکڑے ہونا دکھایا۔ [2]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے معجزات میں سے ہے، اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے بیان کیا ہے۔

کھجور کے تنے کا گریہ وزاری کرنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: اپنے بڑھئی غلام سے کہو کہ وہ میرے لیے منبر تیار کرے، تا کہ لوگوں سے ہم کلام ہوتے وقت میں اس پر بیٹھ سکوں، چنانچہ اس نے غلام سے کہا تو اس نے جنگل کے جھاؤ درخت کی لکڑی سے منبر تیار

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٦٤) صحيح ملسم، رقم الحديث (٢٨٠٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٦٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٠٢)

کر دیا۔ پھر وہ اسے لے کر آیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا اور اسے رکھ دیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ ﷺ کے لیے منبر رکھا گیا تو ہم نے دس ماں کی حاملہ اونٹنی کی مثل تنے کے رونے کی آواز سنی، یہاں تک کہ نبیِ مکرم ﷺ منبر سے اترے اور اس پر اپنا ایک ہاتھ مبارک رکھ دیا۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ اس ذکر کی وجہ سے رو رہا تھا، جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح بخاری کی دوسری روایت یوں مروی ہے کہ نبیِ مکرم ﷺ جمعہ والے دن ایک درخت یا کھجور کی طرف کھڑے ہوا کرتے تھے تو انصار کی ایک عورت یا آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے لیے منبر نہ بنا دیں؟ فرمایا: ((اِنْ شِئْتُمْ)) ''اگر تم چاہو۔''

چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کے لیے منبر بنا دیا۔ پھر جب جمعے کا دن تھا تو نبیِ مکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے تو کھجور کا تنا بچے کی طرح رونے لگا، پھر نبیِ مکرم ﷺ نیچے اترے اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا، وہ اس بچے کی طرح گریہ کناں تھا جسے (تھپکی دے کر) سکون دلایا جاتا ہے، پھر کہا: وہ اس ذکر کی وجہ سے رو رہا تھا کہ جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔

سنن دارمی میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ مکرم ﷺ جمعے والے دن کھڑے ہوتے تو اپنی کمر مسجد میں نصب ایک تنے کے ساتھ لگا دیتے اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک رومی شخص آیا اور بولا: کیا ہم آپ ﷺ کے لیے ایسی چیز نہ بنائیں کہ آپ ﷺ اس پر بیٹھا کریں اور یوں لگے کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں، چنانچہ اس

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩١٨)

نے آپ ﷺ کے لیے منبر بنا دیا۔ اس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری پر آپ ﷺ تشریف فرما ہوتے۔ جب نبی مکرم ﷺ اس منبر پر بیٹھے تو تنا رسول اللہ ﷺ پر غم کھاتے ہوئے بیل کی طرح آوازیں نکالنے لگا، یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور اسے سینے سے لگا لیا، وہ بیل کی طرح آواز نکال رہا تھا اور جب آپ نے اسے ساتھ لگایا تو وہ پرسکون ہو گیا، پھر فرمایا:

((أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ لَمَا زَالَ هٰكَذَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ حَزَناً عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ))

"سنو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو یہ رسول اللہ ﷺ پر غمگین ہو کر اسی طرح قیامت کے دن تک آوازیں نکالتا رہتا۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا تو اسے دفن کر دیا گیا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حسن کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حدیث میں ہے کہ حسن جب اس حدیث کو بیان کیا کرتے تو فرماتے: اے مسلمانوں کی جماعت! ایک لکڑی تو رسول اللہ ﷺ کے شوقِ ملاقات کے لیے روتی اور بلبلاتی ہے، تم تو سب سے زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ رضی اللہ عنہما ﷺ کی طرف اشتیاق رکھو!

آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگ گئی اور نبی مکرم ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا، آپ ﷺ نے وضو کیا تو

[1] السلسلة الصحيحة (٢١٧٤)

لوگ آپ ﷺ کی طرف بھاگے ہوئے آئے ، پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟ کہا: ہمارے پاس وضو کے لیے پانی نہیں اور نہ ہم پی سکتے ہیں مگر جو آپ ﷺ کے سامنے چرمی برتن میں ہے، چنانچہ نبیِ مکرم ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھ دیا تو پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے یوں پھوٹنے لگا جیسے چشمے ہوں، ہم نے اس سے پیا اور وضو بھی کیا، میں نے پوچھا: آپ کتنے افراد تھے؟ فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں کافی تھا، تب ہم پندرہ سو تھے۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، عصر کا وقت ہو چکا تھا، لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا لیکن نہ پایا، رسول اللہ ﷺ کے پاس پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس میں سے وضو کریں۔ کہا: میں نے پانی کو دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا ہے اور لوگوں نے آخری آدمی تک وضو کر لیا۔

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کتنے افراد تھے؟ فرمایا: تین سو، یا تین سو کے قریب۔

کھانے کی تسبیح

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ہم معجزات کو برکت گردانا کرتے تھے اور تم انھیں بطور تخویف شمار کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو پانی کم ہو گیا۔ آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥٧٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٥٦)

نے فرمایا: بچا ہوا پانی تلاش کرو، چنانچہ وہ ایک برتن لے آئے، جس میں تھوڑا سا پانی تھا، آپ ﷺ نے برتن میں ہاتھ ڈال دیا، پھر فرمایا: مبارک اور پاک پانی پر آ جاؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے، یقیناً میں نے دیکھا کہ پانی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے اور بلاشبہہ ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔[1]

اونٹ اور آدابِ مصطفیٰ ﷺ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک گھر والے تھے اور ان کا ایک اونٹ تھا، جس پر وہ پانی لایا کرتے اور فصلوں کو سیراب کرتے تھے، وہ ان پر مشکل ہو گیا تو انھوں نے اس سے کام لینا چھوڑ دیا۔ انصار رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے اور گویا ہوئے، ہمارا ایک اونٹ تھا، جس پر ہم پانی لا کر سیراب کیا کرتے تھے، وہ ہم پر مشکل ہو گیا ہے اور ہم نے اس کی سواری چھوڑ دی ہے، کھیتی اور باغ پیاسے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، وہ کھڑے ہو گئے اور ایک باغ میں داخل ہوئے، اونٹ اس کے ایک کونے میں تھا، نبیِ مکرم ﷺ اس کی طرف چل پڑے، انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک اب وہ ایک چیرنے پھاڑنے والے کتے کی طرح ہو چکا ہے، ہمیں خطرہ ہے کہ آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دے، فرمایا:

((لَيْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَأْسٌ)) ''مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٧٩)

جب اونٹ نے نبی مکرم ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف چل پڑا اور آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پیشانی سے پکڑ لیا، وہ خوب جھک گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کو کام کے لیے جوت دیا، آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ایک بے عقل چوپایہ ہے، جو آپ ﷺ کے لیے سجدہ کر رہا ہے، ہم تو خرد مند ہیں، ہم آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلُحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ كَانَ مِنْ قَدَمِهِ إِلَى مَفْرَقِ رَأْسِهِ قَرْحَةٌ تَتَفَجَّرُ بِالْقَيْحِ وَالصَّدِيْدِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتْهُ فَلَحَسَتْهُ مَا أَدَّتْ حَقَّهُ))

”کسی انسان کے لیے زیبا نہیں کہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔ اگر کسی بشر کا کسی بشر کے لیے سجدہ ریز ہونا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ اس پر خاوند کا بڑا عظیم حق ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر خاوند کے پاؤں سے لے کر اس کے سر کے مانگ تک زخم ہو اور وہ پھوٹ پڑے جس سے پیپ اور کچھ لہو بہہ پڑے، پھر بیوی اس کے سامنے آئے اور اس کو چاٹ لے تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہوتا۔“[1]

اونٹ نبی کریم ﷺ کے سامنے روتا اور شکایت کرتا ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ

[1] مسند أحمد (١٢٢٠٣) صحيح الترغيب والترهيب (١٩٣٦)

نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا اور راز کی بات کی، وہ میں قطعاً کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے کھجور کے درختوں کے جھنڈ پسند فرماتے تھے۔ ایک دن انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے تو ایک اونٹ آپ ﷺ کے پاس آیا، وہ بلبلانے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کانوں کے پیچھے ابھری ہوئی ہڈیوں اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پر سکون ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آیا اور بولا: وہ میرا ہے اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا:

((أَمَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَهَا اللّٰهُ لَكَ، إِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ))[1]

''تو اس چوپائے کے متعلق اللہ سے نہیں ڈرتا کہ جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے؟ بے شک اس نے میری طرف شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے اور تیزی سے ہانکتے ہو۔''

بے دودھ بکری کے تھن سے دودھ کا اترنا

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، میرے پاس اللہ کے رسول ﷺ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! هَلْ مِنْ لَّبَنٍ؟)) ''اے لڑکے! کیا کچھ دودھ ہوگا؟''

میں نے کہا: جی ہاں! لیکن میں امانت دار ہوں۔ فرمایا:

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤٢) سنن أبی داود، رقم الحديث (٢٥٤٩)

((فَهَلْ مِنْ شَاةٍ لَمْ يَنزُ عَلَيْهَا الْفَحْلُ؟))

''کیا کوئی ایسی بکری ہے جس سے نر نے جفتی نہ کی ہو؟''

یعنی ابھی دودھ نہ دیتی ہو۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس ایک بکری لایا تو آپ ﷺ نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو اسے دودھ اتر آیا، پھر اسے ایک برتن میں دھویا، خود پیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر فرمایا: ((اُقْلُصْ)) یعنی سکڑ جا اور دودھ اتارنے سے رک جا۔ وہ سکڑ گیا، تو کہا: پھر میں اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے یہ کچھ کلام سکھا دیجیے؟ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ! إِنَّكَ غُلَيِّمٌ مُعَلَّمٌ))[1]

''اللہ تجھ پر رحم کرے! بے شک تو سکھایا ہوا ایک ننھا بچہ ہے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے کہا: مجھے اس کلام میں سے کچھ سکھلا دیجیے، فرمایا:

((إِنَّكَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ)) ''بے شک تو ایک سکھایا ہوا بچہ ہے۔''

چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ہونٹوں سے ستر سورتیں حاصل کیں، جن کے متعلق کوئی ایک بھی مجھ سے اختلاف نہیں کرتا۔[2]

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو جنوں کے آپ ﷺ کی تلاوت غور سے سننے کی خبر دی تھی

[1] مسند أحمد (٣٥٨٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٣٨٩)

وہ درخت تھا، صحیح البخاری میں ہے کہ معن بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے مسروق سے سوال کیا کہ جس رات جنوں نے قرآن سنا تھا، رسول اللہ ﷺ کو کس نے آگاہ کیا تھا؟ فرمایا: مجھے تیرے والد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ کو ایک درخت نے اطلاع دی تھی۔[1]

جنگلی جانوروں کا نبیِ مکرم ﷺ کا احترام بجا لانا

وہ حدیث جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے لیے ایک جانور تھا، جب رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر جاتے تو وہ خوب بھاگتا دوڑتا اور کھیلتا، جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو اس کراہت سے سکون کے ساتھ بیٹھ جاتا اور کوئی حرکت نہ کرتا کہ آپ ﷺ کو تکلیف ہو گی۔[2]

بھیڑیے کی شہادتِ رسالت

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ایک بھیڑیے نے بکری پر چڑھائی کی اور اسے پکڑ لیا تو چرواہا اس کے پیچھے بھاگا اور بکری کو اس سے چھین لیا، بھیڑیا پچھلی ٹانگوں کو زمین پر پھیلا کر سرین پر بیٹھا اور اگلی ٹانگوں کو کھڑا کر کے کہنے لگا: تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ تو مجھ سے وہ رزق چھینتا ہے جسے اللہ نے میری طرف چلا دیا؟ اس نے کہا: ہائے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٨٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٥٠)

[2] مسند أحمد (٢٤٦٤٣) قال في الأرنؤوط: إسناده ضعيف

تعجب! بھیڑیا انسانوں جیسا کلام کر رہا ہے؟ بھیڑیا بولا: میں تجھے اس سے بھی عجیب بات نہ بتاؤں؟ محمد ﷺ یثرب میں لوگوں کو پہلے لوگوں کے واقعات سنا رہے ہیں۔ وہ چرواہا اپنی بکریاں لے کر سوئے منزل چل پڑا، یہاں تک کہ اس کے ایک کنارے میں لا کھڑا کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو خبر دی، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور آواز لگا دی گئی کہ نماز اکٹھا کرنے والی ہے، پھر آپ ﷺ نکلے اور چرواہے سے فرمایا: ((أَخْبِرْهُمْ)) ''لوگوں کو بھی وہی قصہ سنا۔'' چنانچہ اس نے انھیں سنا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صَدَقَ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْإِنْسَ، وَيُكَلِّمُ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ، وَشِرَاكُ نَعْلِهِ وَيُخْبِرُهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَهُ أَهْلُهُ بَعْدَهُ))

''اس نے سچ کہا، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ درندے انسانوں سے ہم کلام ہوں گے اور آدمی سے اس کے کوڑے کا کنارہ اور جوتے کا تسمہ بات کرے گا، نیز اس کی ران اسے آگاہ کرے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں میں کیا واقعہ پیش آیا۔''[1]

نبی کریم ﷺ چالیس جنتی آدمیوں جتنی طاقت رکھتے تھے

صحیح البخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ ایک ہی رات اپنی بیویوں کے ہاں چکر لگاتے اور آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔[2]

[1] مسند أحمد (١١٣٨٣) السلسلة الصحيحة (١٢٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٦٨)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں قتادہ رحمہ اللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ہی گھڑی میں اپنی بیویوں پر چکر لگاتے اور وہ گیارہ تھیں۔ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طاقت رکھتے تھے؟ فرمایا: ہم کہا کرتے تھے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے۔[1] نیز ایک اور روایت میں ہے: چالیس آدمیوں کی طاقت ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں کہ ابونعیم کی "صفة الجنة" میں مجاہد کے طریق سے یہ اضافہ بھی ہے کہ ((مِنْ رِجَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) "جنتی آدمیوں جتنی قوت۔"

مسند احمد، سنن نسائی اور حاکم رحمۃ اللہ علیہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ سیدنا زید بن ارقم رحمہ اللہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے:

((إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُطْعىٰ قُوَّةَ مِائَةٍ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَةِ))

"یقیناً ایک جنتی آدمی کھانے، پینے، جماع اور شہوت میں سو آدمیوں جتنی قوت دیا جائے گا۔"

اس اعتبار سے ہمارے نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت چار ہزار آدمیوں کے برابر ہوتی ہے۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٨)

[2] فتح الباري (١/ ٤٥٠)

اگر وہ نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوتا تو فرشتے اسے اچک لیتے

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة: ٦٧]

''اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا۔''

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا کہ ابو جہل نے کہا: کیا محمد ﷺ تمھارے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ (سجدہ کرتا ہے) کہا گیا: ہاں، اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر اس نے ایسا کیا تو میں ضرور اس کی گردن کو روند ڈالوں گا یا اس کا چہرہ مٹی میں ملا دوں گا۔

پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس، جب کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، آیا اور وہ آپ ﷺ کی گردن کو روندنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا، لوگ یہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پھسل رہا اور اپنے ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا، اس بارے میں پوچھا گیا تو بولا: بے شک میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق، ہول ناکی اور پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ دَنَامِنِّي لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْواً عُضْواً)) [1]

''اگر وہ میرے قریب ہوتا تو یقیناً فرشتے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔''

بچوں کی نبیِ مکرم ﷺ سے محبت

بحرین کے چند بچے گیند کے ساتھ کھیل رہے تھے اور بحرین کا پادری بیٹھا ہوا تھا تو گیند اس کے سینے پر جا گرا اور اس نے پکڑ لیا، بچہ مانگنے لگا، لیکن اس

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۹۷)

نے انکار کر دیا۔ ایک بچے نے کہا: میں آپ سے محمد ﷺ کی حرمت کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ آپ ہمیں یہ دے دیں، اس نے انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنے لگا، بچے لاٹھیوں کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے، یہاں تک کہ مر گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو وہ اللہ کی قسم! کسی فتح اور مالِ غنیمت کے ملنے پر اتنے خوش نہ ہوئے جتنے وہ بچوں کے اس پادری کو قتل کرنے پر شاداں و فرحان ہوئے اور فرمایا: اب اسلام مضبوط و معزز ہوا کہ چند چھوٹے بچے، جن کے نبی کو گالی دی گئی تو غیظ و غضب میں آ گئے اور انتقام لے لیا، پھر پادری کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینے والے کو زمین اگل دیتی ہے

صحیحین میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نصرانی شخص تھا جو مسلمان ہو گیا اور سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لی۔ وہ نبی اکرم ﷺ کا کاتب بن گیا، لیکن پھر نصرانی ہو گیا اور کہنے لگا: محمد ﷺ کو بس وہی علم ہے جو میں نے اسے سکھا دیا ہے۔ اللہ نے اسے مار دیا اور لوگوں نے دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہوا تھا۔ کہنے لگے: یہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے کہ جب اس نے انھیں چھوڑا تو انھوں نے ہمارے آدمی کو قبر سے باہر پھینک دیا، چنانچہ انھوں نے قبر کھودی اور گہرا کر کے دفن کر دیا، صبح ہوئی تو پھر زمین نے اسے باہر اگل دیا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگے: یہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے کہ جب یہ ان سے بھاگ آیا تو انھوں نے اسے قبر سے باہر نکال پھینکا، اب انھوں نے جتنی ہو سکتی تھی گہری کھدائی کی اور دفن کر دیا، لیکن صبح

ہوئی تو قبر نے اسے باہر پھینک دیا ہوا تھا، اب انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگوں کا کام نہیں ہے، چنانچہ وہ اسے باہر ہی پھینک گئے۔

اللہ عزوجل اسی طرح اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتقام لیتا ہے اور فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الحج: ٣٨]

''سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔''

اللہ آسمان سے بجلی گرا دیتا ہے

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی کو جاہلیت کے سرداروں میں سے کسی ایک شخص کی طرف بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلا رہے تھے، اس نے کہا: تیرا رب کیا چیز ہے کہ جس کی طرف تو مجھے دعوت دے رہا ہے؟ وہ لوہے کا ہے؟! تانبے کا ہے؟! چاندی کا ہے یا سونے کا ہے؟! اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ بھیج دیا۔

وہ آدمی یوں ہی بولا: اس نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیسری بار بھیجا تو بھی اس نے ایسے ہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بجلی گرا دی اور اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَرْسَلَ عَلَى صَاحِبِكَ صَاعِقَةً فَأَحْرَقَتْهُ))[1]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھی پر بجلی گرا کر اسے جلا دیا ہے۔''

[1] كشف الأستار (٣/٥٤) بإسناد صحيح

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ [الرعد: ۱۳]

''وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے، کفار اللہ کی بابت لڑ جھگڑ رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے۔''

قبول ہونے والی دعا اور بابرکت بارش

صحیحین میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی جمعے والے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے، اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں بارش عطا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ! اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ! اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ! اسْقِنَا))

''الٰہی! ہمیں بارش نصیب کر۔ الٰہی! ہم پر بارش برسا۔ الٰہی! ہمیں بارش عطا فرما۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم! ہم آسمان پر کوئی بادل، نہ بادل کا ٹکڑا اور نہ کوئی چیز دیکھ رہے تھے، حالاں کہ ہمارے اور سلع (پہاڑ) کے درمیان کوئی گھر نہ تھا، پھر اس کے پیچھے سے ڈھال کی طرح بادل نمودار ہوا، جب آسمان کے درمیان آیا تو

پھیل گیا اور پھر برس پڑا۔ واللہ! ہمیں چھے دن سورج دیکھنے کو نہ ملا، آیندہ جمع کو پھر ایک آدمی اس دروازے سے داخل ہوا اور بولا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مال تباہ ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے، اللہ سے دعا کریں کہ اسے روک لے۔ رسول ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ! حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ! عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالْآجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ))

''الٰہی! ہم پر نہ برسا، ہمارے اردگرد برسا، الٰہی! ٹیلوں، پہاڑوں، گھنے درختوں، پر نالوں، وادیوں اور جنگلات پر برسا۔''

چنانچہ بارش تھم گئی اور ہم نکلے تو دھوپ میں چل رہے تھے۔[1]

دعاے نبوی کی برکت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی حدیث نہ بھولے

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یقیناً تم خیال کرتے ہو گے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ احادیث روایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ میں ایک مسکین آدمی تھا، اپنے پیٹ بھرنے پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا، مہاجرین کو منڈیوں میں تجارت مصروف رکھتی اور انصار کو اپنے مالوں کی نگرانی مشغول کرتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنا کپڑا بچھائے گا، وہ ہرگز کچھ نہ بھولے گا جو بھی مجھ سے سنے گا۔ میں نے اپنا کپڑا بچھا دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل کر لی، پھر میں نے کپڑا سینے سے لگا لیا، پھر جو

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۰۱۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۹۷)

آپ ﷺ سے سنا کبھی نہ بھولا۔[1]

شیطانی جن اور انسان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگتے ہیں

بے شک انسان کا خوف جس قدر اللہ عزوجل سے بڑھ جاتا ہے تو یقیناً اللہ اس کی ہیبت اس کے گردو پیش والوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ آیئے! وہ امت کے فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ نے شیاطین کے دلوں میں جن کا خوف ڈال دیا ہے۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی مارے خوف کے بھاگ اٹھتے ہیں!!

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے اجازت چاہی اور آپ ﷺ کے پاس قریش کی عورتیں تھیں جو آپ ﷺ سے ہم کلام تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے مطالبات کر رہی اور زیادہ طلب کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں آپ ﷺ کی آواز سے بلند تھیں، جب عمر رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت لی تو وہ اٹھ کر جلدی سے پردوں میں ہو گئیں۔ نبی مکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دی، عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو نبی مکرم ﷺ مسکرا رہے تھے، عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اللہ آپ ﷺ کے دانتوں کو مسکراتا ہی رکھے،[2] میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ کو کون سی چیز ہنسا رہی ہے؟ فرمایا:

((عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي، فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ))

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٢)

[2] زیادہ ہنسنے کی دعا مراد نہیں، بلکہ اس کا لازم، یعنی سرور مراد ہے یا اس کی ضد نفی، یعنی حزن مراد ہے۔ (فتح الباري (٧/٥٨)

''مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا ہے جو میرے پاس تھیں، جوں ہی تیری آواز سنی تو جلدی سے پردوں میں ہو گئیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈریں۔ پھر کہا:

اپنی جانوں کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟ انھوں نے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت خو اور سخت کش ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِيْهٍ[1] يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكاً فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ))[2]

''اے خطاب کے بیٹے! تم جو بھی کہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تجھے جب بھی کسی راستے میں شیطان ملتا ہے تو تیرے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَى شَيَاطِينِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ))[3]

''بے شک میں شیاطین جن و انس کو دیکھتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگے پھرتے ہیں۔''

---

[1] کسرے اور تنوین کے ساتھ ہو تو معنی ہے: تو جو چاہے ہمیں بیان کر اور بغیر تنوین کے ساتھ ہو تو مطلب ہے: جو بیان کیا ہے اور بیان کرو۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٩٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٩٧)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٦٩١) صحيح الجامع (٤٢٦١)

اے ساریہ پہاڑ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک امیر مقرر کیا، جس کا نام ساریہ تھا، فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ پکارنے لگے: اے ساریہ! پہاڑ، اے ساریہ! پہاڑ، تین بار فرمایا: پھر لشکر کا قاصد آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ بولا: اے امیر المومنین! ہم ہزیمت کا شکار تھے، اس دوران ہم نے اچانک ایک پکارنے والے کی آواز سنی: اے ساریہ! پہاڑ، تین مرتبہ آوازیں آئیں تو ہم نے پہاڑ کے ساتھ اپنی پشتیں لگا دیں اور اللہ نے دشمن کو شکست دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہی تو یہ الفاظ بول بول کر کہہ رہے تھے۔[1]

علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قصہ صحیح اور ثابت ہے۔ یہ ایک کرامت ہے، جس کے باعث اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عزت بخشی کہ جب ان کے ذریعے مسلمانوں کے لشکر کو قید یا حملے سے بچا لیا، لیکن اس میں وہ اس غیب پر مطلع ہونا نہیں ہے جس کا دعوی صوفیا کرتے ہیں۔ یہ بس شرعی عرف میں الہام کی قبیل سے ہے یا دورِ جدید کے عرف میں تخاطر ہے کہ جو معصوم نہیں ہوتا، کبھی درست ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس واقعے میں ہے اور کبھی غلط ہو جاتا ہے، جیسے انسان کا غالب و اکثر معاملہ ہے۔[2]

---

[1] رواه البيهقي في الدلائل، وابن عساكر، وابن كثير في البداية (١٣٥/٧) وقال: وهذا إسناد جيد حسن. الصحيحة (١١١٠)

[2] السلسلة الصحيحة (١١١٠)

عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے نیل کی طرف خط

جب مصر فتح کر لیا گیا اور عجمی مہینا بونہ شروع ہوا تو اہلِ مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے امیر! ہمارے اس نیل کی ایک عادت ہے، یہ اس کے بغیر نہیں چلتا۔ پوچھا: وہ کیا ہے؟ کہا: جب اس مہینے کی بارہ راتیں ہو جاتی ہیں تو ہم ایک دوشیزہ کا قصد کرتے ہیں، اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں اور اسے نفیس ترین زیورات اور ملبوسات سے سجا دیتے ہیں، پھر اس کو نیل کی لہروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جو اسلام میں جائز نہیں ہے، بے شک اسلام گزشتہ چیزوں کو منہدم کرتا ہے۔ اس پر وہ بونہ، ابیب اور مصری تین ماہ ٹھہرے رہے، لیکن نیل نہ چلا، تھوڑا نہ زیادہ، یہاں تک کہ وہ جلا وطنی پر تُل گئے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اس بابت خط لکھا تو انھوں نے جواباً لکھا: آپ نے جو کیا درست کیا اور بے شک میں نے اپنی خط کے اندر ایک رقعہ آپ کی طرف بھیجا ہے، اسے نیل میں پھینک دینا، جب ان کا خط آیا اور عمرو رضی اللہ عنہ نے رقعہ لیا تو اس میں تحریر تھا:

امیر المومنین، اللہ کے بندے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے، مصر کے نیل کی طرف، اما بعد، اگر تو نے اپنی طرف سے اور اپنے حکم سے چلنا ہے تو نہ چل، ہمیں تیری کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر تو زبردست ایک اللہ کے حکم سے چلتا ہے، اور وہی تجھے رواں رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ تجھے رواں کر دے۔ انھوں نے خط نیل میں پھینک دیا، جب ہفتے کے دن کی صبح کی تو

اسی رات میں اللہ نے نیل کو سولہ ہاتھ بلندی پر رواں کر دیا ہوا تھا اور اللہ نے ہمیشہ کے لیے اہلِ مصر سے اس بری عادت کو ختم کر دیا۔[1]

ایسا عبور کہ تاریخ میں جس کی کوئی نظیر نہیں

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف کسریٰ کے دار الخلافہ ''مدائن'' کی طرف پیش قدمی کرنے کا خط لکھا۔ دشمن کے لشکر نے بھی مدائن کی جانب حرکت کی۔ مسلمان اللہ کی مدد اور نصرت کے سہارے ''برس'' بابل اور ''بہرسیر'' سے ہوتے ہوئے مدائن کے مقابل دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ اپنے لشکر کو کشتیوں کے ذریعے پرامن طریقے سے عبور کروا دیں، لیکن کوئی کشتی نہ حاصل کر سکے، کیوں کہ پارسیوں نے کشتیاں قبضے میں لے لی تھیں، تاکہ مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر سکیں۔

دریا بڑا چوڑا اور پانی سے بھرا پڑا تھا۔ زبردست روانی کے باعث جھاگ پھینک رہا تھا، موجیں تلاطم خیز تھیں، جن کی طغیانی مزید بڑھ چکی تھی، پانی کی سطح بہت بلند ہو گئی تھی۔ ایک رات سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر دجلہ کے گہرے پانی میں کود پڑے ہیں اور اسے عبور کر لیا ہے، حالاں کہ دریا بہت بڑی طغیانی میں تھا۔

انھوں نے خواب شرمندہ تعبیر کر دکھایا اور اسے عبور کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا۔ سارے لشکر کو اکٹھا کیا اور خطاب کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: یقیناً تمھارے دشمن نے اس دریا کو تم سے آڑ بنا لیا ہے، اس کے ہوتے

---

[1] البداية و النهاية لابن كثير (۷/۱۰۲، ۱۰۳)

ہوئے تم اس تک نہیں پہنچ سکتے، جب کہ وہ جب چاہیں تم تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی کشتیوں ہی میں تم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ تمھارے پیچھے کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس سے تم خوف محسوس کرتے ہو، اہلِ ایام نے تمھیں اس سے کفایت کر دیا ہے، انھوں نے اپنے مورچے خالی اور زادِ راہ ختم کر دیے ہیں، میں زیادہ بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ اس سے قبل کہ دنیا تم پر تنگ ہو جائے، اپنے پختہ ارادوں کے ساتھ دشمن پر جہادی یلغار سے پل پڑو۔ آگاہ ہو جاؤ! میں نے اس دریا کو عبور کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے، سب مجاہدین نے کہا: اللہ نے ہمارا اور آپ کا رشد و ہدایت پر ارادہ مستحکم کر دیا ہے، آپ ضرور کر گزریں۔[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دریا عبور کرنے کا اعلان کر دیا، پھر فرمایا: کون ابتدا کرے گا اور ہمارے لیے دوسری طرف چھاؤنی قائم کرے گا، تا کہ دشمن عبور کرنے میں رکاوٹ نہ پیش کر سکے؟

چنانچہ عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کی اور اس کے ساتھ ہی چھ سو بہادروں نے اس مہم کو سر کرنے کا آوازہ لگا دیا، انھوں نے گہرے پانیوں کو عبور کیا اور ان کے بعد سعد رضی اللہ عنہ نے لشکر سمیت دریا عبور کر لیا۔ اہلِ فارس اس کام سے چونک کر رہ گئے، جو ان کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ سبحان اللہ! موجیں مارتا دریا، جس کی گہرائی چھ میٹر سے کم نہ تھی، گھوڑے تیرتے ہوئے اس میں اتر گئے اور اوپر شہسوار لڑ رہے تھے ؎

دشت تو دشت صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

[1] الطبري (٣/١١٩) ابن الأثير (٢/١٩٨) فتوح الشام للواقدي (٢/١٢٧)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، جب کہ وہ اسبانیر کے کنارے تک پہنچنے کے لیے دریا میں اتر رہے تھے، یہ دعا کرو:

"نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"[1]

"ہم اللہ سے مدد طلب کرتے اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں، ہمیں اللہ کافی اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ گناہ سے پھرنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف بڑی عظمت والے اور بہت بلند اللہ کی توفیق ہی سے ہے۔"

وہ بے پروا ہو کر دجلہ کے سینے کو چیر رہے تھے، اس دوران میں جب کہ وہ دریا عبور کر رہے تھے، باہم یوں گفتگو کر رہے تھے، جیسے زمین پر چلتے ہوئے باتیں کر رہے ہوں۔ "یزدجرد" کے لشکروں نے ان گھوڑوں کی طرف دیکھا کہ جنھوں نے دجلہ کو بھر دیا تھا اور فارسی میں کہنے لگے: "دیواں آمد" (دیو آگئے)۔

وہ باہم ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: تم انسانوں سے نہیں لڑ رہے، تم تو جنوں سے لڑائی کرنے جا رہے ہو۔ ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ نے فرمایا: دریاے دجلہ گھوڑوں اور چوپایوں سے بند ہو گیا۔ کنارے سے کوئی پانی نہیں دیکھ رہا تھا، ہمارے گھوڑوں نے ہمیں ان کی طرف نکالا، اس حال میں کہ وہ اپنی گردنوں کے بالوں کو جھٹک رہے تھے اور ہنہنا رہے تھے۔ جب دشمن نے یہ منظر دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے اور کسی نے مڑ کر نہ دیکھا۔

[1] الطبري (٤/٨٤)

اللہ پر پختہ اعتماد نے اس کی نظر لوٹا دی

مشرکین مسلمانوں کو سخت عذاب سے دوچار کیا کرتے تھے، اس سزا میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ ایک مسلمان عورت کو گراتے اور اس کے لیے لوہے کے داغنے والے اوزار اٹھا لاتے، پھر اس کے سر اور کولہے کے درمیان رکھ دیتے اور بچوں کو بلاتے جو اس کی آنکھ سے کھیلتے، یہاں تک کہ اس کی بینائی چلی جاتی، جنھیں اس کڑی سزا سے گزارا گیا ان میں سے ایک (سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی لونڈی، زنیرہ تھی)، اسے انھوں نے اور مشرکین کی ایک جماعت نے یہ سزا دی تھی۔

جب ان کی بینائی ختم ہو گئی تو مشرکوں نے کہا: لات اور عزی ہی نے اسے نابینا کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! ایسے نہیں ہے، لات و عزی کو نہیں معلوم کہ ان کی عبادت کون کرتا ہے، لیکن یہ معاملہ آسمان سے طے پایا ہے، اللہ تعالیٰ میری نظر لوٹانے پر قادر ہے۔ جب ان کی بینائی لوٹ آئی تو اب قریش کہنے لگے: ''یہ محمد کا جادو ہے۔'' پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر اسے آزاد کر دیا۔[1]

آسمانی بارش اور قبولِ اسلام

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

امِ شریک رضی اللہ عنہا کے دل میں جب کہ وہ مکے میں تھیں، اسلام گھر کر گیا اور وہ مسلمان ہو گئیں، پھر پوشیدہ طور پر قریش کی عورتوں کے پاس جانا شروع کیا، انھیں دعوت دیتیں اور اسلام کی ترغیب دلاتیں، یہاں تک کہ مکے والوں کے سامنے ان کا معاملہ کھل گیا تو انھوں نے اسے پکڑ لیا اور کہنے لگے: ''اگر تیری قوم

[1] سيرة ابن هشام (١/١٢٦)

نہ ہوتی تو ہم تیرا حشر کرتے، لیکن ابھی تجھے اس کے سپرد کرتے ہیں۔''

کہتی ہیں: انھوں نے مجھے ایک اونٹ پر سوار کیا، نیچے کوئی کاٹھی اور نہ کوئی چیز تھی، پھر مجھے تین دن چھوڑ دیا، نہ کھلاتے نہ پلاتے، وہ ایک منزل پر اترتے تو مجھے دھوپ میں کھڑا کرتے اور خود سائے میں چلے جاتے، مجھ سے خور و نوش بند کیے رکھتے، یہاں تک کہ کوچ کر جاتے، اسی دوران میں ایک ٹھنڈی بارش کا نشان تھا جو مجھ پر گرا، وہ دوبارہ گرا تو میں نے اسے پکڑ لیا، اچانک وہ پانی کا ڈول تھا، میں نے کچھ پیا، پھر اٹھا لیا گیا، وہ پھر آ گیا اور میں نے پکڑ لیا، اس میں سے تھوڑا سا پیا، پھر اٹھا لیا گیا، پھر آیا، بار ہا ایسا ہوا اور میں سیراب ہوگئی، پھر باقی ماندہ میں نے اپنے جسم اور کپڑوں پر بہا دیا۔

جب وہ بیدار ہوئے تو اچانک پانی کے نشان دیکھے اور مجھے بھی اچھی حالت میں دیکھا تو بولے: ''تو نے رسیاں کھول کر ہمارے مشکیزے پکڑے اور پانی پی لیا ہے۔'' میں نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ نہیں کیا، اصل میں ایسے ایسے ہوا ہے۔'' وہ کہنے لگے: ''اگر تو سچی ہے تو تیرا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔'' پھر اپنے مشکیزوں کی طرف دیکھا تو وہ جوں کے توں پڑے تھے، چنانچہ وہ اسی لمحے مسلمان ہو گئے۔[1]

سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور شیر

بے شک ساری کائنات تمھاری اللہ کی اطاعت کا شعور رکھتی ہے، اسی طرح تمھاری معصیت کا احساس بھی رکھتی ہے، اسی لیے جب اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الإصابة (٢/٣٤٨) حلية الأولياء (٢/٦٦)

نے اپنے رب عزوجل کی اطاعت کی تو اللہ نے ہر چیز کو ان کے لیے مسخر کر دیا، یہاں تک کہ جنگلی جانوروں کو بھی۔ آیئے! ہم رسول ﷺ کے غلام (سفینہ رضی اللہ عنہ) کے شیر کے ساتھ بیتنے والے قصے کو چھیڑتے ہیں، تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے لیے کیسے ساری دنیا مطیع کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

میں سمندر میں سوار ہوا تو میں جس بحری جہاز پر سوار تھا، وہ ٹوٹ گیا، میں اس کے ایک تختے پر سوار ہو گیا، اس تختے نے مجھے ایک جنگل میں پھینک دیا جہاں شیر تھے۔ جب میں داخل ہوا تو ایک شیر میری طرف نکل آیا، وہ میری طرف بڑھا تو میں نے کہا: اے ابو الحارث! (شیر کی کنیت) میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، اس نے اپنا سر جھکا لیا اور میری طرف آیا، اپنے کندھوں سے مجھے آگے بڑھا رہا تھا، تاآنکہ مجھے جنگل سے باہر لے آیا اور راستے پر لا کھڑا کیا، پھر دھاڑا، میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے الوداع کر رہا ہے۔[1]

سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما روشنی کی کرن میں چلتے جا رہے تھے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ عشا پڑھا کرتے تھے، جب سجدہ ریز ہوتے تو حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی کمر پر کود کر چڑھ جاتے۔ جب آپ ﷺ اپنا سر اٹھاتے تو ان دونوں کو بڑی نرمی سے نیچے رکھتے۔ جب وہ دونوں لوٹ جاتے تو آپ ﷺ لوٹتے۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو ایک کو یہاں رکھا اور ایک کو یہاں، میں آپ ﷺ کے پاس آیا

---

[1] البداية والنهاية (٦/١٤٧) الخصائص الكبرى (٢/٦٥)

اور گویا ہوا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں ان دونوں کو ان کی والدہ کے پاس نہ لے جاؤں؟ فرمایا: نہیں، پھر ایک کرن روشن ہوئی، فرمایا: دونوں اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے، یہاں تک کہ (گھر میں) داخل ہو گئے۔[1]

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ فَنَظَرْتُ فِيهَا، فَإِذَا جَعْفَرٌ لَيَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ، وَإِذَا حَمْزَةُ مُتَّكِئٌ عَلٰى سَرِيرِهِ))[2]

''میں آج کی رات جنت میں داخل ہوا تو اس میں دیکھا کہ جعفر رضی اللہ عنہ فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے تخت پر براجمان تھے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کہتے تو یوں کہتے: اے دو پروں والے کے بیٹے! تجھ پر سلام ہو۔[3] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: کیوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے دو ہاتھوں کے بدلے انھیں جنت میں دو پر دے دیے۔[4]

---

[1] مسند أحمد (١٠٢٨١) الصحيحة (٣٣٢٥)

[2] ابن عدي (٢٣٠/٣)، ترجمه زمعة بن صالح (٧٢٤) والطبراني (١٠٧/٢) صحيح الجامع (٥٦٧٥)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٠٩)

[4] البداية والنهاية (٢٥٦/٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((رَأَيْتُ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ مَلَكاً يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ بِجَنَاحَيْنِ)) [1]

''میں جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ فرشتہ ہیں اور دو پروں کے ساتھ فرشتوں کے جلو میں اڑتے پھرتے ہیں۔''

نیز سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((رَأَيْتُ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ مَلَكاً فِي الْجَنَّةِ مَضَرَّجَةٌ قَوَادِمُهُ بِالدِّمَاءِ يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ)) [2]

''میں نے جعفر بن ابی طالب کو جنت میں فرشتے کے روپ میں دیکھا، ان کے پر خون سے لتھڑے ہوئے تھے، وہ جنت میں اُڑ رہے تھے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَرَّ بِي جَعْفَرٌ اللَّيْلَةَ فِي مَلَأٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ، وَهُوَ مُخَضَّبُ الْجَنَاحَيْنِ بِالدَّمِ أَبْيَضُ الْفُؤَادِ)) [3]

''رات جعفر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے فرشتوں کی جماعت میں گزرے تو ان کے دونوں پر خون سے لت پت اور سینہ سفید تھا۔''

---

(1) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٧٦٣) الصحيحة (١٢٢٦)

(2) ابن عدي (٥/٣٧١) الطبراني (٢/١٠٧) إسناده جيد كما في الفتح.

(3) قال الحافظ في الفتح (٧/٩٦) : أخرجه الحاكم بإسناد صحيح على شرط مسلم

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هَنِيئًا لَّكَ!! أَبُوكَ يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاءِ))[1]

”تجھے مبارک ہو!! تیرا باپ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً بیان کیا ہے:

((إِنَّ جَعْفَراً يَطِيرُ مَعَ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، لَهُ جَنَاحَانِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ مِنْ يَدَيْهِ))[2]

”بے شک جعفر رضی اللہ عنہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہا ہے، اس کے دو پر ہیں جو اللہ نے اس کے دو ہاتھوں کے عوض اسے عطا کیے ہیں۔“

فرشتے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیتے ہیں

جب سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے نیک رفیقہ حیات کی ضرورت محسوس کی جو ان کے دین و دنیا کے معاملے میں ان کی مددگار بنے تو جمیلہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبداللہ بن ابی بن سلول سے نکاح کرلیا۔ ان کی رخصتی اس رات ہوئی جس کی صبح جنگِ احد تھی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ وہ رات بیوی کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی، جب نمازِ فجر پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کا ارادہ رکھتے تھے، وہ جمیلہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آئے اور وظیفہ زوجیت ادا کیا، اس نے اپنی قوم کے چار افراد کی طرف

[1] قال الحافظ في الفتح (٩٦/٧) : أخرجه الطبراني بإسناد حسن

[2] قال الحافظ في الفتح (٩٦/٧) : وإسناده جيد.

پیغام بھیجا اور انھیں گواہ بنایا کہ یقیناً حنظلہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تھے، اس سے اس بارے کہا گیا تو گویا ہوئیں: میں نے خواب دیکھا کہ گویا آسمان ان کے لیے کھول دیا گیا ہے اور وہ اس میں داخل ہو گئے، پھر بند کر دیا گیا، میں نے اس کی تعبیر ان کی شہادت سے کی ہے، بعد ازاں وہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کی ماں بننے والی ہو گئیں۔

حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ تھاما اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفیں درست فرما رہے تھے، جب مسلمانوں پر زور کا رن پڑا تو حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان پر چڑھائی کی اور اس کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ کے گھٹنے پر تیر مارا۔ ابوسفیان نیچے گر گیا تو ان کے ایک آدمی نے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ پر دھاوا بول دیا اور نیزے کا وار کیا جو ان کے آر پار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنِّي رَأَيْتُ الْمَلَائِكَةَ تُغَسِّلُ حَنْظَلَةَ بْنَ أَبِي عَامِرٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِمَاءِ الْمُزْنِ فِي صِحَافِ الْفِضَّةِ))[1]

''بے شک میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو آسمان اور زمین کے درمیان پانی سے بھرے بادلوں کے آب سے چاندی کی طشتریوں میں غسل دے رہے ہیں۔''

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم گئے اور انھیں دیکھا تو اچانک ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ نکلے تو جنبی تھے، ان کے بیٹوں کو یوں کہا جاتا تھا:

((بَنُو غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ))

---

[1] ضعفه الألباني في ضعيف الجامع (٢٠٨٧)

''اس کے بیٹے جسے فرشتوں نے غسل دیا۔''

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جب کہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، اس کے بعد کہ وہ اور ابوسفیان بن حارث مڈ بھیڑ ہوئے تھے کہ ادھر سے شداد بن اسود نے ان پر تلوار کے ساتھ چڑھائی کر دی اور انھیں شہید کر دیا۔

((إِنَّ صَاحِبَكُمْ تَغْسِلُهُ الْمَلَائِكَةُ فَاسْأَلُوا صَاحِبَتَهُ عَنْهُ))

''یقیناً تمھارے ساتھی کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، تم اس کی بیوی سے اس کے متعلق پوچھو۔''

اس نے بتلایا کہ جب انھوں نے جنگ کی آواز سنی تو نکل گئے، حالاں کہ وہ جنبی تھے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِذَلِكَ غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ)) [1]

''اسی لیے فرشتے اسے غسل دے رہے تھے۔''

یہ خبیب رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کی طرف سے رزق ہے

جب حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر قیدی بنا لیا (خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث بن عامر کو بدر کے دن قتل کیا تھا) تو خبیب ان کے پاس زنداں میں رہے، یہاں تک کہ انھوں نے انھیں شہید کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حارث کی بعض بیٹیوں سے استرا عاریتاً لیا، تاکہ زیرِ ناف بال صاف کر سکیں تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو عاریتاً دے دیا، اس کا ایک ننھا بچہ اس

[1] حاكم (٣/ ٢٠٤) الصحيحة (٣٢٦)

عدمِ توجگی میں ان کے پاس چلا آیا، اس نے دیکھا کہ وہ اسے اپنی ران پر بٹھائے ہوئے ہیں اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کہتی ہے: میں سخت گھبرا گئی جسے خبیب نے پہچان لیا، فرمایا: کیا تو ڈر رہی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسے کرنے والا نہیں ہوں۔

وہ کہتی ہے: میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کبھی کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے ایک دن اسے پایا کہ ہاتھ میں انگور کا گچھا پکڑے کھا رہے ہیں، حالاں کہ وہ پابندِ سلاسل تھا اور مکے میں کوئی پھل نہ تھا۔ کہا کرتی تھی: بے شک وہ رزق تھا جو اللہ نے خبیب کو دیا تھا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ روے ارض پر انگور کا دانہ بھی ہو۔

غور کیجیے کہ اس کی جزا اس کے عمل ہی کے مطابق کیسی ہوئی کہ جب ان کے قدم روزی کی تلاش میں جستجو کرنے سے روک دیے گئے تو ان کی طرف رزق چلا دیا گیا۔

صلہ بن اَشیم رضی اللہ عنہ اور شیر

جنگ میں صلہ بن اشیم کا گھوڑا مر گیا تو انھوں نے کہا: الٰہی! کسی مخلوق کا مجھ پر احسان مت رکھنا اور اللہ عزوجل سے دعا کی تو اللہ نے ان کے گھوڑے کو زندہ کر دیا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو کہا: بیٹے! گھوڑے کی لگام پکڑ لو، یہ عاریتاً ہے، اس نے لگام پکڑی تو گھوڑا مر گیا۔

ایک مرتبہ وہ ''اہواز'' میں بھوک میں مبتلا ہو گئے، اللہ عزوجل سے دعا کی

اور کھانا مانگا تو ان کے پیچھے تر کھجور کا ایک تھال گرا، جو ریشمی کپڑے میں تھا، انھوں نے کھجور کھالی اور کپڑا مدتِ مزید تک ان کی اہلیہ کے پاس رہا۔ ایک دفعہ وہ رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ شیر آ دھمکا، جب سلام پھیرا تو اسے کہا: کسی اور جگہ سے رزق تلاش کر، چنانچہ شیر دھاڑتے ہوئے واپس چلا گیا۔

باب 4

نوادرات وعجائبات

عجیب وغریب باتیں سننے کا رسیا شخص

اصمعی رحمہ اللہ نے ابوعمرو بن علاء سے بیان کیا کہ ایک شخص سے جس کی عمر بڑی طویل ہوگئی، کہا گیا: کیا تو موت کو پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ پوچھا گیا: کیوں اور جب کہ تمھارے اندر عورتوں اور کھانے کی خواہش بھی نہیں رہی؟ اس نے جواب دیا: میں عجیب وغریب باتیں سننا پسند کرتا ہوں۔[1]

موت تک گھوڑے کی وفاداری

یہ چار سال قبل کا واقعہ ہے کہ جب گھوڑے کی ماں مرگئی اور اس کا بدو مالک مزید نگہداشت اور اہتمام کے لیے کمر بستہ ہوگیا۔ وہ اس کے سامنے شکر ملائے جو رکھتا اور جب بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی تو جانوروں کے ڈاکٹر کو بلا کر اس کا طبی معاینہ کرواتا۔

بعد ازاں بدو بیمار ہوگیا اور بستر سے جا لگا۔ گھوڑے نے اپنی مرغوب غذا کو گم پایا تو اپنا اصطبل چھوڑ کر آ گیا، تا کہ اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو جائے۔

بدو فوت ہوگیا۔ گھوڑا اپنے مالک کی بیوی کو دیکھ اور سن رہا تھا، جس کے واویلے نے دنیا کو آہ و بکا سے بھر دیا تھا۔ وہ جنازہ لے جانے والوں کے پیچھے سر جھکائے چل رہا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے اسے سپردِ خاک کر دیا تو گھوڑا بھاگا جیسے کوئی بجلی ہو اور ایک چٹیل پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا، پھر اپنے آپ کو گرا کر موت کی وادی میں چلا گیا۔

---

[1] ذكر أخبار أصبهان لأبي نعيم الأصبهاني [طبعة دار الكتب العلمية] (٢/٢٠٧)

یہ واقعہ مصر کے شہر مرسی مطروح میں پیش آیا، جیسا کہ اخبارات نے بیان کیا ہے۔[1]

حفاظتی شیر اور چیتے

برازیل کے شہر ''ساو باولو'' کے متصل خوش حال علاقے کے رہایشیوں نے اپنی جانوں اور گھروں کے دفاع کے لیے، چوری کی متعدد وارداتوں کے باعث شیروں اور چیتوں کو پالنا شروع کر دیا۔

گھوڑوں کا فارم رکھنے والا ایک شخص کہتا ہے: یقیناً یہ شیر اور چیتے سدھائے ہوئے کتوں اور مسلح پہرے داروں سے کہیں زیادہ گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، اس نے بتایا کہ اس نے ایک خاندان کو، جو وہاں ایک گھر کے مالک ہیں، ایک چیتے کا بچہ فروخت کیا تھا، وہ حراست اور حفاظت کے فرائض بطریقِ احسن ادا کر رہا تھا۔

ان گھروں کے مقرر پہرے دار اس بات پر متفق ہیں کہ جب چور ان چیرنے پھاڑنے والے جانوروں کو دیکھتے ہیں تو رفو چکر ہو جاتے ہیں، نیز ایک شیر نے ایک چور کو نگل لیا تھا، جس کے بعد اس علاقے میں چوری کے واقعات صفر تک پہنچ گئے ہیں۔[2]

بندر حدود قائم کرتے ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ

[1] أسرار و عجائب/ عبدالرزاق نوفل (ص: ۱۱۹)

[2] قصص من عجائب الدنیا (ص: ٤٠، ٤١)

میں نے دورِ جاہلیت میں ایک بندریہ دیکھی، جس کے ارد گرد کئی بندر جمع ہو گئے۔ اس بندریا نے زنا کیا تھا، پھر بندروں نے اسے رجم کر دیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگ سار کیا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسماعیلی رحمہ اللہ نے عیسیٰ بن حطان رحمہ اللہ کے دوسرے طریق سے عمرو بن میمون رحمہ اللہ کا یہ واقعہ بالتفصیل یوں بیان کیا ہے:

مَیں یمن میں اپنے گھر والوں کی بکریوں میں ایک اونچی جگہ پر تھا تو ایک بندر، بندریا کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ کو تکیہ بنا لیا، پھر اس سے ایک چھوٹا بندر آیا، جس نے اسے ٹانگ سے دبا دیا، بندریا نے پہلے بندر کے سر کے نیچے سے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس کے پیچھے چل پڑی، دونوں نے جماع کیا اور میں دیکھ رہا تھا، پھر وہ واپس لوٹی اور پہلے بندر کے رخسار کے نیچے نرمی سے اپنا ہاتھ داخل کرنے لگی تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، اسے سونگھا اور ساتھ ہی چلانے لگا۔ بندر اکٹھے ہو گئے، پھر ان دونوں کے لیے ایک گھڑا کھودا اور انھیں سنگسار کر دیا۔

فرمایا: بندر کے اندر شدید غیرت ہوتی ہے، جو آدمی کے برابر ہے اور ان میں سے کوئی اپنی بندریا سے آگے نہیں بڑھتا۔[2]

والدین سے نیکی کرنے والا پرندہ

ابن وردی نے بحرِ اخضر، یعنی خلیج عربی کے عجائبات میں سے ایک یہ بات بیان کی، جس کا ذکر صاحبِ ''عجائب الاخبار'' نے کیا کہ اس سمندر میں

[1] كتاب مناقب الأنصار، باب القسامة في الجاهلية (٢٣٨/٤)

[2] فتح الباري (٥٤٨،٥٤٧/٧)

اپنے والدین کی عزت و تکریم کرنے والا ایک پرندہ ہے، جب وہ دونوں عمر رسیدہ ہو جاتے ہیں اور اپنے کام کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو ان کے بچوں میں سے دو بچے آ جاتے ہیں اور اپنی پشتوں پر اٹھا کر انھیں کسی محفوظ جگہ لے جاتے ہیں، ان کے لیے نرم گھونسلا بناتے ہیں اور کھانے پانی کی چیزوں کا خیال رکھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مر جاتے ہیں۔ اگر بچے ان دونوں سے پہلے مر جائیں تو ان کے بچوں میں سے دو اور آ جاتے ہیں اور ویسے ہی ذمے داری پوری کرتے ہیں جیسے پہلے دونوں نے نبھائی تھی اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے، ان کی عادت یہی رہتی ہے، تا آں کہ ان کے والدین مر جاتے ہیں۔[1]

جانوروں میں ایثار

بیان کیا جاتا ہے کہ ابن البشاذ نحوی رحمہ اللہ ایک دن جامع مصر کی چھت پر تھے اور کچھ کھا رہے تھے، ان کے قریب چند لوگ بیٹھے تھے تو ان کے پاس ایک بلّا آ گیا، انھوں نے ایک لقمہ پھینکا تو اس نے اپنے منہ میں لیا اور غائب ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ چلا آیا، انھوں نے کوئی چیز پھینکی تو اس نے پھر اسی طرح کیا، وہ بار بار آتا اور وہ پھینکتے، وہ پکڑتا اور غائب ہو جاتا، پھر فوراً ہی واپس چلا آتا، یہاں تک کہ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنا زیادہ کھانا وہ اکیلا نہیں کھا سکتا۔

جب اس کی حالت پر شک ہوا تو وہ اس کے پیچھے چل پڑے، انھوں نے دیکھا کہ وہ جامع مصر کی چھت پر ایک دیوار پر چڑھتا ہے، پھر ایک خالی

---

[1] [illegible] خریدة العجائب وفریدة الغرائب [illegible] الوردی [illegible]

جگہ میں، جو ایک ویران گھر کی صورت تھی، اتر جاتا ہے، اس میں ایک اور بلا تھا جو نابینا تھا، وہ جو کچھ کھانا بھی پکڑ رہا تھا، اس بِلے کے پاس لا کر رکھ رہا تھا اور وہ کھا رہا تھا۔[1]

ایک کوا آدمی کو موت سے بچاتا ہے

مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں حج کے لیے نکلا تو اسی دوران میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک کوے پر نظر پڑی، اس کے منہ میں روٹی تھی۔ میں نے کہا: یہ کوا محوِ پرواز ہے اور منہ میں روٹی ہے، ضرور کوئی بات ہے، میں اس کے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ وہ ایک غار کے پاس اترا، میں ادھر گیا تو میں اچانک ایک آدمی کو دیکھ رہا تھا جو بندھا ہوا تھا اور آزاد نہیں ہو سکتا تھا اور روٹی اس کے سامنے تھی۔ میں نے آدمی سے پوچھا: تو کون ہے اور کس علاقے سے تعلق رکھتا ہے؟ وہ بولا: میں حاجیوں میں سے ہوں، چوروں نے میرا مال و متاع لوٹ لیا اور مجھے باندھ کر اس جگہ پھینک گئے ہیں، جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے، میں نے کئی دن بھوک پر صبر کیا، پھر دل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے وہ رب جس نے اپنی کتابِ عزیز میں فرمایا ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ [النمل: ٦٢]

''بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے کون سنتا ہے؟''

مالک رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اسے رسیوں سے آزاد کیا، پھر ہم چل پڑے اور ہمیں پیاس محسوس ہوئی۔ ہمارے ساتھ کوئی پانی نہ تھا، جنگل میں نظر دوڑائی تو

[1] وفيات الأعيان (٢/٥١٦)

ایک کنواں دکھائی دیا، جس میں ہرنیں تھیں، ہم اس کے قریب گئے تو ہرنیں بھاگ کر کچھ دور جا کر کھڑی ہوئیں۔ جب ہم کنویں کی طرف پہنچے تو پانی کافی گہرا تھا، ہم نے حیلہ جوئی کی، حتی کہ پانی حاصل کرلیا اور پی لیا۔ میں نے یہ عزم کیا کہ جب تک ہرنوں کو نہ پلائیں گے، یہاں سے نہ جائیں گے، چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے ایک گڑھا کھودا اور اسے پانی سے بھر دیا، پھر ایک طرف ہٹ گئے، پھر ہرنیں آئیں اور پانی پیا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگئیں۔

ایک بندر انسان کی خدمت کرتا ہے

ایک آدمی نے کتاب ''عجائب الہند'' کے مولف کو بیان کیا کہ اس نے ایک بستی میں کسی تاجر کے گھر بندر دیکھا، جو اس کی خدمت کیا کرتا تھا، اس کے گھر کو جھاڑو دیتا، آنے والے کے لیے دروازہ کھولتا اور بند کرتا، ہنڈیا کے نیچے آگ سلگاتا، پھونکیں مارتا رہتا، تاآنکہ وہ بھڑک اٹھتی،، لکڑیاں ڈھولاتا، دستر خوان سے مکھیوں کو ہٹاتا اور اپنے مالک کو پنکھے سے ہوا دیتا۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا کہ عمان کے ایک ظفار نامی علاقے میں ایک لوہار ہے، اس کے پاس بندر ہے، جو اس کی بھٹی میں سارا دن پھونکتا رہتا ہے، وہ اس کے ہاں پانچ سال سے ہے، وہ لوہار سفروں پر آتا جاتا رہتا ہے اور یہ بندر گھر کی نگہداشت رکھتا ہے۔[1]

ہاتھیوں کا انتقام

ابراہیم الخواص رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں پارساؤں کی ایک جماعت

[1] عجائب الهند (ص: ٨٦)

کے ساتھ سمندر میں سوار ہوا تو ہماری کشتی ٹوٹ گئی۔ ہم میں سے کچھ لوگ کشتی کی لکڑی کے ایک تختے کے ذریعے نجات پا گئے۔ ہم ایک ساحل پر جا رکے، نامعلوم وہ کون سی جگہ تھی۔ کئی دن وہاں ٹھہرے، کھانے کے لیے کچھ نہ پایا، ہمیں موت محسوس ہونے لگی اور بھوک سے اپنی اجل کا قطعی یقین ہو گیا۔

ہم نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جانوں پر مقرر کرتے ہیں کہ اس کی خاطر کچھ چھوڑ دیتے ہیں، شاید کہ وہ ہم پر رحم کرے اور اس سختی سے ہمیں نجات دے دے۔

ایک نے کہا: میں سال بھر روزہ رکھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا: میں ہر دن اتنی اتنی رکعت پڑھا کروں گا۔

تیسرے نے کہا: میں لذتیں ترک کرتا ہوں۔

یہاں تک کہ ہر کسی نے کوئی نہ کوئی بات کی اور میں خاموش تھا، وہ بولے: تم بھی کچھ کہو، میری زبان سے ان کلمات کے سوا کچھ جاری نہ ہوا: میں کبھی ہاتھی کا گوشت نہ کھاؤں گا۔ وہ بولے: اس حالت میں یہ بات کہنے کا کیا مطلب؟

میں نے کہا: واللہ! میں نے جان بوجھ کر نہیں کہا، لیکن جب سے تم شروع ہوئے اور تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان باندھے ہیں، میں اپنے آپ پر بہت سی چیزیں پیش کر رہا تھا، لیکن ان کے ترک پر میرا دل راضی نہیں ہوا، نہ کوئی چیز میرے خیال میں کھٹکی کہ میں اسے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑوں، نہ کوئی اور چیز جی میں آئی، سوائے اس کے جو میں نے کہہ دیا۔ میری زبان پر اس کا جاری کیا جانا کسی خاص وجہ سے ہے۔

کچھ دیر کے بعد ایک نے کہا: کیوں نہ جدا جدا ہو کر ہم اس زمین میں

گھومیں اور کھانا تلاش کریں، جو کچھ پالے تو وہ دوسروں کے لیے ایثار کرے اور واپس آنے کی جگہ یہ درخت ہے۔ ہم چکر کاٹنے کے لیے بکھر گئے، ہم میں سے ایک کو ہاتھی کا چھوٹا بچہ مل گیا، ہمارے بعض نے بعض کو اشارہ کیا تو ہم اکٹھے ہو گئے۔ ہمارے ساتھیوں نے اسے پکڑ لیا اور ذبح کیا، یہاں تک کہ بھونا اور بیٹھ کر کھانے لگے، مجھ سے کہا: آؤ اور ہمارے ساتھ کھاؤ۔

میں نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں نے کچھ دیر پہلے اسے اللہ عزوجل کے لیے چھوڑ دیا تھا، اب اس میں لوٹنے والا نہیں ہوں، شاید کہ یہ میری زبان پر میرے اسے یاد کرنے کے باعث ہی جاری ہوا ہو اور میری موت کا سبب بھی، یہی ترکِ طعام ہو کہ میں نے کئی دنوں سے کوئی چیز نہیں کھائی، نہ کسی اور چیز کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ مجھے ایسا نہ دیکھے کہ میں نے اس کے عہد کو توڑ دیا، چاہے بھوک سے مر جاؤں، میں علاحدہ ہو گیا اور میرے ساتھیوں نے اسے کھا لیا۔

رات آ گئی تو میں اسی درخت کے نیچے چلا گیا، جہاں رات بسر کیا کرتا تھا، میرے ساتھی بھی نیند کے لیے بکھر گئے، ایک لحظہ ہی گزرا تھا کہ اچانک ایک بہت بڑا ہاتھی چیخ رہا تھا، صحرا اس کی آواز اور تیز دوڑنے سے ہل رہا تھا، وہ ہماری تلاش میں تھا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے: موت آ گئی، کلمہ شہادت پڑھ لو۔ ہم استغفار اور تسبیح میں لگ گئے۔ لوگوں نے اپنے آپ کو چہروں کے بل گرا لیا۔ ہاتھی ایک ایک کے پاس جانے لگا، اس کو سرتا پا سونگھتا، جب سارے بدن کو سونگھ لیتا تو ایک پاؤں اٹھاتا اور اس کے اوپر رکھ کر مسل کے رکھ دیتا۔

جب اس نے جان لیا کہ میرے سوا اور کوئی باقی نہیں بچا اور میں سامنے کھڑا جو کچھ ہوا دیکھ رہا ہوں اور اللہ عزوجل سے استغفار اور اس کی تسبیح کر رہا

ہوں تو ہاتھی میری طرف آیا، جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اپنے آپ کو پشت کے بل گرا دیا۔ وہ مجھے سونگھنے لگا جس طرح کہ میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا تھا، پھر دوسری یا تیسری بار سونگھا اور ایسا کسی اور کے ساتھ نہ کیا تھا، اسی دوران میں میری روح ایسے تھی کہ گھبراہٹ اور خوف سے نکل جائے گی۔

پھر مجھے اپنی سونڈ میں لپیٹا اور اپنی پشت کے اوپر لا دلیا، میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی جگہ اپنی جان کی حفاظت کی بھرپور کوشش کرنے لگا، ہاتھی چل پڑا، کبھی دوڑتا اور کبھی چلتا، کبھی تیز بھاگتا اور میں موت کے موخر ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا اور زندگی کا طمع کرتا اور کبھی توقع کرتا کہ وہ مشتعل ہو کر مجھے بھی مار ڈالے گا، میں بار بار استغفار کر رہا تھا اور اس دوران میں اس کی سرعت اور تیز رفتاری سے الم اور گھبراہٹ کی انتہائی شدت محسوس کر رہا تھا۔

میں اسی حالت میں رہا، تا آنکہ فجر طلوع ہو گئی اور اس کی روشنی پھیل گئی، اس نے اچانک مجھے اپنی سونڈ میں لپیٹا اور میں نے کہا: موت قریب آ گئی، میرے سانس پورے ہو گئے ہیں۔ میں نے کثرت کے ساتھ استغفار شروع کر دیا، عجیب یہ کہ اس نے بڑی نرمی سے مجھے اپنی پیٹھ سے اتارا اور مجھے زمین پر چھوڑ دیا اور خود اسی راستے کی طرف چل دیا، جہاں سے آیا تھا اور مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔

جب وہ غائب ہو گیا اور میں اس کی کوئی آہٹ تک محسوس نہ کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہو گیا، میں نے تب ہی سر اٹھایا، جب سورج کی تمازت محسوس ہونے لگی۔ پھر میں ایک بہت بڑے راستے پر تھا، تقریباً دو فرسخ (چھ میل) چلا تو ایک بڑے شہر تک پہنچ گیا۔ داخل ہوا تو اہلِ شہر نے مجھ پر

تعجب کیا اور میرا قصہ معلوم کرنا چاہا، میں نے بتا دیا تو انھوں نے کہا کہ ہاتھی اسے ایک رات میں کئی دنوں کی مسافت طے کروا لایا ہے۔

میں ان کے پاس رہا، یہاں تک کہ اس سخت کیفیت سے جس سے میں دوچار ہوا تھا، درست ہو گیا اور میرا بدن آسودہ ہو گیا، پھر تاجروں کے ہم راہ ان سے رخصت ہوا کشتی میں سوار ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سلامتی سے نوازا، حتی کہ اپنے شہر پہنچ گیا۔[1]

پرندے کی ذہانت یا سانپ کی موت؟

ایک پرندے نے استنبول کی جامع اَیا صوفیا کی بلند چوٹی پر گھونسلا بنایا، اسی دوران میں جب کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو خوراک کھلانے کے لیے گھونسلے میں داخل ہو رہا تھا تو ایک بڑا سانپ دیکھا جو گھونسلے کی طرف رینگ رہا تھا، اس نے فوراً گھونسلا چھوڑ دیا اور ایک منٹ کے بعد واپس آیا اور گھونسلے کا چکر کاٹنے لگا، جب سانپ نے منہ کھول کر اسے ہڑپ کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمین پر آ گرا!

وہ لوگ جو ایک ٹیلے پر کھڑے یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ جلدی سے دوڑے کہ آخر ہوا کیا ہے۔ چنانچہ انھیں معلوم ہوا کہ چڑیا نے ایک شہد کی مکھی اپنی چونچ میں اٹھا رکھی تھی اور پھر سانپ کے منہ میں پھینک دی، مکھی نے ایک ہی ڈنگ سے سانپ کا کام تمام کر دیا۔[2]

---

[1] مختصر الفرج بعد الشدة للإمام التنوخي (ص: ٥٧٣-٥٧٥)

[2] غرائب من العالم (٤/٧٤)

چیونٹی کی حرص

سلیمان علیہ السلام نے جب چیونٹی اور اس کی غذا کی شدید ذخیرہ اندوزی کو دیکھا تو ایک چیونٹی کو طلب کر لیا اور اس سے پوچھا: ایک سال میں چیونٹی کتنی گندم کھا لیتی ہے؟ وہ بولی: گندم کے تین دانے۔

چنانچہ انھوں نے اسے ایک شیشی میں پھینکنے کا حکم دیا اور پھر اس بوتل کا منہ بند کر دیا، ساتھ ہی گندم کے تین دانے بھی پھینک دیے، اس کی بات کے بعد ایک سال گزر گیا، پھر انھوں نے سال ختم ہونے پر بوتل کا منہ کھولنے کا حکم دیا تو دیکھا کہ ڈیڑھ دانہ پڑا ہے۔ فرمایا: تیرا دعوی کہاں گیا؟ کہ تیرا کھانا ہر سال تین گندم کے دانے ہے؟

وہ بولی: ہاں، لیکن جب میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا کہ لوگوں کے مصالح میں مشغول رہتے ہیں تو میں نے اپنی باقی ماندہ زندگی کا حساب لیا تو میں نے اسے بیان کردہ اس مدت سے زیادہ پایا تو میں نے آدھی خوراک پر گزارہ کر لیا اور آدھی باقی رکھ لی، تاکہ اپنی سانسیں پوری کر سکوں۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی شدتِ حرص پر بڑا تعجب کیا۔[1]

مچھر اور ہاتھی

ابو بکر مبارک بن سعید بن رہان نحوی رحمہ اللہ کبھی غصے نہیں ہوتے تھے، چنانچہ ایک جماعت نے کسی آدمی سے شرط لگائی کہ اگر اس نے اسے غصہ دلایا تو اسے اتنے اتنے روپے دیں گے۔ وہ ان کے پاس آیا اور اعراب کے متعلق سوال

[1] شفاء العلیل (ص: ۱۷۰)

داغ دیا تو انھوں نے جواب دیا، سائل نے کہا: اے شیخ! آپ نے خطا کھائی ہے۔

انھوں نے دوسری عبارت سے جواب دیا تو اس نے کہا: تو نے جھوٹ بولا ہے، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نحو بھول گئے ہو۔

انھوں نے کہا: اے شخص! شاید جو میں کہہ رہا ہوں تم سمجھ نہیں پائے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، لیکن تم جواب میں خطا کا شکار ہو۔ انھوں نے کہا: تم بتاؤ تمھارے پاس کیا جواب ہے؟ ہم بھی استفادہ کرلیں۔

سائل نے سخت اور درشت باتیں کیں تو وہ مسکرا دیے اور فرمایا: اگر تو نے شرط لگا رکھی ہے تو تم ہار گئے ہو، تمھاری مثال تو اس مچھر کی سی ہے جو ہاتھی کی پیٹھ پر جا گرا، جب اڑنا چاہا تو ہاتھی سے بولا: رک جاؤ میں اڑنا چاہتا ہوں تو ہاتھی نے اسے جواباً کہا: جب تو گرا تھا تو مجھے محسوس نہیں ہوا تھا، اب تمھارے اڑنے کے لیے رکنے کا محتاج نہیں ہوں۔[1]

کتا، مرغا اور گدھا

مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک بادیہ نشین آدمی تھا، جس کے پاس ایک گدھا، کتا اور مرغا تھا۔ مرغا انھیں نماز کے لیے بیدار کیا کرتا تھا، کتا ان کی حراست اور حفاظت کیا کرتا تھا، جب کہ گدھے پر وہ پانی لاد لاتے اور وہ ان کے خیمے اٹھایا کرتا تھا۔

لومڑ آیا اور مرغا لے گیا، وہ غم زدہ ہو گئے، لیکن وہ نیک آدمی تھے، کہنے لگے: شاید اسی میں بہتری ہو گی۔ پھر بھیڑیا آیا اور گدھے کا پیٹ چاک کر کے

[1] البداية والنهاية (١٣/٨٤)

اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر کہا: شاید اس میں خیر ہو۔ پھر اس کے بعد کتا بھی چل بسا تو اس نے یہی کہا کہ اسی میں اچھائی ہو گی۔

پھر ایک دن صبح کی تو دیکھا کہ اچانک ان کے ارد گرد لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا ہے اور یہ صحیح سلامت باقی رہ گئے ہیں، انھیں محض اس لیے پکڑا گیا کیوں کہ ان کے ہاں کتوں، گدھوں اور مرغوں کی آوازیں تھیں تو ان کے پاس جو کچھ ایسے جانور تھے، ان کے ہلاک ہونے ہی میں ان کے لیے بہتری کا سامان تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھ دیا تھا۔

جو اللہ کے مخفی لطف و کرم کو پہچان گیا، وہ اس کے کام سے راضی ہو گیا۔[1]

کتے کی جاں نثاری

ایک آدمی کسی بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ ارمینیہ کا گورنر بھی تھا جو اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا، دورانِ سفر میں وہ ایک قبرستان کے پاس سے گزرا۔ ایک قبر پر قبہ بنا تھا، جس پر کندہ تھا: یہ ایک کتے کی قبر ہے، جو اس کے متعلق جان کاری حاصل کرنا چاہے، وہ فلاں فلاں بستی کی طرف چلا جائے کہ اس میں ایسا شخص ہے جو اس بارے میں بتاتا ہے۔

اس آدمی نے بستی کا اتا پتا لیا، لوگوں نے راہنمائی کر دی اور وہ ادھر چل پڑا، اہلِ بستی سے پوچھا تو انھوں نے اک بوڑھے شخص کے پاس بھیج دیا، جو سو سال سے متجاوز تھا، اس سے سوال کیا تو بتایا کہ اس کنارے ایک عظیم الشان بادشاہ تھا، وہ سیر و سیاحت، شکار اور سفر میں مشہور تھا، اس کا ایک کتا تھا، جسے اس

---

[1] حیاة الحیوان للدمیری (۴۱۱/۳)

نے پال رکھا تھا اور وہ کبھی اس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ ایک دن وہ کسی تفریح کے لیے نکلا تو غلام سے کہا: باورچی سے بولو کہ ہمارے لیے دودھ کی ثرید والا کھانا تیار کر دے، مجھے اس کی بہت طلب ہے۔

چنانچہ انھوں نے اس کی تیاری مکمل کر دی اور وہ اپنی سیر وتفریح کے لیے نکل گیا، باورچی نکلا اور دودھ لا کر ایک بڑی عمدہ ثرید تیار کر دی، لیکن اس برتن کو ڈھانکنا بھول گیا اور دیگر اشیا کو پکانے میں مصروف ہو گیا۔ دیوار کے سوراخ سے ایک سانپ نکلا اور اسی دودھ سے پینے لگا، پھر اپنا زہر اس میں اتار دیا، کتا گھٹنوں کے بل بیٹھا دیکھ رہا تھا، اگر اس کے پاس سانپ سے نمٹنے کا کوئی حیلہ ہوتا تو ضرور کرتا، وہاں ایک چھوٹی بچی بھی تھی جو گونگی تھی، سانپ کی کارستانی اس نے بھی دیکھ لی تھی۔

بادشاہ دن کے آخری حصے میں شکار سے واپس آ گیا اور بولا: اے غلامو! سب سے پہلے تو مجھے وہ ثرید پیش کرو، چنانچہ جب ثرید رکھی گئی تو گونگی بچی نے اشارہ کیا، لیکن بادشاہ سمجھ نہ پایا، کتا بھونکا اور چلایا، اس نے پھر التفات نہ کیا، کتا پھر کر بھونکنے لگا، لیکن بادشاہ مطلب سمجھ نہ پایا اور غلاموں سے بولا: اسے ہم سے دور لے جاؤ کہ اسے کوئی مسئلہ ہے اور اپنا ہاتھ دودھ کی طرف بڑھا دیا۔

جب کتے نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ کھانے کے لیے بڑھا دیا ہے تو دسترخوان کے درمیان چھلانگ لگا دی اور برتن میں اپنا منہ ڈال دیا اور دودھ کا گھونٹ پیٹ میں اتار لیا، پھر فوراً ہی مر گیا اور جسم پھٹ گیا، بادشاہ اس سے اور اس کے کام سے ورطۂ حیرت میں گم ہو گیا۔ گونگی بچی نے بھی ان کی طرف اشارہ کر دیا، کتے کے کام کو دیکھ کر اب وہ اس کے مطلب کو سمجھ گئے، بادشاہ نے اپنے مصاحبوں اور

حاشیہ نشینوں سے کہا: بے شک جس نے مجھ پر اپنی جان کی بازی لگا دی ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسے بدلا دیا جائے، لہٰذا میرے سوا کوئی اسے اٹھائے گا نہ دفنائے گا، چنانچہ بادشاہ نے اسے دفنا دیا اور اس پر وہ لکھ دیا جو تو نے پڑھا ہے۔

پرندہ اور کشتی کے مسافر

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت داوٗد علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے نبی علیہ السلام! تیرا رب ظالم ہے یا عادل؟ داوٗد علیہ السلام نے فرمایا: اے خاتون! تجھ پر افسوس، وہ ایسا باکمال عادل ہے کہ جو کبھی ظلم نہیں کرتا، پھر فرمایا: تو بتا، تیرا کیا واقعہ ہے؟

وہ کہنے لگی: میں بیوہ ہوں اور میری تین بیٹیاں ہیں۔ میں ہاتھوں سے سوت کات کر ان کی پرورش کرتی ہوں، جب میں نے ایک سرخ کپڑے کے ٹکڑے میں اپنا سوت تیار کر لیا اور فروخت کرنے کے لیے بازار لے گئی، تاکہ اپنے بچوں کے لیے خوراک کا بندوبست کر سکوں تو اچانک ایک پرندہ جھپٹا، سوت اور کپڑا لیا اور جاتا رہا، میں غم زدہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی، کسی چیز کی مالک نہیں ہوں جس کے ساتھ اپنے بچوں کی غذا کی فراہمی کر سکوں۔

اس دوران میں جب کہ وہ عورت داوٗد علیہ السلام سے گفتگو کر رہی تھی، اچانک داوٗد علیہ السلام کے دروازے پر دستک ہوئی، آپ نے داخلے کی اجازت دی تو دس تاجر اندر داخل ہوئے، ہر ایک کے ہاتھ میں سو دینار تھے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! یہ کسی مستحق کو دے دیں۔ داوٗد علیہ السلام نے دریافت کیا: تمھارا اس مال کو اٹھا لانے کا کیا سبب ہے؟

کہا: اے اللہ کے نبی علیہ السلام! ہم ایک کشتی میں تھے تو ہم طوفانی ہوا کی زد

میں آ گئے اور ہم غرق ہونے کے قریب ہو گئے، اچانک ایک پرندے نے ہم پر سرخ کپڑے کا ایک ٹکڑا پھینکا، جس میں سوت تھا، ہم نے اس کے ساتھ کشتی کے عیب کو دور کیا، ہوا کی تندی پر سکون ہو گئی اور عیب بھی بند ہو گیا، ہم نے اللہ تعالیٰ سے نذر مانی کہ ہم میں سے ہر کوئی ایک سو دینار صدقہ کرے گا۔ اب یہ مال آپ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہے، جسے چاہیں صدقہ کر دیں۔

داؤد علیہ السلام اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: رب تیرے لیے بحر و بر میں تجارت کر رہا ہے اور تو اسے ظالم سمجھتی ہے، پھر وہ ہزار دینار اسے دے دیے اور فرمایا: انھیں اپنے بچوں پر خرچ کر لے۔[1]

کتا اور روٹی

ابن شداد نے بیان کیا کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا، جس کا ایک کتا تھا۔ وہ اسے بڑا قریب رکھتا اور ایک ریشمی کپڑے میں اسے ڈھانپ کر رکھتا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگا: میرا ایک دوست تھا جو میرے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ہم ایک سفر پر نکلے اور میری کمر پر ایک تھیلی بندھی تھی، جس میں دینار تھے اور بہت سا دیگر سامان تھا۔ ہم ایک جگہ اترے تو ایک چور نے مجھے باندھ کر ایک وادی کی نذر کر دیا اور جو کچھ تھا وہ لوٹ کر اپنی راہ لی اور یہ کتا میرے ساتھ بیٹھ گیا، پھر مجھے چھوڑا اور چلا گیا، لیکن بہت جلد میرے پاس لوٹا اور اس کے ساتھ ایک روٹی تھی، وہ میرے سامنے پھینک دی، میں نے اسے کھا لیا اور پانی والی جگہ کی طرف گھٹنوں کے بل گھسٹتا رہا اور اس میں سے پی لیا۔ کتا

[1] أنيس الصالحين (ص: ٣٢)

رات بھر میرے ساتھ ہی رہا۔

پھر میں سو گیا اور اسے گم پایا، پھر وہ بہت جلد میرے پاس پہنچ گیا اور ساتھ ہی روٹی بھی تھی۔ جب تیسرا دن ہوا تو مجھ سے غائب ہو گیا، میں نے کہا وہ چلا گیا ہے اور میرے پاس روٹی لے کر آئے گا، چنانچہ وہ آیا اور اس کے ساتھ روٹی تھی، اُس نے اُسے پھینکا، میں نے ابھی پوری کھائی نہیں تھی کہ میرا بیٹا میرے سر پر رو رہا تھا اور بولا: آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ کیا حادثہ پیش آ گیا؟ پھر وہ اُترا، میرے ہاتھ کھولے اور مجھے اس چنگل سے نکالا۔

میں نے اسے کہا: تجھے میری اس جگہ کا پتا کیسے چلا اور تیری راہنمائی کس نے کی؟ اس نے کہا: کتا ہر روز ہمارے پاس آتا، ہم اس کا نام لے کر اس کے آگے روٹی پھینکتے، وہ اُسے نہ کھاتا اور آپ کے پاس لے آتا اور اس کا آپ کے بغیر واپس آنا ہمیں عجیب لگا۔ وہ اپنے منہ میں روٹی اٹھاتا اور چکھتا تک نہ اور چلا جاتا، ہمیں اس کے معاملے میں تشویش ہوئی، چنانچہ میں اس کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک آپ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ہے میری اور کتے کی کہانی۔[1]

کتا اور اژدہا

ابنِ خلف رحمہ اللہ نے کہا: مجھے ایک دوست نے بیان کیا کہ میں ایک باغ میں داخل ہوا۔ میرے ساتھ میرے پالے ہوئے دو کتے تھے۔ میں سو گیا تو اچانک وہ بھونکنے لگے، میں بیدار ہو گیا۔ میں نے کوئی ایسی عجیب چیز نہ دیکھی، وہ دوبارہ بھونکنے لگے، میں نے انہیں مار بھگایا اور سو گیا۔

---

[1] الأذكيا (ص: ۲۹۸)

یک دم وہ مجھے ہاتھوں اور پاؤں سے یوں حرکت دینے لگے جیسے سوئے آدمی کو جگایا جاتا ہے۔ میں چھلانگ لگا کر اٹھا تو ایک سیاہ ناگ میرے قریب آ چکا تھا۔ میں کود گیا اور اسے مار گرایا، اس طرح وہ میری سلامتی کا سبب بنے۔[1]

قاری قرآن اور چیل

حماد بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کے اپنے زمانے کے شیخ القراء عاصم بن ابی نجود رحمہ اللہ نے فرمایا: میں فقر و فاقے میں مبتلا ہو گیا تو اپنے ایک بھائی کے پاس آیا اور اسے اپنے حالات کہہ سنائے، میں نے اس کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھے تو اس کے گھر سے نکل کر صحرا کی طرف آ گیا اور وہاں جتنی اللہ نے چاہا نماز پڑھی، پھر اپنا چہرا زمین پر گرا دیا اور کہا:

اے مسبب الاسباب، دروازے کھولنے والے، آوازوں کو سننے والے، دعائیں قبول کرنے والے، حاجات پوری کرنے والے! مجھے اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام سے کفایت کر اور اپنے فضل سے اپنے غیر سے بے نیاز کر دے۔

کہا: اللہ کی قسم :میں نے ابھی اپنا سر نہ اٹھایا تھا کہ اپنے قریب ایک چیز گرنے کی آواز سنی، سر اٹھایا تو اچانک ایک چیل نے ایک تھیلا گرایا، میں نے تھیلا پکڑ لیا، اس میں اسی دینار اور اون میں لپٹے ہوئے موتی تھے۔ میں نے وہ موتی بڑی گراں قیمت میں فروخت کیے اور دینار بچا لیے، پھر اس رقم سے بڑی جائیداد خریدی اور اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔[2]

---

[1] الأذكيا لابن الجوزي (ص:٢٩٨)

[2] حياة الحيوان للدميری (٣/٣٩١)

آدمی کی نجات دہندہ ایک مچھلی

علی بن حرب رحمہ اللہ نے کہا: میں نے کچھ سامان خریدنے کے لیے شہر موصل سے دوسرے شہر سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ وہاں کشتیاں چلتی تھیں جو دریائے دجلہ میں موصل سے دوسرے شہر کی طرف سواروں اور سامان کو اجرت پر لے جاتی تھیں۔ میں ان کشتیوں میں سے ایک پر سوار ہو گیا اور دجلہ میں اس شہر کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔

ہماری کشتی میں کچھ سامان تھا اور چند افراد تھے، جو پانچ سے متجاوز نہ تھے۔ دن بڑا خوش گوار اور فضا خوب صورت تھی۔ دریا پُرسکون اور ملاح حُدی خوانی کر رہا اور خوب صورتی سے گنگنا رہا تھا۔ کشتی پانی کی سطح پر بڑی آہستگی سے رواں دواں تھی، یہاں تک کہ ہم میں اکثر لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے اور میں دریا کے دونوں کناروں پر موجود رنگین اور دل کش مناظر سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگا، اچانک ایک مچھلی دیکھی جو دریا سے کود کر کشتی میں آگری، میں نے اس پر دھاوا بول دیا اور اس کے دریا میں واپس جانے سے پہلے ہی اسے دبوچ لیا۔

لوگ اس شور کے سبب، جو ان کے قریب ہی ہوا، اپنی نیند سے بیدار ہو گئے اور جب مچھلی دیکھی تو ایک نے کہا: اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس بھیجا ہے، کیوں نہ ہم ساحل دریا پر اتریں اور بھون کر اسے مزے سے کھائیں، یہ بہت بڑی مچھلی ہے ہم سب کو کفایت کر جائے گی۔ ہمیں اس کی رائے پسند آئی، کپتان نے بھی موافقت کی اور ہمیں ساحل کی طرف لے گیا اور ہم اُتر پڑے۔ ہم درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف مڑ گئے، تا کہ مچھلی کو

بھوننے کے لیے ایندھن جمع کر سکیں۔

ہم درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک منظر سے ششدر رہ گئے، جس سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک آدمی ذبح ہوا پڑا تھا اور اس کے پاس ایک تیز دھار چھری پڑی ہوئی تھی۔ دوسرا آدمی مضبوط رسی سے بندھا ہوا اور اس کے منہ کے اردگرد رومال لپیٹا گیا تھا کہ شور اور کلام سے روکا جا سکے، ہم اسی منظر سے مدہوش ہو گئے کہ مقتول کو کس نے قتل کیا ہے، جبکہ آدمی بندھا ہوا ہے؟

پہلے ہم نے جلدی سے آدمی کی رسی کھولی اور اس کے منہ سے رومال اٹھایا، وہ انتہائی خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا تھا، جب بات کی تو کہا: مہربانی کر کے پہلے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دیں تو ہم نے اسے پانی پلا دیا۔

پھر تھوڑی دیر سکون لینے کے بعد بولا: میں اور یہ مقتول آدمی اس قافلے میں تھے جو شہر موصل سے بغداد کی طرف جا رہا تھا۔ اس مقتول نے دیکھ لیا تھا کہ میرے پاس بہت زیادہ مال ہے۔ چنانچہ وہ مجھے محبت جتانے اور میرے قریب رہنے لگا۔ تھوڑی دیر ہی مجھ سے علاحدہ رہتا تھا، یہاں تک کہ قافلہ اس جگہ اُترا، تاکہ ہم یہاں تھوڑا آرام کر لیں۔ رات کے آخری حصے میں قافلے نے دوبارہ سفر شروع کر لیا اور میں سویا ہی رہ گیا، کچھ پتا نہ چلا۔ قافلے کی روانگی کے بعد اس نے میری نیند سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے رسی سے باندھ دیا، جیسا کہ تم نے دیکھا اور میرے منہ کے گرد رومال لپیٹ دیا، تاکہ میں چلا نہ سکوں اور میرا سارا مال غضب کر لیا، پھر مجھے زمین پر گرایا اور میرے اوپر بیٹھ گیا، تاکہ مجھے ذبح کر سکے، ساتھ کہہ رہا تھا: اگر تجھے زندہ چھوڑ دیا تو عن قریب مجھے آملو گے اور بدنامی کا باعث بنو گے، لہٰذا تمھیں ذبح کرنا ازحد ضروری ہے۔

اس کے پاس ایک تیز دھار چھرا تھا، جو اس نے کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ یہ زمین پر وہی چھرا پڑا ہے جو تم دیکھ رہے ہو، اس نے کمر بند سے مجھے ذبح کرنے کے لیے اسے کھینچنا چاہا، لیکن وہ اس کی پیٹی سے چپک کر رہ گیا۔ یہ اسے درست کرنے لگا اور پورے زور سے کھینچا، اس کی نوک اوپر کی طرف تھی، چنانچہ وہ قوت سے نکلا اور اس کی گردن میں اتر گیا اور جلد، گوشت اور شریان کو کاٹ گیا، اس سے خون ٹپکنے لگا، اعضا ڈھیلے پڑ گئے اور پھر گر کر مر گیا، یہاں تک کہ اس کے مر جانے کے بعد بھی مجھے اپنی موت کا یقین تھا، کیوں کہ یہ الگ تھلگ جگہ ہے، یہاں کوئی شاذ و نادر ہی آتا ہے، مجھے کس نے کھولنا اور کس نے بچانا تھا؟

میں اللہ سبحانہ وتعالی سے دُعا کرنے لگا کہ کسی کو بھیج دے، جو مجھے یہاں سے بچالے، میں مظلوم تھا اور مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی۔ اچانک تم لوگ آ گئے ہو اور مجھے اس مصیبت سے نکال لیا ہے۔ تمھیں اس ویران جگہ اس وقت کون سی چیز لے آئی؟ ہم نے بتایا کہ ہمیں یہاں تک لانے والی یہ مچھلی ہی ہے، پھر اس کے سامنے بیان کیا کہ کیسے وہ پانی سے چھلانگ لگا کر کشتی میں آ گری اور وہ اسے اس جگہ بھوننے اور کھانے کے لیے لے آئے۔

اس نے اس پر تعجب کیا اور کہا: یقیناً اللہ سبحانہ و تعالی ہی نے تمھاری طرف اس مچھلی کو بھیج دیا، تا کہ وہ تمھیں یہاں تک لانے کا سبب بنے اور تم مجھے اس مصیبت سے نجات دے دو۔ اب میں بہت زیادہ تھکا ہوا ہوں، تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے قریب ترین شہر تک ساتھ لے چلو۔

چناچہ انھوں نے مچھلی بھوننے اور کھانے سے صرفِ نظر کیا اور آدمی کو، اس دوسرے آدمی کے ہاتھوں اس کے غضب شدہ مال کو لینے کے بعد، ساتھ لیا

اور کشتی کی طرف واپس لوٹ آئے۔ ابھی وہ کشتی میں پہنچے ہی تھے کہ مچھلی پانی میں چھلانگ لگا کر دوبارہ دریا کی نذر ہوگئی۔ گویا سچ مچ اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے بھیجا تھا تاکہ مظلوم آدمی کو بچانے کا سبب بنے، جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے۔[1]

تاجر اور دو کبوتریاں

ایک نیک تاجر موصل سے حلب کی طرف نکلا، تاکہ چند بکریاں، گائے اور اونٹ فروخت کر سکے۔ صبح تک ایک ہوٹل میں رہا، پھر مویشی منڈی کی طرف نکل گیا اور جو کچھ تھا، وہاں موجود تاجروں کے سامنے پیش کر دیا اور کچھ خریداری کی، پھر اللہ نے اس کے لیے ان کی فروخت کو آسان بنایا اور اس نے نقد قیمت وصول کر لی، واپسی پر راستے میں اس کا ایک خطرناک ڈاکو اور چور سے پالا پڑ گیا، اس نے اپنا خنجر سونتا اور جو کچھ اس کے پاس تھا، قبضے میں کر لیا، تاجر نے دُہائی دی، لیکن کوئی مدد گار نہ تھا۔ چور نے اسے خنجر سے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو تاجر منت سماجت کرنے لگا کہ اسے قتل نہ کرے اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب لے لے، لیکن چور کا خنجر تاجر کے جسم میں اپنا کام کرنے لگا اور وہ بے جان جسم دھڑام سے زمین پر جا گرا۔

تاجر منت سماجت اور پکارتے وقت دائیں بائیں دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی مونس وغم خوار ادھر آ ٹپکے، لیکن کوئی آدمی نہ پایا، لیکن اس درخت کے اوپر، جس کے نیچے اسے ذبح کیا گیا، دو کبوتریاں دیکھیں، وہ بولا اور اپنی آخری سانسیں

[1] طبقات الأولیاء (ص: ۱۸۰، ۱۸۱)

رخصت کر رہا تھا: اے کبوتریو! تم دونوں گواہ رہنا۔ ڈاکو کے قہقہے بلند ہو گئے۔ وہ اس کی زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد یہ کہتے ہوئے اپنی گھوڑی پر چھلانگ لگا گیا کہ اے کبوتریو! تم دونوں گواہ رہنا..... پھر اپنی راہ لی اور ہنس رہا تھا، گویا کوئی مضحکہ خیز نکتہ سن لیا ہو۔

موصل میں موجود تاجر کی اولاد اور گھر والوں نے اس کے تجارتی سفر سے واپسی کا انتظار کیا اور ان کا انتظار بہت لمبا ہو گیا، لیکن بے سود۔ اس کے بڑے بیٹے نے شہر حلب کی طرف رختِ سفر باندھا، تا کہ اپنے والد کے بارے میں دریافت کر سکے۔ اسے کسی نے بتایا کہ اس کا باپ فلاں ہوٹل پر رات رہا تھا اور فلاں دن اپنی بکریاں فروخت کی تھیں اور جس دن اپنا مال فروخت کیا تھا، اسی دن اسے مقتول پایا گیا اور اجنبیوں کے قبرستان میں دفنا دیا گیا۔ اس کا قاتل اور اموال کا غاصب نا معلوم ہے۔ اس نے حکمران کے دروازے پر دستک دی، قاضی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جسے جانتا یا نہ جانتا تھا، ہر کسی کے در پر گیا، لیکن سب کا جواب ایک ہی تھا کہ قاتل گم نام ہے، اس نے بہت کوشش کی کہ اپنے باپ کے قتل کے متعلق کچھ معلوم ہو سکے، لیکن اس کی تمام تر مساعی ہواؤں میں اُڑ گئیں اور نوجوان موصل لوٹ آیا تو وہاں کے حکمران اور قاضی کے دروازوں پر دستک دی اور مدد طلب کی، انھوں نے حلب کے حکمران اور قاضی کو خط لکھا تو ان کا جواب تھا: قاتل نامعلوم ہے لہٰذا مقتول تاجر کا قصہ ایک بند دروازے پر جا کر ختم ہو گیا، اس کی اولاد نے تعزیتیں قبول کیں اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

کئی سال بیت گئے، کئی حکمران اور قاضی بدل گئے، لوگ ڈاکے کا قصہ بھول گئے۔ مقتول پردہ نسیاں میں چلا گیا، لیکن ایک آدمی یہ قصہ نہ بھول پایا

اور وہ آدمی قاتل ہے۔ وہ اسے یاد ہی رہتا ہے، بہ طور خاص جب کبوتری ر پھڑ پھڑاتے دیکھتا ہے یا کسی درخت کے اوپر جھانکتا ہے تو مقتول کا تصور اس کے سامنے گھوم جاتا ہے، وہ پکار اٹھتا ہے: اے کبوتریو! تم دونوں گواہ رہنا۔

ایک دن وہ اپنے کسی قریبی عزیز کی دعوت پر، جو رات کے وقت تھی، حاضر ہوا۔ ولیمہ مختلف قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس نے کھانے کے تھالوں کی طرف دیکھا تو بالکل اس کے سامنے ایک تھال میں دو کبوتریاں تھیں، وہ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھتا رہا اور وہ قصہ یاد کرتا کہ جب مقتول نے دو کبوتریوں سے مدد مانگی تھی کہ اس کے حق میں گواہ بن جائیں، اس نے سر جھکا لیا اور اپنے جرم کی داستان تازہ کرنے لگا۔ غیر ارادی قہقہہ لگایا کہ اپنے ارادی قہقہے کو لوٹا سکے، جب کہ وہ مقتول کا کام تمام کر رہا تھا۔ گویا وہ ولیمہ اور دعوت کو بھول گیا پھر اپنی شرم ناک طویل روداد سے ہوش میں آگیا اور اپنے ارد گرد حاضرین کو اپنے بھرپور قہقہے سے متوجہ کیا، وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ہنسی کا باعث ہوتی، تشویش ناک اور عجیب وغریب نظریں اس کی طرف متوجہ ہوگئیں، اس نے غیر ارادی طور پر ایک لمبا سانس لیا اور سرد آہ بھری، اب اپنے ارد گرد بیٹھے لوگوں کو مصیبت زدہ مقتول کا واقع سنانے لگا، گویا کوئی پوشیدہ قوت زبردستی اس کی زبان سے اگلوا رہی تھی اور اس نے کوئی چھوٹی موٹی بات نہ چھوڑی، مگر اسے حاضرین کے سامنے کہہ سنایا۔

ابھی وہ اپنی بات مکمل نہ کر پایا تھا کہ اُسے محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑا بوجھ اس کی گردن پر آپڑا ہے، لیکن اس کی بات نے حاضرین کو گھائل کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنی نیک نامی کی طرف آیا اور اپنے افشائے راز پر نادم ہوا، لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد یہ قصہ ایسے پھیلا کہ حلب کی ہر مجلس کا موضوعِ گفتگو بن گیا۔ چنانچہ ملزم کو تفتیش کے لیے گرفتار کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا گیا اور پولیس آفیسر نے حکم دیا کہ سرکاری تحقیقی عمل شروع کر دیا جائے۔ ان لوگوں کو جنھوں نے ملزم سے رات کے کھانے پر اس کی زبانی واقعہ سنا تھا، طلب کر لیا گیا اور گواہوں کے بیانات ریکارڈ کر لیے گئے۔ آفیسر نے ملزم کو حاضر کیا اور گواہوں کے سامنے پیش کر دیا، ملزم وہیں ڈھیلا پڑ گیا اور اپنے بدترین جرم کا اقرار کر لیا۔ قاتل کے کاغذات قاضیِ شہر کی طرف بھیج دیے گئے اور اس نے تختۂ دار پر لٹکانے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

والیِ شہر نے کہا: بے شک ان دونوں کبوتریوں نے گواہی دی۔ قاضیِ شہر نے کہا: یقیناً ان دونوں کبوتریوں نے گواہی دی، پولیس آفیسر نے کہا: بلا شبہہ ان دونوں کبوتریوں نے گواہی دی اور لوگوں نے بھی کہا کہ ان دونوں کبوتریوں ہی نے گواہی دی۔

قاتل کی موت کی رات اس کی بیوی نے پوچھا: تو نے اتنے سالوں سے اپنے چھپے راز کو کیسے افشا کر دیا؟ اس کا جواب تھا کہ ایک زبردست ارادے نے میرے ارادے کو شل کر دیا اور مجھے اگلنے پر مجبور کر دیا۔

اگلے دن کی فجر کے وقت غاصب قاتل کو پابہ زنجیر تختہ دار کی طرف لایا گیا، جب رسی اس کی گردن کے گرد ڈالی گئی تو وہ منہ کے اندر بڑبڑایا: میں اپنی زبان سے نہیں بولا تھا، بلکہ ان دو کبوتریوں کی زبان سے کلام کیا تھا، جو رات کی دعوت پر میرے سامنے رکھے ہوئے تھال میں تھیں۔ لوگوں کا ایک جمِ غفیر پھانسی زدہ جثّے کے اردگرد جمع ہو گیا اور معاشرے کے شریر مجرم سے نجات پانے کے

سبب نشاط انگیز نغمہ بلند کرنے لگے۔

تمام لوگوں نے یک زبان ہو کر بہ آوازِ بلند کہا: یقیناً دونوں کبوتریوں نے گواہی دی۔[1]

ایک گائے اور بادشاہ

کسریٰ ایک دن شکار کے لیے نکلا اور اپنے مصاحبوں سے کٹ گیا۔ ایک بادل اس پر سایہ فگن ہوا اور موسلا دھار بارش برسی، جو اس کے اور لشکر کے درمیان حائل ہو گئی۔ وہ چل پڑا، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ چنانچہ ایک جھونپڑے تک پہنچا، جس میں ایک بڑھیا تھی۔ وہ اس کے ہاں اترا تو بڑھیا نے اس کا گھوڑا اندر داخل کیا اور اس کی بیٹی ایک گائے چرا کر لے آئی اور اس کا دودھ دھویا، کسریٰ نے اس کا بہت زیادہ دودھ دیکھ کر کہا: ایسا ہونا چاہیے کہ ہم ہر گائے کے اوپر ایک ٹیکس لگا دیں، کیوں کہ یہ دودھ کافی مقدار میں ہے۔ پھر اس کی بیٹی رات کے آخری حصے میں دودھ دھونے کے لئے اُٹھی تو دیکھا کہ اس میں کوئی دودھ نہ تھا، اس نے آواز کسی: ماں! بادشاہ نے اپنی رعایا کے ساتھ دل میں برا ارادہ سوچا ہے۔

ماں نے کہا: وہ کیسے؟ کہا: گائے میں ایک قطرہ دودھ بھی نہیں ہے۔

ماں نے کہا: خاموش ہو جا، ابھی رات پڑی ہے۔

پھر کسریٰ نے اپنے دل میں عدل و انصاف کرنے اور اپنے عزم سے باز رہنے کا ارادہ کر لیا۔ جب رات ختم ہونے کو آئی تو ماں نے کہا: اب دودھ دھو۔ وہ

1. أنيس الصبا لحين وسمير المتقين (٢/٩)

کھڑی ہوئی تو دیکھا کہ گائے دودھ سے بھری پڑی ہے، کہا: اے ماں: اللہ کی قسم! بادشاہ کے دل کی برائی ختم ہو گئی ہے۔

جب دن چڑھا تو کسریٰ کے ساتھی آگئے، وہ سوار ہوا اور ساتھ ہی بڑھیا اور اس کی بیٹی کو بھی سوار ہونے کا حکم دیا۔ پھر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا اور کہا: تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہو گئی؟

بڑھیا نے کہا: میں اس جگہ پر اتنی دیر سے ہوں۔ جب بھی ہمارے اندر عدل کیا جاتا ہے تو ہماری زمین شاداب اور گزران زندگی میں کشادگی آجاتی ہے اور جب بھی ہمارے اندر ظلم و جور سے کام لیا جاتا ہے تو ہمارا روزگار تنگ اور فائدہ بخش اسباب و وسائل ہم سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔[1]

ایک بیمار بکری

امام اعمش رحمہ اللہ نے کہا: ہماری ایک بکری تھی، جس کا دودھ ہم خوراک کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہ بیمار پڑ گئی تو خیثمہ بن عبدالرحمٰن کو ہمارے فقر و فاقے اور بکری کی بیماری کی اطلاع ملی، ان دنوں ہم ان کے پڑوس ہی میں سکونت پذیر تھے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری بکری کا حال دریافت کیا کہ اس نے اپنا چارہ کھایا ہے کہ نہیں؟ نیز یہ کہ اس کے بیمار ہونے اور دودھ نہ ہونے کے باعث بچوں کی حالت کیسی ہے؟ میرے پاس ایک نمدہ تھا، جس پر میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب وہ جانے لگے تو نمدے کے نیچے اپنا ہاتھ داخل کیا اور جب وہ چل دیے تو ہم نے وہ چیز لے لی جو وہ رکھ گئے تھے، وہ لگاتار

[1] حياة الحيوان للدميري (٢/٢٤٣)

ہماری عیادت کرتے رہے اور بکری کے متعلق دریافت کرتے رہے، تا آنکہ بکری صحت یاب ہوگئی۔ چند دنوں میں، جب کہ وہ بکری کے بارے پوچھ گچھ کرتے رہے، ہمیں ان کی طرف سے تین سو دینار موصول ہو چکے تھے، یہاں تک کہ ہم تمنا کرتے رہے کہ بکری اپنی بیماری سے تندرست نہ ہوتی!!

ایک مچھلی اور بچہ

بعض نیک شعار حضرات نے بیان کیا ہے کہ میں کعبے کا طواف کر رہا تھا تو ایک لڑکی، جس کے کندھے پر چھوٹا بچہ تھا، کہہ رہی تھی: اے کریم: تیرا عہدِ قدیم۔ میں نے پوچھا: وہ کیا عہد ہے جو تیرے اور اس کے درمیان ہے؟

وہ بولی: میں کشتی میں سوار ہوئی اور ہمارے ساتھ تاجروں کی ایک قوم تھی، پھر ہمیں طوفان نے آگھیرا اور کشتی مسافروں سمیت غرق آب ہوگئی۔ میرے اور اس بچے کے سوا جو میری گود میں تھا، کوئی نہ بچا، نیز ایک سیاہ فام آدمی، جو دوسرے تختے پر تھا، وہ بھی نجات پا گیا۔ جب صبح ہوئی تو سیاہ فام شخص نے میری طرف دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے پانی کو ہٹاتے ہوئے مجھ تک پہنچ گیا اور ہمارے ساتھ تختے پر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے میرے نفس کے متعلق پھسلانے لگا تو میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا تو اللہ تعالی سے نہیں ڈرتا ہے؟ ہم ایک بڑی مصیبت کا شکار ہو چکے ہیں کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے ساتھ بھی نکلنے کی امید نہیں، اس کی نافرمانی کر کے کیسے نکل سکتے ہیں؟

وہ بولا: یہ بات چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم میرے لیے یہ کام بڑا ضروری ہے۔

وہ بولی: یہ بچہ میری گود میں سویا ہوا تھا تو میں نے زور کے ساتھ اِسے

چٹکی کاٹی، یہ بیدار ہوا اور رونے لگا تو میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے چھوڑ، اس بچے کو سلا لوں، لیکن سیاہ فام شخص نے اپنا ہاتھ بچے کی طرف بڑھایا اور اسے دریا میں پھینک دیا، میں نے آسمان کی طرف نظر بلند کر دی اور کہا: اے وہ ذات جو بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتی ہے، میرے اور اس سیاہ فام کے درمیان بھی اپنی قوت و طاقت اور اختیار کے ساتھ حائل ہو جا کہ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اللہ کی قسم! میں نے ابھی یہ کلمات مکمل نہیں کیے تھے کہ ایک بہت بڑی مچھلی نمودار ہوئی، اس نے اپنا منہ کھولا اور سیاہ فام شخص کو لقمہ بنا کر پانی میں غوطہ زن ہوگئی۔ اللہ نے اپنی قدرت اور طاقت سے مجھے بچا لیا اور سبحانہ و تعالیٰ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

موجیں مسلسل مجھے دھکیلتی رہیں، یہاں تک کہ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرے پر لا پھینکا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: میں اس کی ترکاری کھاؤں گی اور پانی پیتی رہوں گی، تا آنکہ اللہ کا حکم آ جائے۔ میرے لیے اب یہی کچھ ہے۔ میں چار دن ٹھہری۔ جب پانچواں دن تھا تو مجھے سمندر میں دور ایک کشتی دکھائی دی۔ میں ایک ٹیلے پر چڑھ گئی اور اپنے کپڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے تین آدمی ایک چھوٹی کشتی پر میری طرف نکلے اور میں ان کے ساتھ سوار ہوگئی۔

جب میں بڑی کشتی میں سوار ہوئی تو اچانک وہ بچہ جسے سیاہ فام شخص نے دریا برد کر دیا تھا، ان میں سے ایک شخص کے پاس تھا۔ میں بے بس ہو کر اس کے

اوپر جا گری اور اس کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا: اللہ کی قسم! یہ میرا بیٹا ہے اور لختِ جگر ہے۔ کشتی والوں نے مجھ سے کہا: پاگل ہو یا حواس باختہ ہو گئی ہو؟ میں نے کہا: واللہ! پاگل ہوں نہ بدحواس ہوں، لیکن میرے ساتھ ایسے ایسے معاملہ پیش آیا تھا اور اول تا آخر انھیں وہ قصہ کہہ سنایا۔

جب انھوں نے میری داستان سنی تو اپنے سر نیچے جھکا لیے اور کہنے لگے: اے لڑکی! تو نے ہمیں ایک تعجب خیز بات بتائی ہے۔ اب ہم بھی تجھے ایسی خبر دیتے ہیں، جس سے تو تعجب کرے گی۔ ہم پاکیزہ ہوا کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک مچھلی سامنے آ گئی اور کھڑی ہو گئی۔ یہ بچہ اس کی پیٹھ پر تھا، ہم میں سے ایک سوار اس کی پیٹھ پر چڑھا اور بچہ پکڑ لایا۔ جب بچے کو لے کر کشتی میں اترا تو وہ مچھلی سمندر میں غوطہ کھا گئی، یقیناً ہم نے اس سے اور تیرے بیان کردہ قصے سے تعجب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ اس دن کے بعد ہمیں کسی معصیت میں مبتلا نہ دیکھے گا اور ان سب نے توبہ کر لی۔

یقیناً انتہائی باریک بین خبر رکھنے والا اللہ پاک ہے جو مصائب میں مبتلا پریشان حال کی پریشانی دور کرنے والا پاک رب ہے۔

يَا مُدْرِكاً بِسَرِيْعِ اللُّطْفِ وَالْفَرَجِ
عِنْدَ الشَّدَائِدِ لِلْمَلْهُوْفِ ذِي الْحَرَجِ

”تنگی والے پریشان حال کو سختیوں میں لطف و کرم اور کشادگی میں بہت جلد پانے والے اے اللہ!“

كَلَمْحَةِ الطَّرْفِ بَلْ أَدْنىٰ تُغِيْثُ وَلَوْ

''چشمِ زدن میں، بلکہ اس سے بھی قریب اور جلد تو فریاد رسی کرتا ہے، سمندر کی گہرائی اور مچھلی کے پیٹ میں جو بحر کی پہنائیوں میں ہو۔''[1]

لقمے کے بدلے لقمہ

ایک عورت کا ایک بیٹا تھا، جو گم ہو گیا اور اس کی طویل گم شدگی پر وہ اس کے ملنے سے مایوس ہو گئی وہ ایک دن کھانے کے لیے بیٹھی اور جوں ہی لقمہ توڑا اور اسے منہ کی طرف اٹھایا، دروازے پہ کھڑا ایک گداگر کھانے کی صدا بلند کرنے لگا، وہ لقمہ کھانے سے رک گئی، اسے مکمل روٹی کے ساتھ اٹھایا اور صدقہ کر دیا۔ خود سارا دن اور رات فاقے میں رہی۔ چند دن ہی گزرے تھے کہ اس کا بیٹا مل گیا اور اسے ان بڑے بڑے مصائب کے متعلق بتلایا، جن سے وہ ہو گزرا تھا۔

کہا: سب سے بڑی مشکل جو مجھ پر آئی تھی کہ میں کئی دنوں سے فلاں جگہ پر درختوں کے ایک جھنڈ میں چل رہا تھا، اچانک ایک شیر نکل آیا اور جس گدھے پر میں سوار تھا، اس نے اس کی پشت سے مجھ پر حملہ کیا۔ گدھا تیزی سے بھاگ کھڑا ہوا، لیکن اس کے پنجے میرے کوٹ کے نیچے کے کپڑے تک چیر پھاڑ گئے، لیکن میرے بدن تک اس کی زیادہ رسائی نہ ہو سکی۔

لیکن میں بڑا حیران اور خوف زدہ ہو گیا اور میری عقل تقریباً ماؤف ہو گئی، وہ مجھ پر حملہ آور ہوتا رہا، یہاں تک کہ مجھے وہاں موجود جھنڈ میں داخل کر دیا اور مجھے پھاڑنے کے لیے اوپر سینہ تان لیا۔ میں نے اچانک سفید چہرے اور کپڑوں والا بڑے قد و قامت کا آدمی دیکھا، وہ آیا اور بغیر سلام کے شیر کو پکڑ کر اوپر اچھالا

[1] أنيس الصالحين (٢/١٤٦-١٤٨)

اور زمین پر پٹخ دیا اور کہا: اے کتے! کھڑا ہو جا..... لقمے کے بدلے لقمہ ہے۔

شیر اٹھ کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ میری یادداشت واپس آئی تو میں نے اس آدمی کو تلاش کیا، لیکن پا نہ سکا اور اپنی جگہ کتنی دیر بیٹھا رہا، تا آنکہ میری قوت واپس آ گئی، پھر میں نے اپنے آپ کی طرف دیکھا تو کوئی ایسی ویسی چیز نہ پائی۔ میں چلا، یہاں تک کہ اس قافلے سے جا ملا، جس میں پہلے جا رہا تھا، انھوں نے مجھے دیکھ کر تعجب کیا تو میں نے اپنا واقعہ کہہ سنایا، لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ اس آدمی کی اس بات کا مطلب کیا تھا کہ لقمے کے بدلے لقمہ ہے۔ اس عورت نے غور کیا تو وہ وہی وقت تھا جب اس نے اپنے منہ سے لقمہ نکال کر صدقہ کیا تھا۔[1]

ایک کتا خیانت کرنے والوں کو سزا دیتا ہے

حرث بن صعصعہ کے چند دوست تھے، جن سے وہ کبھی جدا نہ ہوتا تھا، ان میں سے ایک نے اس کی بیوی کی طرف غلط نظر سے دیکھا اور اس کی طرف خط بھی لکھا، حرث کا ایک کتا تھا، جسے اس نے پال رکھا تھا، حرث کسی سیر و تفریح کے لیے روانہ ہو گیا اور وہی آدمی پیچھے اس کا جانشین بنا تو وہ اس کی بیوی کے پاس آیا اور اس کے پاس قیام پذیر ہو گیا، جب اس کے ساتھ تعلق قائم کرنے لگا تو کتا دونوں پر پل پڑا اور انھیں قتل کر دیا۔ جب حرث واپس آیا تو ان دونوں کو دیکھا اور ساری کہانی سمجھ گیا۔ اب اس نے تمام یار چھوڑ دیے اور بس ایک کتے کو اپنا مصاحب و رفیق بنا لیا۔

عرب میں یہ بات موضوعِ گفتگو بن گئی اور وہ یوں کہنے لگا:

---

[1] أنيس الصالحين (ص: ٥١)

فَلَلْكَلْبُ خَيرٌ مِّنْ صَدِيْقٍ يَخُوْنُنِي
وَيَنْكِحُ عُرُوسِي بَعْدَ وَقْتِ رَحِيْلِي

''کتا خیانت کرنے والے ایسے دوست سے بہتر ہے، جو میرے کوچ کر جانے کے بعد میری بیوی سے مباشرت کرتا ہے۔''

سَأَجْعَلُ كَلْبِيْ مَا حَيِيْتُ مُنَادِمِي
وَأَمْنَحُهُ وُدِّي وَ صَفْوَ خَلِيْلِي

''عن قریب میں جب تک زندہ رہا، اپنے کتے کو اپنا ہم نشین بناؤں گا اور اسے ہی اپنی محبت اور خالص دوستی کا تحفہ دیتا رہوں گا۔''

شیر اور خرگوش کی ذہانت

ایک شیر بہت زیادہ پانی اور گھاس والی جگہ رہتا تھا، وہاں دیگر جانوروں کے لیے بھی وافر چراگاہ اور پانی تھا، لیکن وہ شیر کے خوف سے چنداں فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ سب اکٹھے ہو کر شیر کے پاس آ گئے اور بولے: بے شک تو بڑی محنت اور کوشش کے بعد ہم میں سے کوئی ایک جانور حاصل کر لیتا ہے، ہماری ایک تجویز ہے، جس میں تیری بھلائی اور ہمارے لیے امن ہے، اگر تو ہمیں امان دے دے اور ہمیں ڈرائے بھگائے نہیں تو ہر دن ایک جانور تجھے دینا ہماری ذمہ داری ہے، ہم تیرے دوپہر کے کھانے کے وقت وہ تجھے بھیج دیا کریں گے۔

شیر اس پر راضی ہو گیا اور جانوروں سے مصالحت کر لی، انھوں نے بھی وفا کی، پھر ایک خرگوش کے نام قرعہ نکلا اور شیر کا لقمہ بنا۔ اس نے جانوروں

سے کہا: اگر تم میری موافقت کرو، جس کا تمھیں کوئی نقصان بھی نہیں تو امید ہے کہ میں تمھیں شیر سے نجات دلا دوں گا۔ جانوروں نے کہا: تم ہم پر کیا ذمے داری عائد کرنا چاہتے ہو؟

کہا: جو جانور مجھے شیر کی طرف لے کر جائے، تم اسے کہنا کہ مجھے مہلت دے، تاکہ میں شیر کے پاس جانے میں کچھ لیٹ ہو جاؤں۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ خرگوش جان بوجھ کر آہستہ چلا، یہاں تک کہ وہ وقت گزر گیا، جس میں شیر دوپہر کا کھانا کھایا کرتا تھا، پھر اکیلا ہی اس کی طرف بڑھا اور شیر بہت بھوکا تھا، وہ غصے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر اس کی طرف بڑھا اور کہا: تو کہاں رہ گیا تھا؟ اس نے کہا: میں تیری طرف جانوروں کا پیغام بر ہوں، انھوں نے مجھے بھیجا اور میرے ساتھ ایک دوسرا خرگوش بھی تھا۔ راستے میں میرے پیچھے ایک اور شیر لگ گیا اور وہ خرگوش مجھ سے لے گیا اور بولا: اس جگہ کا اور یہاں کے جانوروں کا میں زیادہ حق دار ہوں۔ میں نے کہا: بے شک یہ بادشاہ سلامت کا دوپہر کا کھانا ہے، جسے جانوروں نے اس کی طرف بھیجا ہے، تم اسے ناراض مت کرو، لیکن وہ تجھے برا بھلا کہنے لگا اور گالیاں دینے لگا، لہٰذا میں جلدی سے تجھے خبر دینے آیا ہوں۔ شیر نے کہا: میرے ساتھ چل اور مجھے اس شیر کی جگہ بتلا۔

خرگوش اسے ایک گہرے کنویں کی طرف لے کر چل پڑا، جس میں صاف شفاف پانی تھا اور کہا کہ یہ وہ جگہ ہے، شیر نے جھانکا اور پانی میں اپنا اور اپنے ساتھ خرگوش کا سایہ دیکھا تو اس کی خبر میں شک نہ کیا اور اس نے لڑائی کے لیے چھلانگ لگا دی اور کنویں میں ڈوب گیا۔ خرگوش واپس آ گیا اور جانوروں کو اپنا

کارنامہ سنایا کہ اس نے شیر کے ساتھ کیا چال چلی ہے۔[1]

سانپ اور بندر

بیان کرتے ہیں کہ ایک قوم نے ایک کنواں کھودا، جس میں ایک سنار، سانپ، بندر اور درندہ گر گئے، پھر ان کے پاس سے ایک سیاح گزرا اور اس نے کنویں میں جھانکا تو ایک آدمی، سانپ، درندہ اور بندر دیکھے اور دل میں سوچا: آخرت کے لیے اس سے افضل عمل کوئی نہ ہوگا کہ میں اس آدمی کو ان دشمنوں کے درمیان سے نجات دلا دوں، پھر اس نے ایک رسی پکڑی اور اسے کنویں میں لٹکا دیا۔ بندر ہلکا ہونے کے باعث اس سے چمٹ گیا اور باہر آ گیا۔ پھر اسے دوسری مرتبہ لٹکایا تو اس کے ساتھ سانپ لپٹ گیا اور نکل آیا، پھر تیسری مرتبہ لٹکایا تو درندہ اس کے ساتھ چمٹ گیا، اس نے اسے بھی نکال دیا۔ انھوں نے اس کام پر سیاح کا شکریہ ادا کیا اور کہا: اس آدمی کو کنویں سے مت نکالنا، کیوں کہ انسان سے بڑھ کر ناشکرا کوئی نہیں اور پھر بہ طور خاص یہ انسان!

پھر بندر نے کہا: میرا گھر اس شہر کے قریبی پہاڑ میں ہے، جسے نوا درخت کہا جاتا ہے۔ درندے نے کہا: میں بھی اسی شہر کی ایک جانب واقع جنگل کے ایک جُھنڈ میں رہتا ہوں۔ سانپ نے کہا: میں بھی اس شہر کے سوراخوں میں رہتا ہوں۔ اگر زندگی میں کبھی اس شہر سے گزر ہو اور ہماری ضرورت پیش آئے تو آواز "صِحْ" لگانا یہاں تک کہ ہم تیرے پاس آ جائیں اور تجھے تیری نیکی کا بدلا دے سکیں۔

سیاح نے ان کے ذکر کردہ انسان کے قلتِ شکر کی پروا نہ کی اور رسی لٹکا

---

[1] كليلة ودمنة (ص: ١٢٦)

دی اور زرگر کو نکال دیا۔ اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا: اگر کسی دن تیرا گزر شہر نوا درخت سے ہو تو میرے گھر کا پتا پوچھ لینا، میں ایک زرگر ہوں، شاید تجھے تیرے احسان کا بدلہ دے سکوں۔

زرگر اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا اور سیاح اپنی سمت چل پڑا، پھر یوں ہوا کہ سیاح کو اس شہر کسی ضرورت کے پیشِ نظر جانا ہوا، وہ چلا تو اسے بندر ملا، اس نے اس کی قدم بوسی کی اور معذرت کرتے ہوئے کہا: بے شک بندر کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے، لیکن تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں، بندر چلا گیا اور عمدہ و لذیذ پھل اور میوے لے کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیے، اس نے اپنی ضرورت کے مطابق تناول کیے۔

پھر سیاح چلا اور شہر کے دروازے کے قریب پہنچ گیا تو وہاں اسے درندہ ملا اور بولا: یقیناً تو نے میرے ساتھ نیکی کی تھی، کچھ دیر انتظار کرو، تاآنکہ میں تیرے پاس واپس آجاؤں۔ درندہ گیا اور بعض دیواروں کو پھاندتے ہوئے بادشاہ کی بیٹی کے پاس پہنچ گیا، اسے قتل کیا اور اس کے زیورات لے آیا۔ سیاح کو کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں۔

اس نے اپنے دل میں کہا: ان چوپاؤں نے مجھے اتنا اچھا بدلا دیا ہے، کیا ہی اچھا ہو جو میں اس زرگر کے پاس جاؤں، اگر وہ تنگ دست ہوا اور کسی چیز کا مالک نہ ہوا تو ابھی ان زیورات کو فروخت کرے گا اور ان کی پوری قیمت وصول کرے گا، پھر کچھ مجھے دے دے گا اور کچھ اپنے پاس رکھ لے گا، وہی ان کی قیمت کو زیادہ پہچانتا ہے۔

سیاح چلا اور زرگر کے پاس آیا تو اس نے اسے پر تپاک انداز سے خوش آمدید کہا اور اپنے گھر کے اندر لے گیا، جب اس نے زیورات دیکھے تو پہچان گیا، کیوں کہ اسی نے بادشاہ کی بیٹی لیے تیار کیے تھے۔ اس نے سیاح سے کہا: تم پر سکون ہو جاؤ، میں ابھی کھانا لاتا ہوں، جو گھر میں موجود ہے وہ تمھارے لیے پسند نہیں کرتا، پھر نکلا اور کہہ رہا تھا: مجھے سنہرا موقع مل گیا، میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں اور اسے اس کے متعلق آگاہ کرتا ہوں اور اس طرح اس کی نظر میں بلند مقام حاصل کرلوں گا۔

چنانچہ وہ بادشاہ کے دروازے پر پہنچا اور اسے پیغام بھیجا کہ بے شک جس شخص نے تیری بیٹی کو قتل کیا اور اس کے زیورات ہتھیائے، وہ میرے پاس ہے۔ بادشاہ نے ہرکارے بھیجے جو سیاح کو پکڑ لائے، جب زیورات دیکھے تو مہلت دیے بغیر سزا، شہر کا چکر اور سولی سنا دی۔ جب انھوں نے ایسے کیا تو سیاح رونے لگا اور بہ آواز بلند کہنے لگا: اگر میں بندر، سانپ اور درندے کی بات مان لیتا کہ انھوں نے جو مجھے مشورہ دیا اور انسان کی قلتِ شکر کی خبر دی تو میرا معاملہ اس آزمایش تک نہ پہنچ پاتا اور اس بات کو دہرانے لگا۔

سانپ نے اس کی یہ بات سن لی اور اپنے بل سے باہر نکل آیا اور اسے پہچان لیا اور اس کی نجات دہی کے لیے حیلہ جوئی کرنے لگا، وہ چلا گیا اور بادشاہ کے بیٹے کو ڈس لیا۔ بادشاہ نے اہلِ علم کو بلایا، انھوں نے شفا یابی کے لیے دم کیے، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، پھر سانپ جنوں میں سے اپنی ایک بہن کی طرف گیا اور اسے بتلایا کہ اس سیاح نے اس کے ساتھ کیا نیکی کی تھی اور اب وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔

وہ اس کے لیے نرم پڑ گئی اور شہزادے کے پاس گئی، اسے خیالات دلائے اور کہا: یقیناً تو صحت یاب نہ ہو پائے گا، جب تک کہ تجھے وہ شخص دم نہ کرے گا، جسے ظلم کرتے ہوئے تم نے سزا سے دوچار کیا ہوا ہے۔

سانپ قید خانے میں سیاح کی طرف گیا اور اسے کہنے لگا: یہی وہ چیز تھی میں نے جس سے تمھیں روکا تھا کہ اس انسان کے ساتھ نیکی نہیں کرنی چاہیے، لیکن تم نے میری بات نہ مانی، پھر اس کے پاس ایک بوٹی لایا جو زہر سے فائدہ دیتی تھی، کہا: جب وہ تیرے پاس آئیں تا کہ تو شہزادے کو دم کرے تو اسے اس بوٹی کا پانی پلا دینا، وہ تندرست ہو جائے گا اور جب بادشاہ تیرے حالات دریافت کرے تو اسے سچ سچ کہہ دینا۔ یقیناً تو اس قید سے نجات پائے گا۔ بادشاہ کے بیٹے کو یہ خبر دی جا چکی ہے کہ اس نے کسی کہنے والے کو سنا ہے بے شک تو شفایاب نہ ہو گا، جب تک تجھے وہ شخص دم نہ کرے کہ جو ظلماً پسِ دیوارِ زنداں رکھا گیا ہے۔

بادشاہ نے سیاح کو بلایا اور کہا کہ اس کے بیٹے کو دم کر دے، وہ بولا: میں دم کرنا اتنا زیادہ نہیں جانتا، تاہم اسے اس بوٹی کا عرق پلا دو، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جائے گا، انھوں نے پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔ اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس سے اس کا قصہ معلوم کیا۔ اس نے بتا دیا تو بادشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے بہت بڑے انعام و اکرام سے نوازا اور زرگر کے متعلق حکم نامہ جاری کیا کہ اسے سولی کے پھندے پر چڑھا دیا جائے، چنانچہ انھوں نے اس کے جھوٹ، ناشکری اور اچھائی کا بدلا برائی سے

دینے کے باعث تختہ دار پر لٹکا دیا۔[1]

ایک گائے اور نیک بچہ

بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک پارسا شخص تھا، جس کا ایک نیک بچہ تھا اور اس کے پاس ایک گائے تھی، وہ گائے کو درختوں کے جھنڈ میں لے کر آیا اور کہا: یا اللہ! میں اپنے بیٹے کے بڑا ہونے تک یہ گائے تیرے سپرد کرتا ہوں، پھر وہ آدمی فوت ہو گیا۔ گائے اس جھنڈ ہی میں قید رہ گئی، وہ ہر شخص سے جو اسے دیکھتا بھاگتی تھی، جب بچہ جوان ہوا تو وہ اپنی والدہ سے انتہائی حسنِ سلوک کرنے والا نکلا۔ رات کو وہ تین حصوں میں تقسیم کرتا۔ ایک تہائی نماز پڑھتا، ایک تہائی سوتا اور ایک تہائی اپنی ماں کے سرہانے بیٹھا رہتا۔ صبح ہوتے ہی نکل جاتا، اپنی پیٹھ پر لکڑیاں ڈھوتا، انھیں بازار لے کر آتا اور جتنی قیمت میں اللہ چاہتا وہ انھیں فروخت کرتا، پھر قیمت کا ایک تہائی صدقہ کر دیتا، ایک تہائی کھا لیتا اور ایک تہائی اپنی والدہ کو دے دیتا۔

ایک دن ماں نے کہا: بے شک تیرے باپ نے وراثت میں ایک گائے چھوڑی ہے، جو فلاں فلاں جھنڈ میں اللہ کے سپرد کر کے چھوڑ گیا تھا، اللہ سے دعا کرو کہ وہ تجھے واپس کر دے، اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو اس کی طرف دیکھے گا تو تجھے یہ گمان گزرے گا گویا اس کے جسم سے سورج کی شعاع پھوٹ رہی ہے، اس کے حسن اور زرد رنگ کی وجہ سے اسے سونا کہا جاتا تھا۔

چنانچہ نوجوان جھنڈ میں آیا اور دیکھا کہ وہ چر رہی ہے، اس نے اسے

[1] كليلة و دمنة (ص: ٢٤٩ـ ٢٥١)

آواز لگائی تو وہ دوڑتی ہوئی آئی، یہاں تک کہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، اس نے اس کی گردن سے پکڑا اور ہانکنے لگا۔ گائے اللہ کے حکم سے گویا ہوئی: اے اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والے! مجھ پر سوار ہو جا، یقیناً یہ تیرے لیے بہت آسانی کا باعث ہے۔ نوجوان نے کہا: بے شک میری ماں نے مجھے قطعاً اس کا حکم نہیں دیا، بس یہی فرمایا کہ اس کی گردن سے پکڑ لانا۔

وہ بولی: بنی اسرائیل کے الٰہ و معبود کی قسم! اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو کبھی مجھ پر قابو نہ پا سکتا۔ اب چلو اگر تو کسی پہاڑ کو بھی حکم دے کہ بیخ و بن سے اکھڑ کر تیرے ساتھ چل پڑے تو تیرے ماں سے حسنِ سلوک کے باعث وہ ایسا کرے گا۔

نوجوان اسے لے کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا تو وہ کہنے لگی: تو مفلس و قلاش ہے، تیرے پاس کوئی مال نہیں، دن کو لکڑیاں اکٹھی کرنا اور رات کو قیام کرنا تیرے لیے بڑی مشقت کا باعث ہے، جا اور اس گائے کو فروخت کر دے۔ کہا: کتنی قیمت میں فروخت کروں؟ کہا: تین دینار میں، تاہم میرے مشورے کے بغیر فروخت مت کرنا۔ گائے کی قیمت تب تین دینار ہی تھی۔ وہ اسے بازار لے گیا تو اللہ نے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا، تاکہ اپنی مخلوق کو اپنی قدرت دکھائے اور نوجوان کا امتحان لے کہ اس کی ماں سے نیکی کیسی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا اور کمال خبر رکھنے والا ہے۔

فرشتے نے کہا: کتنے میں بیچو گے؟ کہا: تین دینار میں، لیکن میری والدہ کی رضا مندی ضروری ہے۔ فرشتے نے کہا: بے شک میں تجھے چھے دینار دیتا ہوں، لیکن اپنی والدہ سے مشورہ نہ کرو، نوجوان بولا: اگر تو مجھے اس گائے کے وزن کے

برابر سونا بھی دے دے تو میں اپنی والدہ کی رضا مندی کے بغیر قطعاً نہ دوں گا۔

پھر نوجوان اپنی والدہ کے پاس آیا اور اسے قیمت بتلائی تو وہ کہنے لگی: جا اور چھے دینار کی فروخت کر دے، میری رضا مندی اسی میں ہے۔

پھر وہ اسے بازار کی طرف لے گیا تو فرشتہ ملا اور کہا: تو نے اپنی ماں سے مشورہ کر لیا؟ نوجوان نے کہا: ماں نے حکم دیا ہے کہ میں چھے دینار سے کم میں فروخت نہ کروں اور اس سے مشورہ لے لوں۔

فرشتے نے کہا: بے شک میں تجھے بارہ دینار دیتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تو اس سے مشورہ نہ کر۔ نوجوان نے انکار کر دیا اور اپنی ماں کے پاس آیا اور اسے یہ خبر دی تو وہ کہنے لگی: یقیناً وہ فرشتہ ہے، جو آدمی کی صورت میں تیرے امتحان کے لیے آ رہا ہے، جب وہ آئے تو اسے کہو کیا تم ہمیں یہ گائے فروخت کرنے کا حکم دیتے ہو یا نہیں؟ فرشتے نے کہا: اپنی ماں کے پاس چلا جا، اسے کہہ: اس گائے کو روک رکھے، بے شک موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مقتول کے قضیے میں اسے تجھ سے خریدیں گے، تو اسے اس کے چمڑے کے بھرنے کے برابر سونے کے عوض ہی فروخت کرنا، چنانچہ انھوں نے اسے روک لیا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے گائے کو ذبح کرنا مقرر کر دیا، تا کہ اسے ماں سے نیکی کرنے کا بدلا دیا جا سکے۔[1]

کتا اپنے مالک کا انتقام لیتا ہے

ابو عثمان مدائنی رحمہ اللہ نے کہا کہ بغداد میں ہمارے پڑوس میں ایک آدمی

[1] حیاۃ الحیوان (٦/٢٠٨)

رہتا تھا جو کتوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن وہ سحری کے وقت کسی کام کے لیے نکلا اور اس کے ساتھ وہ کتا بھی تھا، جو اس کے ساتھ ہی رہتا، اس نے اسے واپس بھیج دیا، لیکن وہ نہ آیا اور آدمی چل پڑا، یہاں تک کہ اس قوم کے پاس آ گیا کہ اس کے اور ان کے درمیان عداوت تھی، وہ اسے ملے اور پکڑ لیا اور کتا انھیں دیکھ رہا تھا۔ کتا نکلا اور اسے زخم لگے ہوئے تھے، وہ اپنے مالک کے گھر پہنچ کر بھونکنے لگا۔

آدمی کی ماں نے اپنے بیٹے کو گم پایا تو اسے یقین ہو گیا کہ بے شک کتے کو لگے ہوئے زخم اس کے بیٹے کے قتل کے فعل سے ہیں اور اسے مار دیا گیا ہے، چنانچہ صفِ ماتم بچھا دی اور کتوں کو اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔

وہ کتا قاتل کی سراغ رسانی میں لگا رہا۔ ایک دن قاتل نشے میں مست ہو کر ادھر آ نکلا تو کتے نے اسے پہچان لیا اور اس پر جھپٹ پڑا، گزرنے والوں نے اسے چھڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن اس نے انھیں قدرت نہ دی اور شور بپا ہو گیا، پہرے دار آ گیا اور کہنے لگا: یہ کتا بلا سبب اس آدمی سے نہیں چمٹا، اس کے اندر کوئی راز ہے۔ شاید اس شخص نے اسے زخمی کیا ہو۔ مقتول کی ماں نکل آئی اور کتے کو اس آدمی کے ساتھ چمٹا ہوا دیکھا اور پہرے دار کی بات سنی تو کہا: یہ آدمی ان لوگوں میں سے ہے جن کی میرے بیٹے سے دشمنی تھی، پھر اس کے دل میں یہ خیال جاں گزیں ہو گیا کہ یہی اس کا قاتل ہے اور اس نے اس کے خلاف دعوائے قتل کر دیا۔ دونوں پولیس کے پاس چلے گئے، پولیس نے اسے مارا، لیکن وہ اقرار کرنے کی جانب نہیں آیا اور کتا جیل کے دروازے ہی سے لگا رہا۔

کچھ دن گزرے تو اس آدمی کو رہا کر دیا گیا، جب وہ نکلا تو کتا پھر اس پر کود پڑا، انھیں جدا جدا کر دیا گیا، لیکن کتا اس کے پیچھے بھاگتا اور بھونکتا رہا، تا آنکہ وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوگیا اور کتا بھی اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ غیر محسوس انداز ایک پولیس والا بھی تھا اور گھر کو نرغے میں لے لیا۔ کتا اپنے پنجوں سے مقتول کی جگہ کھودنے لگا اور پولیس نے اس شخص کو پا لیا اور ملزم کو مار گرایا تو اس نے اقرار کرلیا اور باقی لوگوں کا سراغ بھی دے دیا، پھر وہ سب قتل کر دیے گئے اور سولی پر لٹکا دیے گئے۔[1]

قاضی شکر اللہ سِندھی اور ان کا عجیب وغریب واقعہ

۹۲۷ھ میں شاہی بیگ کے زمانے میں انھیں سندھ کے علاقوں میں سے ایک علاقے کا قاضی مقرر کیا گیا۔ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے متعلق کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ سندھ کے حکمران شاہ حسین بن شاہی بیگ نے کسی تاجر سے گھوڑے خریدے اور قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لینے لگا۔ تاجر نے معاملہ قاضی کی طرف اٹھا دیا تو اس نے حکم دیا کہ بادشاہ عدالت کے سامنے حاضر ہو اور وہاں کھڑا ہو، جہاں تاجر کھڑا ہوتا ہے، پھر اس کے برخلاف تاجر کا حق ثابت کر دیا، اس پر بادشاہ نے تاجر کو راضی کیا، پھر قاضی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بادشاہ اپنی روٹین کے کاموں پر متوجہ ہو گیا۔ بادشاہ اس کے پاس بیٹھا اور اسے ایک خنجر دکھایا، جو اس کے پاس تھا اور کہا: میں اسے اس غرض سے لایا ہوں، تاکہ اگر تو میری ہیبت سے حق سے روگردانی کرے تو تجھے

[1] الأذكياء (ص: ٢٩٦)

قتل کر دوں۔ قاضی نے بھی اپنے تکیے کے نیچے سے تلوار نکالی اور کہا: میں نے بھی یہ تلوار اس لیے رکھی تھی کہ اگر تم حد سے تجاوز کرو تو تمھیں قتل کر سکوں، پھر حاکم خوش و خرم چلا گیا اور اس کا قیمت میں ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا امتحان کی غرض ہی سے تھا۔[1]

غیر منقوط وصیت

یہ ایک انوکھی وصیت ہے، جس میں نقطے والا ایک حرف بھی نہیں، اس کے باوجود یہ بڑی آسان اور پر مغز ہے، اس کا عنوان ہے: ہر چلنے والے کے لیے سب سے قابلِ ستائش راستہ۔

يَقُولُ الشَّيخُ عَلِي مُحَّمد:

لِلُوُصُوْلِ لِلسُّؤْدَدِ: حَاوِلُوا وَطَاوِلُوا: حَاوِلُوا الْوُصُولَ لِلْأَمَلِ، وَطَاوِلُوا كِرَامَ الدّوِلِ.

لِلُوُصُوْلِ إِلَىٰ الْعُلاءِ: مَحِّصُوا الْآراءَ، وعَادُوْا الأعداءَ، ووَالُوا الأوداءَ،[2] وأَدْلُوا مَع أهْلِ السُّؤْدَدِ الدِّلَاءَ، واطْرَحُوا المِراءَ، ودَعُوا الحَسَدَ والْعَداءَ، وَاسْلُكُوا مَسْلَكَ الأوداءِ، وَأَعْطُوا لأهْلِ الأطْمَارِ[3] الكِسَاءَ، وَأَهْلَ الْأَدْوَاءِ الدَّواءَ، وَسَهِّلُوا الْعِلمَ لِلدَّهْمَاءِ،[4] وَطَهِّرُوا صُدُورَكُم، وَأَحْكِمُوا أُمورَكُم، وَأَعْطُوا الْأَعمَالَ لِأهْلِها.

---

[1] الإعلام بمن في التاريخ الهند من الأعلام لعبدالحي الندوي (٤/١٢٤، ١٢٥)

[2] الأوداء: أهل الود.

[3] الأطمار: جمع طمر، وهو الثوب الخلق.

[4] الدهماء: عامة الناس.

لِلْوُصُولِ لِلْأَمَلِ: دَعُوا الْكَسَلَ، اِعْملُوا صَالِحَ الْعَمَلِ، وَاسْلُكُو مَسِالِكَ الأُوَلِ.

لِإِصْلاحِ حَالِكُم ومآلِكُم: اِعْمَلُوا عَمَلَ الْإِسْلَامِ، أَحِلُّو الْحَلَالَ، وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَأَهْدُوا السَّلَامَ، وَوَاسُوا أَهلَ الْآلامِ.

وَأَعْطُو السَّائِلَ، وَارْحَمُوا الْأَرَامِلَ، وَآوُوا الْعَائِلَ[1]، وَاهْدُوا الْحَائِرَ، وَطَهِّرُوا السَّرَائِرَ، وَأَكْرِمُوا الْعُلَمَاءَ، وَوَالُوا الصُّلَحَاءَ، وَوُدُّوا الْكِرَامَ، وَدَارُوا اللِّئَامَ، وَاعْمَلُو لِلْمِعادِ، وَوَاصِلُوا السهادَ، وَدَاوِمُوا. الرُّكُوعَ، وَسَحُّوا الدُّمُوعَ، وَادَّرِعُوا الْوَرَعَ، وَاطْرَحُوا الطَّمَعَ، وَدَعُوا الْهَلَعَ، وَرَاعُوا الْعُهُودَ، وَأَدُّوا الْوُعُودَ، وَصُومُوا وَصَلُّوا، وَعَمَّا هُوَ مُحَرَّمٌ أَوْ مَكْرُوهٌ وَلُّوا.

دَعُوا الْعَمَلَ لِعَمْرٍو وَعُمَرَ، وَاعْمَلُوا لله وَحدَهُ كَمَا أَمَرَ. وَسَارِعُوا لَلْمَكَارِمِ، وَوَاصِلُوا الْمَرَاحِمَ.

دَعُوا الْمَكْرَ وَالْمَحَالَ[2]، وَالْعُلُوَّ وَالإِدْلَالَ، وَاللَّهْوَ وَالإِهْمَالَ. دَعُوا الْحِرْصَ وَالإِمْسَاكَ[3] وَإِلَّا عَرَاكُمْ وَدَهَمَكُمُ الْهَلَاكُ.

وَحَاصِلُ الْكَلَامِ: اُسْلُكُوا أَحْمَدَ الْمَسَالِكِ، وَدَعُوا مَا أَوصَلَ لِلْمَهَالِكِ.[4]

---

[1] العائل: الفقير.

[2] المحال: الكيد.

[3] الإمساك: البخل.

[4] عجائب و غرائب الوصايا في التاريخ القديم والحديث / سيد صديق عبد الفتاح. القاهرة: دار الأمين، ١٤١٤هـ، (ص ٢٤١-٢٤٣).

شیخ علی محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لیڈر بننے کے لیے: کوشش اور مقابلہ کرو، آرزو کو پانے کی کوشش کرو اور ذرہ نوازی میں ملکوں کے سخیوں کا مقابلہ کرو۔

بلندیوں کی طرف پہنچنے کے لیے: آرا کو خالص کرلو، دشمنوں سے عداوت اور دوستوں سے محبت کرو، سرداروں کے ساتھ ڈول ڈالو، باہمی لڑائی جھگڑا پھینک دو، حسد اور عداوت کو ترک کر دو، محبت کرنے والوں کے راستے پر چلو، بوسیدہ لباس والوں کو چادر دو، بیماروں کو دوا دو، عوام کے لیے علم کو آسان بنا دو، اپنے سینوں کو پاک اور اپنے امور کو محکم رکھو، نیز ذمے داریاں ان کو سونپوں جو اہلیت رکھتے ہیں، آرزو کو پانے کے لیے سستی و کاہلی چھوڑ دو، صالح اعمال بجالاؤ اور پہلوں کے راستے پر چلو۔

اپنے حال اور انجام کی اصلاح کے لیے: اہلِ اسلام کا سا عمل کرو، حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو، رشتوں کو ملاؤ، کھانا کھلاؤ، سلامتی کا تحفہ دو اور رنج و کرب میں مبتلا لوگوں کی غم خواری کرو۔

سائل کو دو، بیوگان پر شفقت کرو اور فقیر کو پناہ دو، پریشان کو راستہ بتاؤ، پوشیدگیوں کو پاک صاف کرو، علما کی عزت کرو، نیکوں سے دوستی لگاؤ، معزز لوگوں سے محبت کرو، گھٹیا قسم کے افراد سے بچ کے رہو، آخرت کے لیے عمل کرو، شب زندہ داروں سے روابط استوار کرو، دائمی رکوع کرو، خوب گریہ زاری کرو، ورع کا لباس پہنو اور طمع و لالچ کو پھینک دو، بے صبری چھوڑ دو، عہد و پیمان کی حفاظت کرو، روزے رکھو، نماز پڑھو، جو حرام یا مکروہ ہے اس سے اعراض کرو، عمرو اور عمر کے لیے عمل نہ کرو، بلکہ صرف اللہ واحد کے لیے کرو، جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔

مکر و فریب چھوڑ دو، برتری اور نزاکت ترک کر دو، کھیل کود اور آوارگی ختم کر دو، حرص اور بخل سے بچو، ورنہ ہلاکت و تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ سب سے قابلِ ستایش راستے پر چلو ان راہوں کو چھوڑ دو، جو تباہیوں کی طرف لے جانے والی ہیں۔[1]

عجیب وغریب افعال

تلوار سونتنے اور جسمانی کرتبوں کی تاریخ میں ایسے عجیب اور انوکھے کھیل ہیں جو اکثریت کے سامنے جاں بازی کی شکل میں رو پذیر ہوتے ہیں۔

1814ء میں بارثولومیو کی نمایش میں ایک عورت کھڑی ہو کر دعوی کرنے لگی کہ بے شک وہ آگ کے سامنے ایسے کرتب کرتی ہے، جو تسلیم نہیں کیے جا سکتے، جو کرتب اس نے پیش کیے ان میں سے یہ تھا کہ اس نے پگھلا ہوا تانبا اپنے منہ میں رکھا، پھر اپنے دانتوں کے درمیان سے اسے تھوک دیا، پھر گرم لوہے کو، جو سرخ ہو چکا تھا، اپنے جسم، اطراف، زبان اور بالوں پر رکھا، پھر اپنے بازو بھڑکتی ہوئے آگ میں اتار دیے اور کھولتے ہوئے تانبے، گرم تیل اور جوش مارتے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ دھوئے، اس نے یہ تمام کام اس طرح سرانجام دیے کہ اسے کوئی درد کا احساس ہوا اور نہ اس پر کسی قسم کے جھلسنے یا مرض کی علامات ظاہر ہوئیں۔

میں کہتا ہوں کہ یقیناً یہ جادو ہے! اس سے اور اس کے ہم مثل امور سے کوئی شخص دھوکا نہ کھائے۔

---

[1] عجائب و غرائب الوصایا فی التاریخ القدیم والحدیث/ سید صدیق عبدالفتاح

برف کا ہوٹل

اسپین میں ہر سال برف کا ایک ہوٹل بنایا جاتا ہے، اس کی تعمیر میں پندرہ سو (1500) ٹن برف کام میں لائی جاتی ہے، اس برف سے تمام مطلوبہ کمرے، باتھ روم، کچن اور دیگر آرام کے لوازمات تعمیر کیے جاتے ہیں، پھر ہر سال اپریل کے مہینے میں یہ ہوٹل آہستہ آہستہ پگھل جاتا ہے۔[1]

سمندر کی گہرائیوں میں ڈاکٹرز مچھلیاں

مچھلیوں کی انتہائی حیران کن زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان میں ایک چھوٹی سی قسم کی مچھلیاں ہیں، جن کی لمبائی دس سینٹی میٹر سے تجاوز نہیں کرتی، انھوں نے اپنے لیے ڈاکٹری بطور پیشہ اور ذریعہ معاش اختیار کی ہے، اس غرض کے لیے چٹانوں کے درمیان کئی کلینک کھول رکھے ہیں، جہاں بڑی درمیانی اور چھوٹی مچھلیوں کے گروہوں کے گروہ آتے ہیں اور بیماریوں اور زخموں سے شفا پاتے ہیں۔ بحر الکاہل کے جنوب میں یہ مچھلیاں بہ کثرت پائی جاتی ہیں اور بلاشبہہ وہ دنیا کے بہت زیادہ سمندروں میں پائی جاتی ہیں، لیکن وہ سراغ رساں نظر اور کھلی عقل کی محتاج ہیں جو انھیں دیکھنے پر قادر ہو۔

یہ ڈاکٹر مچھلیاں مفت کی غذا حاصل کر لیتی ہیں، جب یہ دوسری مچھلیوں کی صفائی کرتی ہیں تو یہ بڑی مچھلیوں کے حملے سے حفاظت کا سامان بھی کر لیتی ہیں۔ اس مچھلی کو بڑی خطرناک اور چیرنے پھاڑنے والی مچھلیوں کی صفائی و علاج کرتے دیکھا گیا ہے، جیسا کہ حتکلیس، اسے فصیح عربی زبان میں جری بھی کہتے ہیں اور

[1] [illegible]

بعض دوسری زہریلی مچھلیاں ہیں، جب کہ یہ مکمل پر امن ہوتی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان مچھلیوں میں سے ایک قسم ایسی ہے جو ڈاکٹر مچھلی کی شکل، حرکت اور رنگ کو اپنے اوپر دھار لیتی ہے، تا کہ علاج کی خواہش مند مچھلیوں سے قرب کی آزادی حاصل کر لے، یہاں تک کہ جب وہ ان کے قریب ہو جاتی ہے تو اپنے آپ سے یہ لباس اتار پھینکتی ہے اور بھیڑیے کا سا لباس پہن لیتی ہے اور اپنے شکار سے جتنا ہو سکے گوشت نوچ لیتی ہے۔

یقیناً بڑی مچھلیاں حقیقی ڈاکٹر اور نقلی ڈاکٹر مچھلیوں کے درمیان فرق اور امتیاز کرنے کی قدرت رکھتی ہیں، جب کہ چھوٹی اور زندگی سے بے علم مچھلیاں درحقیقت مچھلیوں کی اس قسم کا نوالہ بن جاتی ہیں، ان میں بھی فرق کرنے کی مہارت ہوتی ہے، لیکن وہ دردناک قیمت چکانے کے بعد ہی اس میں مہارتِ تامہ حاصل کرتی ہیں۔

ایک ماہر غوطہ زن شخص مسلسل چھے گھنٹے تک کھڑا رہا اور ان کے ایک طبی مرکز سے علاج معالجے کے طریقے کا مشاہدہ کرتا رہا اور دیکھا کہ تقریباً تین سو مچھلیاں اس مرکز کا قصد کر رہی ہیں، پھر تندرست ہو کر اسے چھوڑ دیتی ہیں، جب ہم اس تعداد کو مقرر کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اتنی ڈاکٹر مچھلیوں کی دنیا کے دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کے مقابلے میں کتنی گنتی ہے، یقیناً ان کے ناتواں کندھوں پر بے شمار مچھلیوں کے علاج معالجے کا بڑا بوجھ ہے۔

اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ تنظیف کا یہ عمل دنیا میں موجود مچھلیوں کی زندگی کے اہم بنیادی روابط میں سے ایک اساسی ربط کی شکل اختیار کر چکا ہے۔[1]

---

[1] غرائب في مملكة الحيوان (١٥٠-١٥٢)

کھوپڑیوں کی غلط کاری

بزرک بن شہریار نے بیان کیا ہے کہ بے شک جزیرہ نیان ہند میں ایک ایسی قوم ہے جو لوگوں کو کھا جاتی ہے اور ان کے سر اپنے پاس جمع کر لیتی ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے پاس جمع شدہ سروں کی کثرت کے باعث فخر کرتا ہے، وہ اسے سونے کی جگہ ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اور وہ ان کے علاقوں میں زمانہ دراز تک پڑے رہتے ہیں، جس طرح ہمارے پاس سونا محفوظ رہتا ہے، سونے کی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں، بلکہ وہ ایسے ہے جیسے ہمارے ہاں پیتل ہوتا ہے۔

جزیرہ نیان کے بعد تین اور جزیرے ہیں، جنھیں برادہ کہا جاتا ہے، وہاں کے رہنے والے بھی لوگوں کو کھاتے، ان کے سروں کو جمع کرتے، ان کا لین دین کرتے اور ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں۔[1]

پیسوں کی پیدائش

افریقہ کے ایک جادوگر نے مصر میں کئی لوگوں کو قربانی کا بکرا بنا لیا اور انھیں یہ وہم دلایا کہ ایک جن پیسے پیدا کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

وہ اپنے شکار خوردہ لوگوں سے کہتا کہ اس کے سامنے اتنا اتنا مال رکھیں، پھر دھونی چھوڑ دیتا اور وہ آدمی دیکھتا کہ پیسوں نے ایک نئی رقم پیدا کر دی ہے۔

دوسری مرتبہ فریب زدہ شخص سے مطالبہ کرتا کہ وہ اس کے سامنے زیادہ بڑی رقم رکھے، پھر وہ اسے چھپا دیتا اور اس کے سامنے دعوی کرتا کہ پیدائش مشکل ہو گئی ہے! اس طریقے سے اس نے بڑی بڑی رقوم پر قبضہ جما لیا، پھر اس کے معاملے

[1] عجائب الهند (ص ۱۸۵)

کا انکشاف ہونے کے بعد اسے تین سال کی قید سنا دی گئی۔[1]

سب سے انوکھی بیماری

وہ ایک ایسا مریض ہے جس کے مزاج اور طبیعت کا کچھ علم نہیں، اسے ''کورو'' یا ہنسنے کی بیماری کہا جاسکتا ہے، اس میں جدید غینیا کا مشرقی قبیلہ ''فور'' مبتلا ہے، وہ یقینی طور پر ایک جان لیوا مرض ہے، جو انسانی دماغ کھانے کے سبب ان میں سرایت کر گیا ہے۔[2]

مریضوں کو ہنسا ہنسا کر علاج معالجہ کرنا

شاید کہ سب سے عجیب چیز جس کا مشاہدہ اندلسی سیاح ابو صلت امیر بن عبدالعزیز نے چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں اپنے سفرِ مصر میں کیا تھا، وہ ایسی خبر تھی جو اس نے سنی تھی نہ اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ اس کے مصر جانے کے زمانے سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی تھا جو ہسپتال ہی میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھا، اسے بالکل اسی طرح مریضوں کے لیے بلایا جاتا جس طرح ڈاکٹروں کو بلایا جاتا، وہ مریض کے پاس آتا اور اسے مضحکہ خیز کہانیاں سناتا، تسلی آمیز واقعات وخرافات بیان کرتا اور وہ اس کے سامنے ہنسانے والی صورتیں نکالتا، اس سب کے ساتھ ساتھ وہ بڑا پیارا لطیفہ گو اور اس کام پر پوری دسترس رکھنے والا تھا، مریض کا دل جو وہ دیکھتا اور سنتا، اس سے کھلے بغیر نہ رہ پاتا اور اس کی قوت واپس آجاتی۔ ہنسانے والا ڈاکٹر اسے چھوڑتا اور چلا جاتا اور

[1] أخبار اليوم ٢٥/ ٥/ ١٤١٨هـ.

[2] صندوق الدنيا، عجائب و غرائب من العالم

وہ صحت یاب ہو جاتا۔ اگر نہیں تو وہ دوبارہ آ جاتا، حتی کہ اسے مکمل شفا مل جاتی۔

اندلسی سیاح کو یہ سن کر، جو اس کے مصر آنے سے قبل رونما ہو چکا تھا، بہت اچھا لگا اور اپنے عہد کے تمام ڈاکٹرز سے آرزو ظاہر کی کہ وہ بھی اس جیسے علاج کی مہارت حاصل کریں جس میں کوئی نقصان اور بگاڑ نہیں ہے، بلکہ اس کا فائدہ مریض کے لیے بڑا آسان اور واضح ہے، جو طبعی حرارت کو پھیلاتا، قوی کو تقویت بخشتا، نیز فضول ضرر رساں اور ردی آمیزشوں کو ختم کرنے کے لیے بدن کو طاقت فراہم کرتا ہے۔[1]

ڈاکٹر مچھلی

سائنس دان "جورج بارلو" مچھلی کا عجیب و غریب انداز بیان کرتا ہے کہ جب وہ اپنے ڈاکٹر کے سامنے عمودی شکل میں اس طرح کھڑی ہو جاتی ہے کہ اس کا سر نیچے اور دم اوپر کی طرف ہوتی ہے، اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتی یا پھر اپنے سارے پنکھ کھول دیتی ہے، گویا وہ مقناطیسی نیند سلا دی گئی ہو۔ اگر اسے اس کے ناک کی ہڈی اور حلق میں درد ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں کو آخر تک کھول دے، یہاں تک کہ چھوٹی مچھلی اس کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ چمٹی ہوئی سب میل کچیل ختم کر دیتی ہے۔ جب مصیبت زدہ مچھلی کسی جان لیوا خطرے کو محسوس کرتی ہے تو چھوٹی مچھلی کے ساتھ برسرِ پیکار دشمن کے ساتھ معرکہ آرا ہو جاتی ہے اور بسا اوقات ان سٹیشنوں کی طرف مریض مچھلیوں کے غول کے غول آتے ہیں۔

---

[1] [illegible]

بڑی مچھلیوں سے افراتفری اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے وہ زبردستی گھسنے میں جلدی کرتی ہیں، پھر اس بدنظمی سے گھبرا کر واپس اپنی کمین گاہ کی طرف دوڑتی ہیں اور کئی مچھلیاں ان کے راستے میں کھڑی ہو کر ان کے اور بھاگنے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے، اس پر یہ ہتھیار پھینک دیتی ہیں اور اپنے کام کی طرف آ جاتی ہیں!!

البتہ وہاں مچھلیوں کی ایسی اقسام ہیں جو پرسکون اور نظم و ضبط کی پابند ہیں اور سکون سے کھڑی ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ ان کی باری آ جاتی ہے، وہ سینوریتا اور اس کی نظائر کو موقع دیتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری بطریقِ احسن پوری کر سکیں، جب ایک گروپ کا کام مکمل ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی بالترتیب اپنی باری لے لیتا ہے۔

عجیب و غریب امور میں، جن کا ماہرین نے مشاہدہ کیا ہے اور وہ پانی کے نیچے کائنات کے نظام کا مطالعہ کرتے ہیں کہ یقیناً کئی مچھلیاں ان مراکز میں آتی ہیں، حالاں کہ انھیں کوئی بیکٹیریا کی بیماری یا کوئی اور مرض لاحق نہیں ہوتا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان زائرین کی اکثریت نر مچھلیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک نر ایک مرکز سے دوسرے میں داخل ہونے کے لیے نکلتا ہے، یا اسی مرکز کو دن میں متعدد بار دیکھتا ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ بے شک نر مچھلیوں کا وقت زیب و زینت، صفائی ستھرائی اور کھانے کی تلاش وغیرہ کی ذمے داری میں برابر برابر تقسیم کیا گیا ہے، گویا یہ مراکز نئی طرز کے اعتبار سے ''صالونات'' میں بدل دیے گئے ہیں۔

کبھی اس کی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نر معرکہ آرائیوں کے لیے جاتے ہیں تو انھیں زخم لگتے ہیں اور جب وہ زخم پیپ بہاتے ہیں تو ان کے لیے ان طبی مراکز کی طرف جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک انوکھا پودا

اس کا علمی نام ''میموزا بودیکا'' ہے، وہ ایک ایسا سیدھا پودا یا درخت ہے، جس کے پتے صاف شفاف ہیں اور دیگر خود رو پودے اس سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اور اس کا سہارا لیتے ہیں،اس کے پتے سبز، پر نما اور تہہ بہ تہہ ہیں، جب کہ اس کی کلیاں گہری سرخ گلابی اور باہم ملی ہوئی ہیں، یہ بہت خوب صورت ہے، باغات اور داخلِ خانہ ان کی پرورش ممکن ہے۔

اس پودے کا انوکھا پن یہ ہے کہ یہ بڑا احساس ہے، اگر کوئی شخص اس کے پتوں میں سے کسی پتے کو چھوتا ہے تو پتے بہت جلد آپس میں مل جاتے ہیں اور وہ پتا مکمل طور پر سمٹ کر اکٹھا ہو جاتا اور سکڑ جاتا ہے۔ اگر چھونا طول پکڑ جائے یا سخت ہو تو تمام ٹہنیاں سکڑ جاتی اور نیچے کی طرف جھک جاتی ہیں، تب وہ ایسی مخلوق کے مشابہ ہو جاتی ہیں جو شرم سار اور شرمندہ ہو، اثر انداز ہونے والی چیز کے زائل ہونے کے بعد ہر شے اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا، اسی طرح یہ بات بھی تعجب خیز ہے کہ یہ خجالت اور شرمیلا پن اس میں تب بھی آجاتا ہے، جب اس کی کوئی پتی کسی شعلے میں جل جائے یا پتا زخمی ہو جائے یا کہیں پھٹن آجائے یا بجلی کا صدمہ پیش آجائے، یا کیمیائی مواد لگ جائے یا اچانک روشن جگہ سے تاریک جگہ کی طرف منتقل کیا جائے، اس مختصر سے پودے

کے لیے یہ سب کچھ کیسے رونما ہو جاتا ہے؟

بلاشبہہ یہ کیفیات اور حرکات اپنی شکل و صورت میں عقل کو دنگ کر دینے والی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پودے کو یہ خاص ترکیب عطا کی ہے جو ان کیفیات اور ان کے تابع حرکات کی اہلیت رکھتی ہے۔[1]

زبانیں نشانیاں ہیں

آج دنیا میں 2796 زبانیں ہیں۔ ان میں مشہور ترین 48 ایسی ہیں جو یورپ میں پھیلی ہوئی ہیں، 153 زبانیں ایشیا میں، 118 افریقہ میں، 424 دونوں امریکہ میں، جب کہ 117 زبانیں سمندروں کے جزیروں میں معروف ہیں۔[2]

زبانیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾ [الروم: ٢٢]

''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے، بلاشبہہ اس میں علم والوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔''

قریب تھا کہ وہ پیاس سے مر جاتا اور پانی اس کے سامنے تھا

برازیل کے نزدیک جنوبی امریکہ کے کنارے کے پاس ایک کشتی ڈوب

---

[1] مجلة الخفجي (ص: ٧) صفر ١٤١٩هـ.

[2] موسوعة هل تعلم (١/ ١٤٠)

گئی، لیکن ایک مسافر چھوٹی کشتی کے ذریعے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ کئی دن گزر گئے اور اس کے پاس موجود زادِ راہ اور پانی ختم ہو گیا، قریب تھا کہ بھوک اور پیاس سے وہ مر جاتا، لیکن اس نے اپنے آپ کو دریا کے کھارے اور نمکین پانی سے روک رکھا تھا، بالآخر اسے سامان منتقل کرنے والی کسی کشتی کے ملاحوں نے دیکھ لیا اور اسے بچا لیا۔ تب وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا، ملاحوں نے اس سے سوال کیا: تجھے کس چیز نے اس کیفیت سے دوچار کیا؟ کہا: پیاس نے، انھوں نے گھبرا کر پوچھا: کیا تو نے اس پانی کو چکھا ہے جس میں تیری کشتی تیر رہی ہے؟ اس نے بلاتردد جواب دیا کہ میں اسے کیسے چکھ سکتا ہوں، جب کہ مجھے علم ہے کہ سمندر کا پانی نمکین ہوتا ہے؟ تب ایک ملاح نے رسی سے باندھا ہوا ایک برتن نیچے اتارا اور اسے پانی سے بھر کر اس آدمی کو پیش کیا اور کہا: پی لو، اس نے اپنے تردد اور دہشت کے باوجود پانی چکھا تو اسے میٹھا پایا، اس میں ملاوٹ کا کوئی نشان نہ تھا، اس نے تعجب کیا اور ملاحوں سے پانی کے میٹھا ہونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتلایا: اس وقت ہم نہرِ امازن کے سمندر میں گرنے کی جگہ کے سامنے ہیں اور یہ نہر سمندر میں دور دراز تک اپنے پانیوں کو دھکیلتی ہے اور اس میں سمندر کا نمکین پانی اتنی جلدی آمیز نہیں ہو پاتا اور تو اسی طرح پیاس سے مرنے کے قریب تھا، حالاں کہ اپنی کشتی کے ساتھ انتہائی گہرے میٹھے پانی کے اوپر تیر رہا تھا۔[1]

تعجب خیز اور انوکھے اوقاف

جب مسلمانوں کے علاقوں میں اوقاف کے ادارے بہتات اختیار کر گئے

---

[1] قصص من عجائب الدنيا (ص: ٤١۔٤٢)

کہ ہر اندازے سے اوپر چلے گئے تو مسلمان نیکیوں کے ایسے دروازے پر دستک دینے لگے جو کچھ دل پر بھی نہیں کھٹکے، نیز ایسی اصناف اختراع کرنے لگے کہ جن سے سوچ عاجز آ جائے!

بطور مثال دمشق میں گراں قیمت جاگیروں اور کثیر غلوں کو وقف کیا گیا۔ کسی نیک آدمی نے اس غرض سے وقف کیا ہے تا کہ ان کے منافع ایسے لوگوں پر خرچ صرف کیے جائیں، جن کے چہروں سے صباحت چھلکتی، بڑے ملنسار، شیریں گفتار کلام اور عمدہ مجالس کے مالک ہیں۔

رہا ان کا کام اور ذمہ داری تو وہ یہ ہے کہ وہ دمشق کے محلوں میں مسلمانوں کے بیماروں کے پاس جایا کریں گے اور میٹھے کلمات سے ان کے اندر انس پیدا کریں گے، خوش خبری سے ان میں سرور کی لہر دوڑائیں گے اور عمدہ لطیفے سے ان کو محظوظ کریں گے۔

ان میں سے کوئی بھی مریض کے پاس سے نہیں نکلتا، مگر اس کا دل امید سے لبریز ہو چکا ہوتا ہے، دل طمانیت سے بھر پور، جسم میں قوت پھیل چکی اور اعصاب میں نشاط و روئیدگی سرایت کر چکی ہوتی ہے۔

دوسرا وقف ان قیمتی چیزوں کا ہے، جنھیں ننھے خادم توڑ دیتے یا ضائع کر دیتے ہیں۔ جب ان غلاموں میں سے کوئی اپنے مالک کا قیمتی برتن توڑ دیتا یا گراں قیمت چیز ضائع کر دیتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اس کا مالک اس کام پر اسے سزا دے گا تو وہ اس وقف والی جگہ پہنچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ٹوٹی ہوئی یا ضائع کردہ چیز ہوتی ہے تو اگر اس چیز کی مثل مل جاتی ہے تو بدلے میں اسے دے دی جاتی ہے اور اگر نظیر ملتی ہے تو اس کی قیمت دے دی جاتی ہے۔ اس

طرح وہ مطمئن ہو کر اپنے مالک کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسے اس کے غضب اور سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

ایک وقف "مرجة الحشيش" میں ہے، یہ ایک وسیع اطراف اور سرسبز و شاداب مٹی والا علاقہ ہے، جو سرد کناروں پر واقع ہے کہ جہاں آج دمشق کی سرکاری نمایش منعقد ہوتی ہے، اس چراگاہ کو اس کے مالک نے ان جانوروں کے لیے وقف کیا ہے، جنھیں جہادی معرکوں میں ایسے زخم پہنچے ہیں کہ وہ کام سے عاجز و مفلوج ہو گئے ہیں یا انھیں بڑھاپے نے پا لیا ہے اور ان کے مالکوں نے ان کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے، اس کے وقف کا مقصد یہ ہے کہ وہ وہاں کی تر و تازہ گھاس اور نباتات میں چریں، پانی پئیں اور اس کے کناروں میں زندگی گزاریں، تا آں کہ انھیں موت آ لے۔[1]

ایک چیتے کے بچے کا قتل اور دس سے اوپر درندوں کا حملہ

ابو بکر محمد بن سہل الشاہد الواسطی القاضی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نہرِ جعفر اور "جامدہ" کے نواح میں واقع میری زمینوں کے دو وکیلوں نے مجھے بیان کیا کہ ہم اپنے ایک کاری گر کے ساتھ نکلے۔ ہمارا مقصد جھنڈ سے سرکنڈے کاٹنا تھا۔ ہم نے بلے کی طرح ایک چیتے کا بچہ دیکھا، تو سرکنڈے کاٹنے والے ایک شخص نے اسے مار ڈالا۔

دوسروں نے کہا: ہم نے اسے ختم کر دیا ہے اور یہ وہ گھڑی ہے جس میں درندہ اور لبوہ (شیرنی) آتے ہیں، اگر انھوں نے اسے نہ پایا تو وہ دونوں ہمیں

---

[1] الدين القيم / عبدالرحمن رافت الباشا دار الأدب الإسلامي، ١٤١٧هـ (ص: ٩٧-١٠٠)

تلاش کریں گے، لہٰذا ہم صحرا میں سرکنڈوں کے درمیان ہی رات گزارتے ہیں، وہ دونوں تو ہمیں چیر پھاڑ ڈالیں گے۔

پھر بہت جلد ہم نے درندے کی آواز سنی تو ہم اپنے چہروں کی سمت تیزی سے بھاگے اور جھنڈ کے باہر ایک ویران مکان میں جمع ہو کر اس کی چھت پر چڑھ گئے، اس میں ایک کمرہ تھا، جس کا ایک دروازہ تھا، ہم رات کو وہیں پناہ گزیں ہوا کرتے تھے۔

جب درندے نے اپنے بچے کو مرا ہوا پایا تو گھر کے صحن میں آ گیا۔ کمرے کے سامنے دو صحن تھے، چیتا کود کر ہمارے پاس آنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن ایسا نہ کر پایا اور واپس چلا گیا۔ صحرا میں واقع ایک ٹیلے پر چڑھ کر زور سے دھاڑا تو اس کے پاس شیرنی آ گئی اور وہ بھی چھلانگیں لگانے لگی، لیکن اوپر نہ چڑھ سکی۔

پھر وہ دونوں مل کر دھاڑے۔ اب متعدد درندے اکٹھے ہو گئے اور اچھلنے لگے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، وہ یوں ہی رہے، تا آنکہ دس سے زیادہ درندے اکٹھے ہو گئے۔ جب بھی کوئی آتا تو ہمارے پاس پہنچنے کے لیے چھلانگیں لگاتا، لیکن ہم تک نہ پہنچ پاتا اور ہم خوف سے مردوں کی طرح ہو چکے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک ہم تک نہ پہنچ پائے۔

اسی دوران یوں ہوا کہ سب درندے ایک حلقے کی طرح اکٹھے ہو گئے اور اپنے منہ زمین پر رکھے، پھر ایک ہی آواز میں دھاڑے، ہم نے دیکھا کہ ان کے سانس سے زمین میں گڑھا پڑ گیا ہے۔

اسی لمحے ایک پیارا سا، بالوں سے عاری، دبلا پتلا، سیاہ رنگ کا درندہ آ گیا۔ سارے درندے اسے ملے اور سب اس کے سامنے اور ارد گرد پھرنے اور

اس کی چاپلوسی کرنے لگے، وہ ان کے آگے آگے آیا، جب کہ باقی اس کے پیچھے تھے، حتی کہ ہمیں کمرے کے اندر دیکھ لیا، پھر اس نے اپنی قوت یک جا کی تو اچانک وہ کمرے کے سامنے صحن میں تھا، ہم نے دروازہ بند کر لیا اور سب اس کے پیچھے اکٹھے ہو گئے، تا کہ اسے داخل ہونے سے روک سکیں۔

وہ لگاتار اپنی پشت سے دروازے کو دھکیلتا رہا، یہاں تک کہ اس کے کچھ پھٹے توڑ دیے اور اس کی دم والا حصہ اندر آ گیا، ہم میں سے ایک نے اس کی دم کا قصد کیا اور اپنے پاس موجود درانتی سے اسے کاٹ ڈالا۔

وہ بری طرح چلایا اور بھاگ کھڑا ہو، اس نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور وہ دوسرے درندوں کو کاٹنے نوچنے اور اپنے پنجوں سے مارنے لگا، یہاں تک کہ ان میں سے کئی ایک کو مار دیا۔

باقی درندے اس کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور وہ بھی صحرا میں اپنے نشانات کے پیچھے چلتا ہوا غائب ہو گیا۔ جب کوئی نہ رہا تو ہم نیچے اترے اور اپنی بستی میں آ کر ان کو اپنا واقعہ سنایا۔[1]

اس نے شیر کے ساتھ ایک بند کمرے میں رات گزاری

راوی کا بیان ہے کہ مجھے قاضی القضاۃ، جو ابو سائب کے نام سے معروف ہے، کے متعلق خبر پہنچی اور خود اس سے نہیں سنا، میں ہمذان سے چلا اور عراق کا ارادہ تھا اور میں مفلس و قلاش تھا۔ میں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی۔ جب واپس ہوا تو ابن ہبیرہ کے محل کا ارادہ کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ بے شک یہ

[1] مختصر الفرج بعد الشدة / للإمام التنوخي (ص: ٣٧٦-٣٧٧)

سرزمین درندوں والی ہے، جو شیروں سے بھری پڑی ہے۔ مجھے مشورہ دیا گیا کہ بستی میں چلا جاؤں، اس میں قلعہ ہے، جس کا نام مجھے بتایا گیا اور شام سے پہلے ہی وہاں پناہ حاصل کرلوں۔

میں پیدل چل رہا تھا، پھر تیزی سے چلنا شروع کر دیا، تا آنکہ بستی تک پہنچ گیا، لیکن قلعے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی، لیکن دروازہ نہیں کھولا گیا۔ وہاں حفاظت اور پہرے پر تعینات لوگوں کو نام بتایا، کہ میں کس کی زیارت سے واپس آ رہا ہوں۔

وہ بولے: کچھ دن پہلے ہمارے پاس ایک آنے والا آیا تھا، اس نے بھی تیرے جیسی بات ذکر کی تھی، ہم نے اسے داخل کیا اور پناہ دی تو اس نے چوروں کی راہنمائی کی اور رات کو ان کے لیے قلعے کا دروازہ کھول کر انھیں اندر لے آیا، اور وہ ہمیں لوٹ کر چلے گے، البتہ تم اس مسجد میں چلے جاؤ اور اسی میں رہو، کہیں شام نہ ہو جائے اور درندوں سے پالا پڑ جائے۔

میں مسجد کی طرف چلا گیا اور بیٹھ گیا۔ تھوری ہی دیر گزری تھی کہ ایک آدمی گدھے پر سوار ہو کر آ گیا۔ وہ کوئی گم گشتہ راہ تھا۔ وہ مسجد میں داخل ہوا، دروازے کے کنڈے سے اپنا گدھا باندھا اور میرے پاس آ گیا، اس کے پاس ایک تھیلی میں پانی والی بوتل تھی، اس نے دیا نکال کر اسے درست کیا، پھر چقماق کا پتھر نکالا، اس سے آگ سلگائی اور دیا جلا دیا۔ پھر اپنی روٹی نکالی اور میں نے بھی اپنی روٹی نکالی اور کھانے پر اکٹھے ہو گئے۔

ہمیں کچھ پتا نہ چلا کہ شیر مسجد میں داخل ہو چکا ہے۔ جب گدھے نے

اسے دیکھا تو اس کمرے کی طرف آ گیا جس میں ہم بیٹھے تھے۔ شیر بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گیا، گدھا باہر نکل گیا اور کمرے کے دروازے کو گلے میں بندھی ہوئی رسی سے کھینچا تو وہ بند ہو گیا، ہم شیر کے ساتھ بند کواڑ میں رہ گئے۔ یہ بدترین قید تھی۔

ہم نے اندازہ لگایا کہ چراغ کی وجہ سے شیر ہمارے درپے نہیں ہو رہا تھا، لیکن جب وہ بجھ جائے گا تو ہمیں کھا لے گا یا پکڑ لے گا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دیے میں موجود تیل ختم ہو گیا اور وہ بجھ گیا، پھر تاریکی چھا گئی اور شیر ہمارے ساتھ تھا۔ حالت یہ تھی کہ جب وہ سانس لیتا تو ہم اس کی سانس سن رہے تھے۔

گدھے نے اس سے خوف زدہ ہو کر لید کر دی اور ساری مسجد لید سے بھر دی، رات گزر گئی اور ہم اپنی اسی کیفیت میں تھے، قریب تھا کہ خوف سے مر جاتے۔ پھر قلعے کے اندر سے اذان کی آواز سنائی دی اور صبح کی روشنی پھوٹی، جسے ہم نے دروازے کی درزوں سے دیکھا۔

قلعے سے موذن آیا اور مسجد میں داخل ہوا۔ جب اس نے گدھے کو دیکھا تو لعن طعن اور سب وشتم کی، کنڈے سے گدھے کی رسی کھولی تو وہ گھبراہٹ کے مارے تیزی سے صحرا میں بھاگ کھڑا ہو، اسے معلوم تھا کہ کس مصیبت سے رہائی دیا گیا ہے۔ موذن نے یہ دیکھنے کے لیے کہ کمرے میں کون ہے، کمرے کا دروازہ کھول دیا، شیر نے اس پر چھلانگ لگا دی، اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور پھر اٹھا کر درختوں کے جھنڈ کی طرف لے گیا، ہم کھڑے ہوئے اور سلامتی سے واپسی کی راہ لی۔[1]

---

[1] مختصر الفرج بعد الشدة / للامام التنوخی (ص ۳۸۸، ۳۸۹)

نصرانی رومی ایک دادے اور مسلمان عربی پوتے کی ملاقات

کوفے کے ایک آدمی کا بیان ہے کہ ہم روم میں مسلمہ بن عبدالملک کے ساتھ تھے۔ اس نے بہت سے قیدی بنائے اور کئی منازل میں قیام کیا، پھر قیدیوں کو تلوار پر پیش کر دیا اور کتنی ہی خلقت کو قتل کر دیا، یہاں تک کہ اس کے سامنے ایک انتہائی بوڑھا شخص پیش کیا گیا تو اس نے اس کے قتل کا حکم بھی دے دیا۔

بوڑھا بولا: مجھ پیرانا سال کو قتل کر کے کیا کرو گے؟ اگر مجھے زندہ چھوڑ دو تو تمھارے پاس دو نوجوان مسلمان قیدی لے کر آؤں گا۔

اس نے کہا: مجھے اور کیا چاہیے۔ بوڑھے نے کہا: میں جب وعدہ کرتا ہوں تو وفا کرتا ہوں۔ کہا: مجھے تم پر بھروسا نہیں۔ بوڑھے نے کہا: مجھے چھوڑ یے، میں تیرے لشکر میں چکر لگاتا ہوں، شاید کوئی میری ضمانت دے کہ میں جا کر دو قیدی لے آؤں گا۔

اس نے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی کہ اسے لشکر میں لے جائے اور اسے اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا، بوڑھا مسلسل چکر کاٹتا رہا اور چہروں کو بغور دیکھتا رہا، یہاں تک کہ بنی کلاب کے ایک نوجوان کے پاس سے گزرا جو اپنے گھوڑے کو کھریرا پھیر رہا تھا۔ اس نے کہا: اے نوجوان! میرے لیے امیر کے سامنے ضمانت دو اور اپنا قصہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا: میں ضمانت دیتا ہوں اور نوجوان مسلمہ کے پاس آ گیا، اس کی ضمانت دی اور مسلمہ نے اسے جانے دیا۔ جب وہ چلا گیا تو مسلمہ نے نوجوان سے پوچھا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ کہا: پھر اس کی ضمانت کیوں دی؟ کہا: میں نے اس کو دیکھا کہ

چہروں کو غور سے دیکھ پرکھ رہا ہے اور لوگوں میں سے میرا انتخاب کیا ہے تو میں نے ناپسند کیا کہ اس کے اپنے متعلق گمان کی مخالفت کروں۔

جب اگلا دن ہوا تو بوڑھا واپس آ گیا اور اس کے ساتھ مسلمانوں میں سے دو نوجوان قیدی بھی تھے۔ انھیں مسلمہ کے سپرد کیا اور کہا: اگر امیر اجازت دیں کہ میں اس نوجوان کو اپنے ساتھ اپنے قلعے میں لے جاؤں، تاکہ اس کے کام کا بدلہ دے سکوں تو کیا ہی بہتر ہو گا۔ مسلمہ نے کلابی نوجوان سے کہا: اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ چلے جاؤ۔

جب وہ اس قلعے کی جانب گیا تو اس نے نوجوان سے کہا: تم جانتے ہو کہ واللہ! تم میرے بیٹے ہو۔ کہا: میں تمھارا بیٹا کیسے ہو سکتا ہوں، جب کہ میں عرب کا ایک مسلمان ہوں اور تم روم کے نصرانی شخص ہو؟

اس نے کہا: اپنی ماں کے متعلق بتاؤ، وہ کون ہے؟ کہا: وہ رومن ہے۔ کہا: میں تیرے سامنے اس کا حلیہ بیان کرتا ہوں، تجھے قسم ہے کہ اگر میں سچ کہوں تو تم میری تصدیق کرنا۔ کہا: میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔

رومی اس نوجوان کی ماں کا حلیہ بیان کرنے لگا اور سب صحیح بیان کر دیا۔ نوجوان نے کہا: وہ ایسی ہی ہے، تو نے کیسے پہچانا کہ میں اس کا بیٹا ہوں؟ کہا: مشابہت، روحوں کی شناخت اور سچی فراست سے۔ پھر بوڑھے نے اس کی طرف ایک عورت کو نکالا، جب نوجوان نے اسے دیکھا تو اسے ذرا شک نہ ہوا کہ وہ اس کی ماں ہی ہے کہ ایک جیسی شکل وصورت تھی، پھر اس کے ساتھ ایک اور بوڑھی عورت نکلی، جو ویسی ہی تھی۔ وہ دونوں نوجوان کے سر اور ہاتھوں پر بوسے دینے لگیں اور پیار کرنے لگیں۔

بوڑھے نے بتایا: یہ تیری خالہ اور یہ تیری دادی ہے۔ پھر اس نے اپنے قلعے سے جھانکا اور صحرا میں موجود نوجوان کو آواز دی۔ وہ سب آ گئے تو اس نے رومی زبان میں ان سے بات کی، وہ بھی نوجوان کا سر اور ہاتھ چومنے لگے، کہا: یہ تیرے ماموں، خالہ زاد اور تیرے باپ کے چچا کے بیٹے ہیں۔

پھر اس کی طرف بہت زیادہ زیور اور فاخرانہ لباس نکالا اور کہا: یہ تیری والدہ کا ہے، جب سے وہ قیدی بنائی گئی تھی، اسے اپنے ساتھ لے جا اور اس کے سپرد کر دے، وہ فوراً اسے پہچان لے گی، پھر اسے بہت زیادہ مال، کپڑے اور زیورات دیے اور اس کے لیے کئی جانوروں پر لاد دیا اور پھر مسلمہ کے لشکر تک پہنچا کر واپس آ گیا۔

نوجوان واپس آیا اور اپنے گھر داخل ہوا تو ایک کے بعد دوسری چیز نکالنے لگا، جو بوڑھے نے بتلائی تھی کہ وہ اس کی ماں کی ہے، اس کی ماں دیکھ رہی تھی اور رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میں نے یہ تجھے ہبہ کی۔

جب اس نے بہت کچھ دکھایا تو ماں نے کہا: اے میرے بیٹے! میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں کہ یہ لباس تمھیں کس علاقے سے ملے ہیں؟ نیز کیا تو اس قلعے والوں کے حلیے میرے سامنے بیان کر سکتے ہو؟ چنانچہ نوجوان نے اس کے سامنے شہر اور قلعے کا ماحول بیان کیا اور اس کی ماں اور بہن کا حلیہ ذکر کیا، نیز ان آدمیوں کا جنھیں اس نے دیکھا تھا، وہ روئے جا رہی تھی اور قلق میں مبتلا تھی۔

نوجوان نے کہا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کہا: وہ بوڑھا شخص، اللہ کی قسم! میرا باپ ہے، بڑھیا، میری ماں اور میری بہن تھی، اس نے اسے قصہ سنایا اور جو

باقی ماندہ باپ نے اسے بھیجا تھا، سب نکال کر اس کے سپرد کر دیا۔[1]

کیا وہ بغیر بدلے اسے قتل کرنا چاہتا ہے؟

ظریف النفس اور انوکھے لطیفوں والا شاعر ابو دلامہ بیان کرتا ہے: مجھے منصور مہدی کے پاس لایا گیا اور میں نشے میں دھت تھا، اس نے قسم اٹھائی کہ وہ مجھے جنگ پر بھیجے گا، چنانچہ روح بن حاتم مہلبی کے ساتھ (جو قابلِ ستایش بہادر امیر، منصور کا پہرے دار اور نڈر لیڈر تھا اور اس نے ۱۷۴ھ میں وفات پائی) خوراج کے خلاف لڑائی کے لیے بھیج دیا۔

جب دونوں لشکر مڈ بھیڑ ہوئے تو میں نے روح سے کہا: اللہ کی قسم! اگر آج میرے نیچے گھوڑا ہو اور تیرا اسلحہ میرے پاس ہو تو دشمن میں ایسے نشانات چھوڑوں جو تجھے خوش کر دیں۔ وہ ہنس پڑا اور کہا: عظیم و برتر اللہ کی قسم! میں یہ سب ضرور تیرے سپرد کروں گا اور تجھ سے اپنی شرط پوری کرنے کا وعدہ لوں گا، پھر وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا، اپنا اسلحہ اتارا اور اسے دے دیا اور خود ان دونوں چیزوں کے علاوہ اور پہن لیں۔

جب یہ سب کچھ میرے ہاتھ میں آ گیا تو مجھ سے طمع کی حلاوت ختم ہو گئی اور میں نے کہا: اے امیر! یہ تجھ سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے، کیا تم مجھے اس مصیبت سے معاف نہیں کر سکتے؟ کہا: آگے بڑھو اور مقابلہ کرو۔ خوارج میں سے ایک آدمی نکلا اور دعوتِ مبارزت دینے لگا تو اس نے کہا: ابو دلامہ! اس کے مقابلے میں اترو۔ میں نے کہا: اے امیر! میں اپنے خون کے متعلق تجھے اللہ کا

[1] مختصر الفرج بعد الشدۃ للإمام التنوخي (ص: ۱۳۱)

واسطہ دیتا ہوں، کہا: اللہ کی قسم! تم ضرور نکلو گے۔

ابو دلامہ نے کہا: اے امیر! بے شک یہ آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری دن ہے اور اللہ کی قسم! میں بھوکا ہوں، میرا ایک عضو بھی بھوک سے سیر نہیں ہوا، میرے لیے کسی چیز کا حکم دے، جسے کھاؤں، پھر مبارزت کے لیے نکلوں تو اس نے میرے لیے دو روٹیوں اور ایک مرغی کا حکم دیا، میں نے اسے لیا اور صف سے باہر آ گیا۔ جب مجھے خارجی نے دیکھا تو میری طرف چل پڑا، اس کے اوپر چمڑے کی زرع تھی، جو بارش سے بھیگ گئی تھی، پھر دھوپ لگنے سے سکڑ گئی تھی اور اس کی آنکھیں انگارے سلگا رہی تھیں، وہ میری طرف تیزی سے آیا تو میں نے کہا: اے شخص! جہاں ہو وہیں رک جاؤ، وہ کھڑا ہو گیا۔

میں نے کہا: کیا تم اس سے لڑائی کرو گے جو تمھارے ساتھ نہیں لڑتا؟ کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ میں نے کہا: کیا ایسے شخص سے لڑو گے جو تمھارے دین پر ہے؟ کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ میں نے کہا: کیا تم اپنے دین کی طرف دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑائی کرنا اور اسے حلال سمجھنا جائز سمجھتے ہو؟ کہا: نہیں، دور اللہ کی لعنت کی طرف چلے جاؤ۔ میں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، کیا تم مجھ سے سنو گے۔ کہا: بولو۔

میں نے کہا: کیا ہمارے درمیان کبھی کوئی عداوت یا قتل ہوا ہے یا کیا تم مجھے پہچانتے ہو کہ میرے بارے میں خوف محسوس کرتے ہو؟ یا کیا جانتے ہو کہ بے شک میرے خاندان اور تیرے خاندان کے درمیان کوئی خون یا انتقامِ خون ہوا ہو؟

پھر میں اس کی طرف بڑھا، حتی کہ ہمارے جانوروں کی گردنیں ایک دوسرے سے باہم مل گئیں اور ہم نے اپنے پاؤں ان کی گردنوں کی بالوں کی جگہ

سمیٹ کر رکھ لیے اور لوگ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، جب ہم ملے اس نے مجھے الوداع کہا۔

پھر میں نے کہا: بے شک ہمارا جاہل امیر، اگر تو کھڑا ہوتا اور دعوت مبارزت دیتا تو وہ مجھے بھیج دیتا تو تُو میرے پیچھے لگتا تو تھک کر چور ہو جاتا۔ اگر ایسا کرو کہ آج مقابلے میں نہ اترو تو ایسے ہی کرنا۔ کہا: ایسے ہی کروں گا۔

پھر وہ چلا گیا اور میں بھی چلا آیا۔ میں نے روح سے کہا: میں نے تو شجاعت وبسالت کی مثال قائم کر دی ہے، کسی اور سے کہہ کہ وہ میرے جیسا کارنامہ سرانجام دے کر دکھائے۔ روح ہنسا، یہاں تک کہ زمین پر دراز ہو گیا۔

دعاے مقبول

میرے پیارے دوست! میری قابل قدر بہن!

میں آپ کے سامنے یہ چھوٹی سی کتاب پیش کرتے ہوئے اپنے رب عزوجل سے دست بہ دعا ہوں کہ اس کے ذریعے ہر زمانے اور جگہ پر مسلمانوں کو نفع دے اور اسے میرے والدین کے نیکیوں والے پلڑے میں رکھے۔

اس مختصر کتاب میں جو کوئی خوبی اور اچھائی ہے تو وہ محض اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور جو اس میں لغزش یا غلطی اورنسیان ہے، وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس سے بری ہیں، میں اس بات سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کو اس کی نصیحت کر دوں اور خود اسے بھول جاؤں۔

جو بھی اس کتاب سے استفادہ کرے تو میرے لیے دعا کرنے میں بخل سے کام نہ لے، شاید کہ اللہ مجھے اور آپ کو معاف فرما دے اور ہمیں جنت میں آمنے سامنے تختوں پر براجمان کر دے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعا کی، اس کے اوپر مقرر شدہ فرشتہ کہتا ہے: آمین! اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔

- آؤ ہم اس عظیم دین کے سائے میں رہیں۔
- آؤ ہم اپنے چہروں اور اپنے گردوپیش ہر کسی کے چہرے پر مسرتیں اور مسکراہٹیں بکھیر دیں۔
- آؤ ہم درستی سے ایمان کے باغ میں داخل ہو جائیں، رحمٰن کے راستے کے سائے میں زندگی گزاریں اور سید الانام ﷺ کے طریقے سے جلا پائیں۔
- آؤ ہم فرحت و انبساط کو بکھیریں، تا کہ دنیا میں سعادت ایمان کے سائے میں رہیں اور آخرت میں رحمٰن کی جنت سے بہرہ مند ہوں، جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال ہی اس جیسی نعمتوں کا گزرا ہے۔

سُبُحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمُدِكَ أَشُهَدُ أَنُ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنُتَ، أَسُتَغُفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيُكَ. وَصَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهِ وَصَحُبِهِ وَسَلَّمَ.

والدین کی نافرمانی کا انجام

لرزہ خیز حقائق اور عبرت ناک واقعات کے ساتھ

تالیف

ابراھیم بن عبداللہ الحازمی

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا رحمت اللہ شاکر حفظہ اللہ

مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

نظرثانی

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مکتبہ بیت السلام

الریاض، لاھور

جواللہ کے لیے کوئی شے چھوڑتا ہے، اللہ اسے بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں

بہتر بدلہ

حیرت انگیز واقعات اور نصیحت آموز حکایات کے ساتھ

تالیف

فضیلة الشیخ إبراهیم بن عبدالله الحازمی

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ سعید الرحمٰن ہزاروی حفظہ اللہ تعالیٰ

مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

نظرثانی

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام

الریاض، لاہور



مکتبہ بیت السلام لاہور ریاض

Ph: +966-11-4381155,4381122 Fax: 4385991
Mob: +966-542666646,566661236,532666640

Email: bait.us.salam1@gmail.com
Web: baitussalam.exai.com

Tel: 042-37361371
Mob: 0321-9350001

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Facebook page :Baitussalam book store